حیاتِ حافظ رحمت خاں

(طبع ثانی)

مؤلفہ

سیّد الطاف علی بریلوی

ناشر:-

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

کراچی

ناشر ــــــــــ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس متصل سرسید گرلس کالج
ناظم آباد۔ کراچی

طبع اول ــــــــــ سنہ ۱۹۳۳ء

طبع ثانی ــــــــــ سنہ ۱۹۶۳ء

قیمت ــــــــــ Rs 2 0

تعداد ــــــــــ ایک ہزار

مطبوعہ
ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس کراچی

۱۹۶۳ء

حافظ الملک حافظ رحمت خاں

فہرست مضامین

کتبِ حوالجات

کتب اردو۔ اخبار الصنادید۔ مولوی نجم الغنی خاں رام پوری + تاریخ اودھ حصہ اوّل و دوم مولوی نجم الغنی خاں رام پوری + سیر المتاخرین حصّہ دوم و سوم۔ سید غلام حسین + تاریخ ہندوستان جلد دہم شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ + کنز التاریخ مولوی رضی الدین + تاریخ نجیب آباد۔ مولانا اکبر شاہ خاں + تاریخ افغانستان موسوم بہ نقش سلیمانی۔ نواب سلیمان خاں اسد نبیرہ نواب محبت خاں + حیات افغانی۔ علامہ محمد حیات خاں + سرگذشت نواب نجیب الدولہ۔ محمد عبد السلام خاں عمر خیل + تاریخ اخبار حسن۔ نواب محمد حسن رضا خاں + تاریخ روہیل کھنڈ۔ نواب نیاز احمد خاں ہوش + نسب نامہ افاغنہ۔ محمد عبد السلام خاں پنشنر جج + تاریخ تیموریہ + قیصر التواریخ + تاریخ فرخ آباد۔ ولیم اروِن + تاریخ شاہجہاں پور۔ مولوی صبیح الدین میاں + تاریخ غدر۔ زبانی سید احمد حسین (قلمی) انتخاب یادگار۔ منشی امیر احمد مینائی + کلیات ہوش۔ نواب نیاز احمد خاں + دیوان عزیز۔ نواب عبد العزیز خاں + یادگار ضیغم۔ نواب عبد اللہ خاں ضیغم

کتب فارسی۔ گلستان رحمت۔ نواب مستجاب خاں ابن حافظ رحمت خاں (قلمی) گل رحمت۔ نواب سعادت یار خاں نبیرہ حافظ رحمت خاں (قلمی) تواریخ رحمت خانی (قلمی) خلاصۃ الانساب۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں (قلمی) جغرافیہ افغانستان۔ مولوی محمد حسین + عماد السعادت (قلمی) تذکرہ کاملان رام پور۔ منشی احمد علی خاں شوق۔

کتب انگریزی۔ برک کی تحریریں اور تقریریں جلد سوم۔ برک + امپائر ان ایشیا۔ اے بک آف کنفیشن۔ ٹارنس ایم۔ پی + ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔ سر جان اسٹریچی + رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا جلد اول و دوم۔ میجر بی۔ ڈی باسو + ہسٹری آف برٹش انڈیا جلد سوم۔ جے۔ مل + ہسٹری آف دی جاٹس جلد اول۔ پروفیسر آر۔ کے قانون گو + ہسٹری آف دی مرہٹاز۔ گرانٹ ڈف + روہیل کھنڈ گزیٹیر + انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ہسٹری آف دی روہیلاز۔ ہملٹن

— x —

داستانِ "حیات"

باز ایں اوراق را شیرازہ کن

باز آئینِ محبت تازہ کن

"حیاتِ حافظ رحمت خاں" کی تالیف کا کام ۱۹۳۳ء میں ختم ہوا، اور وہ اوائل ۱۹۳۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی، علمی اور تحقیقی کتابوں کی ابنائے عالم کے ہاتھوں ناقدری ایک ضرب المثل بن گئی ہے، لیکن اس کتاب کا خلاف توقع پرجوش خیر مقدم ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ مؤقر اخبارات و رسائل نے اعلیٰ درجہ کے تبصرے لکھے اور مشاہیر اہل علم نے اس کی تعریف و توصیف میں بکثرت خطوط تحریر فرمائے، ان مشاہیر میں نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، علامہ سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر مولوی عبد الحق، مولانا ظفر علی خاں، نواب سر محمد اکبر خاں (ہوتی۔ مردان) پرنس غازی الدین خاں (چترال) اور ڈاکٹر سید محمود صاحب کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

کتاب کیوں مقبول و مشہور ہوئی؟ یہ میرے لئے آج تک ایک معمہ ہے، میں نے اسے مورخ محقق اور ادیب بننے کے لئے نہیں لکھا تھا، ایک عصری تقاضہ کو پورا کرنا البتہ میرے پیش نظر ضرور تھا۔ ۳۲-۱۹۳۱ء میں برصغیر پاک و ہند کی تحریکِ آزادی شباب پر تھی جس میں ہندو برادران وطن اپنی غالب اکثریت، دولت و ثروت اور دفتری بالادستی کے باعث

پیش پیش نظر آرہے تھے اور مسلم زعماء ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، بلکہ اس سے بھی پہلے حضرت سید احمد شہید کے زمانہ سے بے پناہ قربانیاں دینے کے باوجود کسی شمار و قطار میں نہ تھے، مسلم عوام بھی شدید کس مپرسی اور احساس کمتری کا شکار تھے، مسلمانان ہند کے عظیم الشان تاریخی کارنامے اور مسلم جانبازوں کی بے مثل کارکردگیوں کو عالم فراموشی میں ڈال دیا گیا تھا، برعکس اس کے رانا پرتاب سنگھ، شیواجی، گرو گوبند اور بندا بیراگی وغیرہم کو قومی ہیرو بنا کر خوب خوب اچھالا جا رہا تھا، مہاراشٹر کے علاقہ میں تو یہ حال تھا کہ شیواجی کی تصویریں گھر گھر اور دوکان دوکان آویزاں تھیں جن کو دیکھ کر ہر ہندو نوجوان اس جیسا بننے کی کوشش کر رہا تھا، مسلم قوم اور اس کے نوجوانوں کے سامنے ایسا کوئی مقامی ہیرو نہ تھا جس کی شخصیت اور کردار ان میں جوش عمل پیدا کرنے میں ممد ہو۔

شمالی ہند میں راقم کو اور جنوبی ہند میں مولوی محمود بنگلوری کو اس صورت حال کا بیک وقت توارد خیال ہوا، میں نے حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید کی شخصیت کو مرکز توجہ بنایا اور محمود بنگلوری نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "سلطنت خداداد میسور" لکھ کر حیدر علی اور ٹیپو سلطان شہید کے مجاہدانہ کارناموں کو اجاگر کیا، دونوں کتابیں قریب قریب بیک وقت طبع ہوئیں اور ان پر ایک ساتھ اخبارات و رسائل میں تبصرے شائع ہوئے۔

روہیلوں اور ان کے جانباز سردار حافظ رحمت خاں، نواب نجیب الدولہ اور نواب دوندے خاں وغیرہ کا شمار مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں کے مانند غاصبوں اور سرکشوں کی صف میں تھا، خدا کا شکر ہے کہ حیات حافظ رحمت خاں کی اشاعت کے بعد سے یہ نظریہ یکسر تبدیل ہو گیا اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے تاریخی حالات لکھنے والا اب کوئی مورخ یا مضمون نگار ایسا نہیں ہے جو ان کو عزت و احترام کا درجہ نہ دیتا ہو۔ حیات حافظ رحمت خاں کے حوالے اور اقتباسات بھی ہر جگہ دئے جاتے ہیں۔

اس یادگار خدمت کے سلسلہ میں آغاز کار اس طرح ہوا کہ ۱۹۳۰ء میں علی گڑھ میں ایل ایل۔ بی

کے امتحان میں ناکام ہو کر جب میں اپنے وطن بریلی واپس آیا اور بوجہ ثانہ نشینی پر مجبور ہوا تو اسی زمانہ میں ایک روز حافظ الملک کے مقبرہ پر جانے کا مجھے خیال آیا، فاتحہ خوانی کے بعد کافی دیر میں وہاں بیٹھا رہا، میرے دل و دماغ کے نہاں خانہ میں حافظ الملک کے عروج و زوال کے جو واقعات خوابیدہ تھے، گنبد مزار اور گرد و پیش کے دوسرے شکستہ تاریخی آثار نیز ماحول کی ویرانی سے بیدار ہو گئے، پھر خود بخود دل میں تحریک پیدا ہوتی کہ اس مجاہد اعظم اور بطل حریت کے سچے حالات زندگی سے دنیا کو روشناس کرانا چاہتے اور اس شہید راہ حق کی گرانمایہ شخصیت پر ڈیڑھ سو سال سے غلط فہمیوں کا جو پردہ پڑا ہوا ہے اس کو اب چاک ہونا چاہتے۔ اس وقت میرے سراپا پر ایک عجیب قسم کی خشوع و خضوع کی سی کیفیت طاری تھی، گھر لوٹ کر آیا تو اسی روز سے میں انتہائی جوش و انہماک کے ساتھ مطبوعہ اور قلمی کتب، نوشتہ جات، فرامین اور یادداشتوں وغیرہ کی فراہمی میں لگ گیا، اس زمانہ میں میرے مکان کے قریب ہی حافظ الملک کے اہل خاندان کا ایک پورا محلہ دگلی نوابان نامی، موجود و معمور تھا جس میں ایسے بزرگوں کا اجتماع تھا جو قدیم روایات، تہذیب و معاشرت اور نسبی خصوصیات کے حامل تھے، اسی طرح شہر کے مغرب و مشرق کے دوسرے محلوں میں اس عظیم المرتبت خانوادے کے کافی لوگ رونق دہِ حیات تھے، خصوصیت سے بذریہ صندل خاں کے ستر سالہ بوڑھے نواب نثار احمد خاں سے جب میں ملا اور ان سے اپنے عزم و ارادے کا ذکر کیا تو وہ بہت خوش ہوتے اور انہوں نے اپنا یہ معمول بنا لیا کہ روزانہ سہ پہر کو قریب دو میل پیدل چل کر میرے غریب خانہ پر تشریف لاتے اور ایک دن میں جس قدر مواد فراہم ہوتا یا جتنا کچھ میں لکھ لیتا اس کو ملاحظہ فرماتے، مقصد یہ تھا کہ میں کسی دن بھی کام کا ناغہ نہ کروں، مجھے فکر رہتی کہ نواب صاحب جیسے بزرگ کافی زحمت اٹھا کر تشریف لاتے ہوں گے تا وہ واپس نہ جائیں کچھ نہ کچھ کام انہیں دکھانے کے لئے ضرور کر لیا جائے۔

ایک دوسرے بزرگ مولوی محمد عظیم الشان خاں صاحب تھے جن کی بے لوث محبت کو میں کبھی

فراموش نہ کرسکوں گا، میری فارسی دانی محدود تھی اور فارسی کے قلمی مسودات اور کتابوں کی مقفّیٰ اور مسجّع عبارتوں پر پوری طرح قابو پانا نہ صرف یہ کہ میرے لئے آسان کام نہ تھا بلکہ میں ان کی الجھنوں سے اکتا کر بار بار حیاتِ حافظ رحمت خاں کی تالیف سے دستبردار ہونے کا ارادہ کرلیتا تھا، لیکن خان صاحب موصوف نے میری ہمت بندھائے رکھی۔ شام کے چار بجے سے پانچ چھ بجے تک میں روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور وہ خالصًا لوجہ اللہ تین سال تک مسلسل فارسی سے متعلق جو جو مشکلات ہوتی تھیں ان کو حل کرنے میں امداد فرمایا کرتے تھے۔

میری بیگم سیّدہ انیس فاطمہ اور میرے والد محترم سید اسحٰق علی صاحب مرحوم کا استقلال و ایثار بھی بے مثل تھا، ان لوگوں نے میری اس علمی و قومی خدمت کے سلسلہ میں شب و روز کی مصروفیت کو نہ صرف خوش دلی کے ساتھ انگیز کیا بلکہ تین سال کے طویل عرصہ میں مجھ پر ایک دفعہ بھی تقاضا نہ کیا کہ میں اسے ترک کرکے کچھ روزی روزگار کی بھی فکر کروں، درانحالیکہ میں صاحبِ اولاد تھا اور ہمارا خاندان ان دنوں سخت معاشی بحران میں مبتلا تھا۔

—— ۳ ——

بالآخر وہ وقت آیا کہ قلم کا مسافر اپنا دشوار گزار سفر طے کرکے منزلِ مقصود پر پہنچا اور ایک روز شام کو قبل مغرب "تمت بالخیر" ضبطِ تحریر میں لانے کی نوبت آگئی، اس وقت بجائے خوشی کے مجھ پر ایک دوسرا خوف دہراس طاری ہوا کہ یا الٰہا! کتاب لکھنے کو تو لکھ گئی لیکن اس کے چھپنے کی کیا صورت ہوگی۔ میں نے اپنی میز کی دراز میں مسودہ کو بند کرتے ہوئے بڑی حسرت و یاس سے یہ خیال کیا کہ اب اس کو شاید ہی دوبارہ نکلنے کی نوبت آئے گی اور جس طرح ہزارہا مصنفین اور مولفین کی مدت العمر کی کاوشیں قلمی کتابوں کی شکل میں پنساری کی دوکان پر پہنچکر "نسیًا منسیا" ہو جاتی ہیں اور یا پرانی کتابوں کے ارزاں فروش تاجروں کے ذریعے امراء کے نجی یا پبلک کتاب خانوں کی زینت بنی پڑی رہتی ہیں تاآنکہ امتدادِ زمانہ سے

کرم خوردہ ہو کر ان کا وجود ختم ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ میری کتاب کا بھی یہی انجام ہو؟ بہر حال! تن بہ تقدیر کپڑے پہن کر اور سائیکل سنبھال کر ہوا خوری کے خیال سے مکان سے باہر نکلا، تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کرم فرما سید حضوری میاں جن سے برسوں سے ملاقات نہ ہوئی تھی مجھے زور زور سے آواز دے رہے ہیں، میں رک گیا تو قریب آکر انہوں نے فرمایا:۔

میاں رے بھائی سید! کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے سنا ہے کہ تم نے حافظ رحمت خاں کی بہت اچھی لائف لکھی ہے، تو سنو! ان کے خاندان کے ایک لائق فرزند صاحبزادہ عبدالواجد خاں ابھی حال میں ریاست بھوپال سے بریلی آئے ہیں، ان سے ذکر آیا تھا اور وہ آپ سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں، آپ ابھی میرے ساتھ کتاب لے کر چلئے" میں نے بہت کچھ عذر کیا کہ "میرا جانا بے نتیجہ ہوگا کیونکہ میری ان سے کوئی سابقہ شناسائی نہیں ہے"، لیکن حضوری میاں جو دوست نوازی میں جناّت کی سی خصوصیات رکھتے تھے مجھے زبردستی اپنے ہمراہ لے گئے اور جناب صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا، صاحبزادہ صاحب ایک شکیل و وجیہہ اور خلیق آدمی ثابت ہوئے، انہوں نے مجھے عزت و تکریم کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا، مسودہ کتاب مجھ سے لیکر اس کی ورق گردانی کی اور فرمایا کہ اس کو دو تین روز کے لئے میرے پاس چھوڑ دیجئے تاکہ ذرا تفصیل سے اس کا مطالعہ کر لوں، میں نے گھبرا کر کہا کہ "جناب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، کیونکہ کتاب میری جان ہے اور میں اس کو کسی کے بھی حوالے نہیں کر سکتا"، اس پر وہ مسکرائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی خواب گاہ میں لے گئے وہاں ایک بکس کھول کر فرمایا کہ اس میں کتاب کو رکھ دیجئے، پرسوں اسی جگہ آپ کو محفوظ حالت میں ملیگی" ان کے کہنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ میں بے بس ہو گیا اور بادل ناخواستہ کتاب چھوڑ کر گھر واپس آگیا۔ دو شب و روز ایسی بے چینی میں گذرے کہ احاطہ تحریر سے باہر ہے تیسرے روز میں بے تابانہ وقت مقررہ پر صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب حواسی سے عرض

کیا کہ "کتاب واپس کر دیجئے"۔

اس دفعہ صاحبزادہ صاحب میری عجیب وغریب وحشت پر کھلکھلا کر ہنسے اور مثل سابق میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی خواب گاہ میں لے گئے اور اُس بکس کو جس میں کتاب رکھی ہوئی تھی کھول کر فرمایا "لیجئے یہ ہی آپ کی کتاب"۔ میں نے بیتابانہ کتاب اٹھا کر اپنے قبضہ میں کی اور کہا "آپ کا بہت بہت شکریہ! اب مجھے جانے کی اجازت دیجئے"۔ دراصل اپنے واہمے کی بنا پر میں اس وقت کتاب کی طباعت کے مسئلہ کو بالکل بھول چکا تھا اور اس کو صرف دوبارہ حاصل کرنے ہی کو اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھ رہا تھا۔ صاحبزادہ صاحب بہت ہمدرد اور ماہر نفسیات انسان تھے، انہوں نے فرمایا کہ "میں آپ کی کسی بات کا برا نہیں مان رہا ہوں مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اپنے مورث اعلیٰ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی سوانح حیات خود لکھوں لیکن آپ نے ویسی ہی کتاب لکھدی جیسی کہ میں چاہتا تھا۔ اب ہونا یہ چاہئے کہ آپ نے تو کتاب لکھدی اور میں اس کو چھپوا دوں، کتاب بہت عمدہ طبع ہونی چاہئے۔

مجھے اپنی قومی زندگی میں صاحب ثروت اصحاب کے مواعید کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے میں نے صاحبزادہ صاحب کی مہربانی کا شکریہ تو ادا کر دیا لیکن مکان واپس آکر پھر ان کی کافی عرصہ تک خبر نہ لی، ایک روز اتفاقاً بازار میں مُڈبھیڑ ہو گئی، مجھے دیکھ کر فوراً تانگے سے اتر آئے اور سلام ودعا کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر کتب خانہ کے پارک میں لے گئے جہاں ایک بنچ پر بیٹھ کر فرمانے لگے "آپ تشریف نہیں لائے"، میں نے عرض کیا "دو بار تو حاضر خدمت ہو چکا ہوں، مزید حاضری کی توفیق نہ ہوئی"۔

اس پر موصوف نے خوش دلی سے فرمایا:۔

"آپ جتنے اچھے مصنّف ہیں اتنی ہی اچھی باتیں بھی کرتے ہیں۔ دیکھئے! میں نے لغو گوئی سے کام نہیں لیا ہے، مجھ کو واقعی کتاب کو بہت شاندار طریقہ پر چھپوانے کا جذبہ ہے، آپ بلا تاخیر اس کی طباعت کا تخمینہ بنوائیے، جس قدر روپیہ کی ضرورت ہوگی میں آپ کو پیش کر دوں گا"۔ اس

دفعہ میرے دل پر صاحبزادہ صاحب کے خلوص کا گہرا اثر ہوا اور میں اسی روز بدایوں چلا گیا وہاں
پہنچکر مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایونی کو جن کی شفقتِ بزرگانہ کا میں عرصہ
سے مورد تھا ساری داستان سنائی اور انہوں نے اپنے صاحبزادہ مسٹر احمد الدین مینجر نظامی
پریس سے نفیس کاغذ، کتابت، طباعت اور جلد بندی وغیرہ کا تخمینہ بنوا کر میرے حوالہ کر دیا، جو
اس سستے سمے میں ایک ہزار روپے کا ہوا۔ اُس زمانہ میں ایک ہزار کی قیمت اس وقت کے
کم از کم دس ہزار روپے کے برابر تھی، اس لئے مجھے تشویش ہوئی کہ اتنا بڑا تخمینۂ مصارف صاحبزادہ
صاحب کے لئے قابل قبول بھی ہوگا یا نہیں، بہر حال تن بہ تقدیر بریلی واپس آکر اسے موصوف
کی خدمت میں پیش کیا اور میری خوشی کی حد نہ رہی کہ صاحبزادہ صاحب نے اس کو نہ صرف
بہ طیب خاطر منظور فرمایا بلکہ موعودہ رقم کا چیک بھی لکھ کر میرے حوالہ کر دیا، چیک لے کر میں
سوچنے لگا کہ اس بد ذوق زمانہ میں اگر کسی شخص کی خود اس کی اپنی سوانح عمری بھی لکھی جائے
تو وہ اتنے روپے صرف نہ کرے گا۔ کجا یہ کہ زمانۂ دراز کے اس دنیا سے گذرے ہوئے اپنے مورث
کی سوانح حیات کے لئے یہ خدا کا نیک بندہ اس قدر روپیہ دے رہا ہے؟ میرا وہم اس درجہ
پر پہنچ چکا تھا کہ جب تک دوسرے روز چیک کی رقم بنک سے نقدی کی شکل میں ہاتھ میں نہ
آگئی میں برابر اعتبار اور بے اعتباری کی کشمکش میں مبتلا رہا۔ یادش بخیر! اپنی زندگی میں یہ پہلا
ہی چیک بھی تھا جو کسی نے مجھے دیا تھا اور اسی کی بدولت میں نے کسی بنک کے اندر قدم
رکھا تھا۔

پہلا مرحلہ اچھی کتابت کا تھا سو اس کے لئے اس زمانہ میں منشی فیض الحسن المخاطب "بدر رقم"
کا ضلاع بریلی و روہیل کھنڈ میں بہت شہرہ تھا، ان کی نازک دماغی اور طبیعت کے کھرے
پن کی بھی بہت سی کہانیاں مشہور تھیں تاہم میں ہمت کر کے منشی صاحب کے مکان واقع محلہ
خواجہ قطب بریلی پہنچا، کنڈی کھٹکھٹائی تو ایک چیچک رو سیاہ فام شخص نمودار ہوا اور اس نے

میرے سلام کی پرواہ کئے بغیر بڑی تلخی سے پوچھا "کہئے کیا ہے"؟ میں نے کہا آپ سے کتاب لکھوانی ہے، بولے "مجھے فرصت نہیں"۔ میں نے کہا بہتر ہے کم از کم پانی تو پلا دیجئے اور ممکن ہو تو تمباکو کا ایک پان بھی کھلا دیجئے، چمک کر بولے خوب! بہت خوب! زور سے کواڑ بند کر کے مکان کے اندر گئے اور تھوڑی دیر میں ایک کٹورے میں پانی اور بنا ہوا پان کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لے کر واپس آئے۔ میں اس دوران میں ان کے دروازہ کی دہلیز پر بڑے اطمینان سے بیٹھ چکا تھا، پانی پیا، پان کھایا پھر اس کے بعد بادل ناخواستہ رخصت ہونے کے لئے کھڑا ہوا تو اس وقفہ میں وہ مجھے اور کتاب کے مسودہ کو جو میری بغل میں دبا ہوا تھا برابر غور سے دیکھتے رہے اور جب انہوں نے خیال کیا کہ میں مایوس جانے والا ہوں تو للکار کر کہنے لگے:۔

"کیا کتاب لکھی ہے آپ نے"؟

میں نے مسودہ ان کے ہاتھ میں دیدیا، کھڑے کھڑے تھوڑی سی اس کی ورق گردانی کی اور کہیں کہیں سے اسے کچھ پڑھا بھی اس کے بعد فرمایا:۔

"کتاب تو اچھی معلوم ہوتی ہے، دیکھئے صاحب! اگر آپ مجھ سے کتاب لکھوائیں گے تو میں ۲۶ × ۲۰ / ۸ سائز کے سولہ صفحات یعنی ایک جزء کے ۸/للعہ روپے لوں گا"۔ اپنی دانست میں انہوں نے مروجہ نرخ سے اس قدر بڑھا کر اجرت کے دام بتائے کہ گویا میں انکار کر کے ان کی جان چھوڑ دوں گا، لیکن میں نے ان سے کہا کہ جناب میں آپ کو ۸/للعہ کے بجائے ۵/ جزء دوں گا لیکن شرط یہ ہوگی کہ جب تک میری کتاب ختم نہ ہو جائے آپ دوسرا کام نہ کریں گے، منشی صاحب کو میرے جواب پر تعجب سا ہوا اور پہلی بار کھلکھلا کر ہنسے اور بولے:۔

"میاں بڑے ضدی معلوم ہوتے ہو، اچھی بات ہے! جو کام میرے ہاتھ میں ہے وہ آٹھ روز میں ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ کی کتاب لکھنا شروع کر دوں گا، لیکن ایک بات سن رکھئے

کہ کاپی کی صحت کرنے آپ خود میرے پاس آیا کریں گے اور بعد صحت ہر جزو کی اجرت
جب آپ مجھے دیدیں گے تو اس کے بعد آگے لکھا کروں گا" میں نے منشی صاحب کی یہ شرطیں
بھی مان لیں بلکہ ایک جزو کے پیشگی ۵؎ بھی نذر کردئے۔

ان منشی فیض الحسن جید بدرقم ؒ نے جیسی کتاب لکھی اس کی آج تک دھوم ہے بلکہ آفسٹ
پرنٹنگ کے ماہرین بھی اس کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتے ہیں، اور اب جبکہ کتاب کا
دوسرا ایڈیشن نذر ناظرین کیا جا رہا ہے تو صہ کے بجائے ۳۲؎ فی جزو کتابت کے دئے گئے
ہیں اور اسی مناسبت سے دوسری مدات طباعت پر صرف کثیر ہونے کے باوجود کتاب
جیسی کچھ چھپی ہے آپ کے سامنے ہے ع

گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں عا۸ ریم کا چکنا ولایتی کاغذ لگایا گیا تھا جو آج کل ۷۰
۸۰ روپیہ ریم کے حساب سے بمشکل دستیاب ہوتا ہے۔ نظامی پریس بدایوں نے بھی
طباعت میں کمال کر دیا اور خود مسٹر احید الدین کا کہنا ہے کہ ایسی اچھی کتاب ان کے ہاں سے
چھپ کر نہ نکلی اور اس سے ان کے مطبع کی نیک نامی میں خاصا اضافہ ہوا۔ پروف ریڈنگ
کا کام مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی مرحوم و مغفور جیسے جیّد صحافی اور مصنف
نے بہ نفس نفیس فرمایا جس کی وجہ سے کتاب میں ہر قسم کی غلطیوں کا امکان ختم ہو گیا،
متذکرہ بالا طباعت کی تمام خوبیوں اور چار سو صفحات کی ضخامت کے باوصف کتاب
کی قیمت ۳؎ سے زیادہ نہ رکھی جا سکی جس پر کتب فروشوں کو ۳۳؎ فیصدی کمیشن دیا گیا،
اس کے برعکس جب کتاب کا اسٹاک ختم ہو گیا اور اس کو دوبارہ چھپوانے کی گوناگوں علائق
زندگی نے مجھے فرصت نہ دی تو فروخت شدہ کتابیں مشاہیر کو نذر کرنے کے لئے خود میں
نے پہلے صہ روپے۔ پھر عا۸ اور بعدہٗ ۲۵؎ روپیہ فی جلد کے حساب سے خریدیں۔

جس طرح کتاب کی اشاعت پذیری اور اس کی مقبولیت میں قدم قدم پر تائید ایزدی کارفرما رہی اسی طرح خود مجھ کو اور جناب صاحبزادہ عبد الواجد خان صاحب کو اللہ رب العزت نے اپنے بے پایاں انعامات سے نوازا، صاحبزادہ صاحب موصوف معاشیات میں علی گڑھ سے ایم۔اے کرکے ہز ہائی نس نواب سر حمید اللہ خاں بہادر والی ریاست بھوپال وچانسلر چیمبر آف پرنسیز کے سیکرٹری تھے، اس عہدہ سے سبکدوشی حاصل کرکے وطن واپس آئے تھے تو اس وقت ہی ان سے میری وہ ملاقات ہوئی جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اس زمانہ میں ان کے سامنے کوئی مستقبل نہیں تھا، لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد گھر بیٹھے ان کے پاس مہاراجہ پٹیالہ کی پیشکش آئی اور آپ ان کی حکومت کے سیکرٹری اور آنریری کیپٹن بنائے گئے مہاراجہ نے کارگذاری سے متاثر ہوکر دو سال کے لئے آپ کو ولایت پی۔ایچ ڈی اور بیرسٹری کے امتحانات پاس کرنے کے لئے بھی بھیجدیا۔ ولایت سے واپس آئے تو چیمبر آف پرنسیز کے سکرٹری مقرر ہوئے کچھ عرصہ بعد آپ ریاست جاورہ کے وزیر اعظم کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوگئے، بعد ازاں متحدہ بنگال کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس ہوئے، قیام پاکستان کے بعد منسٹری آف اکنامک افیئرس کے ڈپٹی سیکرٹری مقرر ہوئے اور اب نیک نامی کے ساتھ وظیفہ یاب ہوکر اپنے اوقات عزیز اطمینان وسکون کے ساتھ کراچی میں گذار رہے ہیں۔

راقم کا معاملہ یہ رہا کہ ملک میں ایک کامیاب مصنف خیال کئے جانے کے علاوہ ۱۹۳۵ء سے تا ایں دم مسلمانان پاک وہند کی تعلیمی وعلمی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کردینے کے مواقع بھی مجھے اسی کتاب کے طفیل حاصل ہوئے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء میں حیات حافظ رحمت خاں چھپنے کے بعد فیض عام ہائی اسکول میرٹھ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس سر شیخ عبد القادر صاحب مرحوم کی صدارت میں تھا جس میں میں بھی شریک ہوا، ایک ریزولیوشن پر تقریر کرنے کے لئے جب صدارت کی جانب سے میرے نام کا اعلان ہوا اور میں ڈائس پر گیا تو "صدر محترم وحضرات!" کے الفاظ زبان سے ادا کرنے

ہی پایا تھا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی سکریٹری کانفرنس اپنی نشست سے اٹھ کر بولے کہ "ٹھہرئیے صاحب!" میں نے اپنی تقریر روک دی اور پریشان ہوا کہ نہ معلوم کیا غلطی سرزد ہوئی ہے جو نواب صاحب مجھے تقریر کرنے سے روک رہے ہیں۔ عین اسی وقت نواب صاحب میرے پاس تشریف لائے اور کاندھے پر ہاتھ رکھ کر مجمع کو مخاطب کیا اور فرمایا:-

"صاحبو! ان بریلوی نے ایک لاجواب کتاب لکھی ہے اسے میں تین بار پڑھ چکا ہوں ہنوز سیری نہیں ہوئی ہے، کتاب اپنے ساتھ لایا ہوں!" اس کے بعد نواب صاحب ڈائس ہی پر مجھ سے بغل گیر ہوئے اور میری پیشانی کو بوسہ دیکر فرمایا "اب تقریر کرو" اس کھلائی عزت افزائی سے میرا دل اس قدر بڑھا کہ اس کی لذت آج تک فراموش نہ ہو سکی ہے" حاضرین جلسہ نے بھی فرط مسرت میں تالیاں بجائیں، حضرت نواب صدر یار جنگ بہادر کی نظر کیمیا اثر نے ہی مجھے یکم جون ۳۵ء ۱۹ سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سر دفتر کے عہدے پر پہنچایا۔ اس جگہ پر مجھ سے پہلے خان صاحب میر ولایت حسین، مولوی محمود احمد عباسی، قاضی تسلیم حسین ایم۔ اے، مولانا عبد الماجد دریا بادی اور خان بہادر مولوی ادریس احمد جیسے ذی علم اصحاب کام کر چکے تھے اور اس کو دار العلوم علی گڑھ دبیرون علی گڑھ میں کافی اعزاز کی چیز سمجھا جاتا تھا، اس اسامی کے لئے ۵۵ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اصحاب نے درخواستیں دی تھیں، جن میں بہ اعتبار تعلیمی اسناد میری درخواست سب سے کمتر درجہ کی تھی، لیکن جب ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں تقرر کا مسئلہ پیش ہوا تو نواب صاحب نے میری تصنیف کا ذکر کر کے فرمایا کہ:-

"ہمیں کام کا آدمی مل گیا ہے، اس لئے دوسری درخواستیں دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے!" آں مرحوم و مغفور کی مولانا سید طفیل احمد منگلوری مرحوم اور استاذی پروفیسر عبد المجید قریشی صاحب نے پرزور تائید کی اور وہ دن اور آج کا دن ہے کہ میں مالی نقطہ نظر سے تو نہیں البتہ

علمی تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں کے اعتبار سے خاصا کامیاب اور مرفہ الحال ہوں۔ میرے لئے یہ خوش نصیبی بھی کچھ کم نہیں ہے کہ بہت سے انقلابات اور حوادث ذاتی و صفاتی سے گذرنے کے باوجود خدائے بزرگ و برتر نے تیس سال کے بعد مجھے پھر اتنی فرصت ارزانی فرمائی کہ حیاتِ حافظ رحمت خاں میری نگرانی میں از سرِ نو چھپ رہی ہے ـــــ نہ صرف مثل سابق اردو میں بلکہ انگریزی میں بھی۔

انگریزی ترجمہ کی تحریک اس طرح ہوئی کہ ۱۹۳۱ء میں بمقام حیدر آباد دکن انڈین ہسٹری کانگریس کے پانچویں سالانہ اجلاس میں "نواب ڈوندے خاں" پر جب میں نے اپنا تحقیقی مقالہ پڑھا تو میرے سیکشن کے چیرمین خان بہادر پروفیسر کمیسریٹ ایم۔اے۔آئی۔ای ایس (ریٹائرڈ) بمبئی نے مجھ سے دریافت کیا کہ "کیا آپ ہی نے حیاتِ حافظ رحمت خاں لکھی ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "جی ہاں"۔ اس پر فرمایا کہ ہم ایسی ہی کتابوں پر ڈاکٹریٹ دیتے ہیں آپ اس کا انگریزی میں ترجمہ کیوں نہیں کرتے تاکہ اردو سے نابلد اسکالر بھی اس سے استفادہ کر سکیں، حُسنِ اتفاق سے اس وقت میرے فاضل دوست پروفیسر محمد حامی الدین خاں صدر شعبۂ تاریخ مہاراجہ کالج جے پور بھی جلسہ میں تشریف رکھتے تھے آپ نے میرے بجائے پروفیسر کمیسریٹ سے وعدہ کیا کہ وہ حیاتِ حافظ رحمت خاں کا انگریزی ترجمہ کر دیں گے ـــ بات رفت و گذشت ہو گئی ـــ اور بیس سال بیت گئے تا آں کہ پروفیسر حامی الدین خاں جے پور سے کراچی آ کر ہماری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ میں ڈپٹی ڈائرکٹر مقرر ہوئے اور آپ نے بفحوائے کلُّ امرٍ مرہونٍ باوقاتہا، نہایت تندہی سے اپنے پُرانے وعدہ کا ایفاء فرما دیا۔

ایک کوتاہی کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ شدید عدیم الفرصتی اور ساتھ کے ساتھ خرابیٔ صحت کے باعث تازہ تاریخی تحقیقات کی روشنی میں حیاتِ حافظ رحمت خاں میں مزید اضافے نہ ہو سکے اور کتاب کو قریب قریب جوں کا توں چھاپا گیا ہے، حتیٰ کہ خاندانی شجروں کو بھی
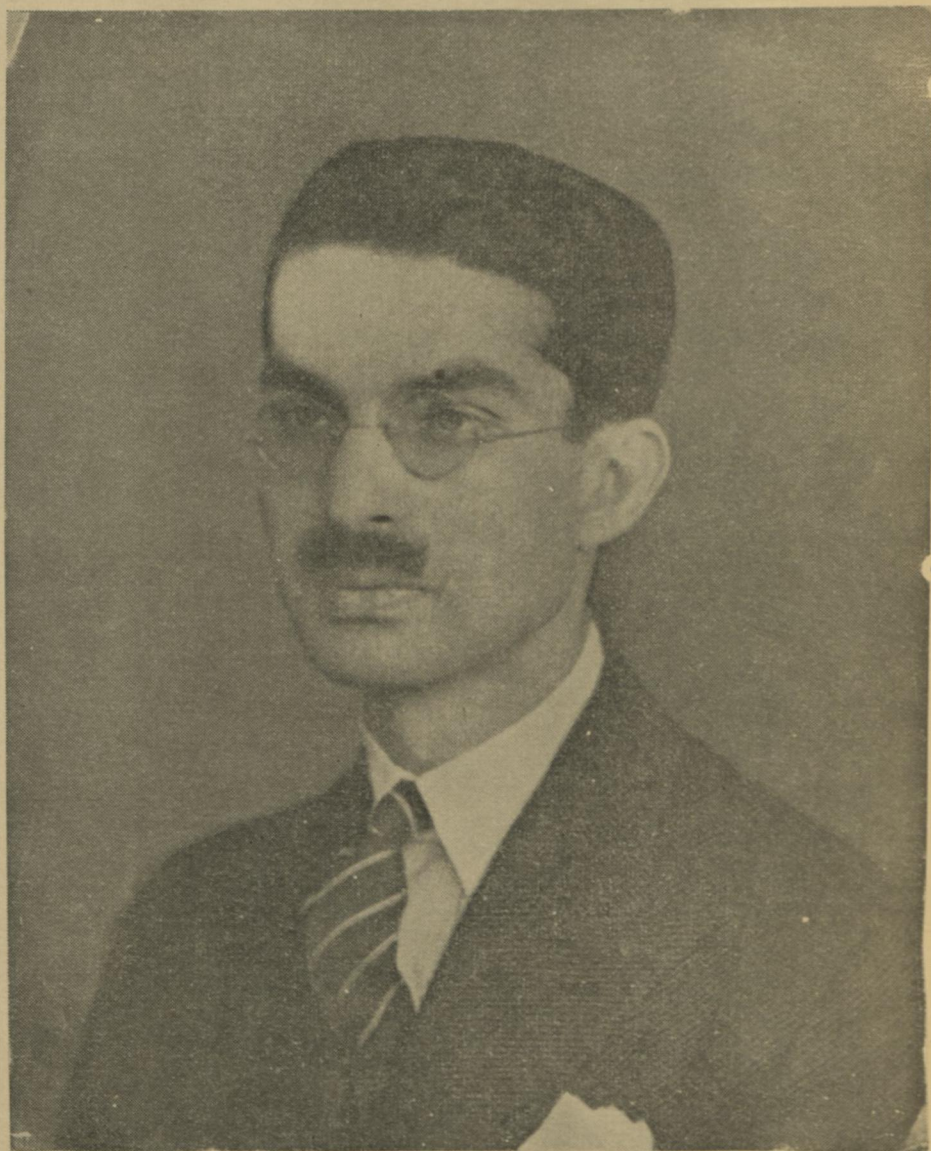
صاحبزادہ ڈاکٹر عبدالواجد خاں

مطابق حال نہ کیا جاسکا البتہ میرے صاحبِ نظر رفقائے کار پروفیسر محمد حامی الدین خاں، مفتی محمد انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی، مسٹر محمد ایوب قادری ایم۔اے اور برخوردار سید مصطفیٰ علی بریلوی بی۔کام نے چھپنے سے پہلے اس کتاب کی جس قدر دیکھ بھال ممکن تھی کرلی ہے، علاوہ بریں مجھے اب یہ بھی اطمینان ہے کہ ملک میں حصول آزادی کی بناء پر اٹھارھویں اور انیسویں صدی کی صحیح تاریخ پر موجودہ زمانہ میں کافی کام ہو رہا ہے۔ اور روہیلوں اور ان کے سردار حافظ الملک حافظ رحمت خاں وغیرہ کو اپنے اصلی خدوخال میں پیش کرنے کی لائق ستائش کوششیں کی جارہی ہیں۔ اس خصوص میں فاضل دوست ڈاکٹر سید معین الحق جنرل سیکریٹری پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی اور ان کے لائق شرکائے کار کی مساعی کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔

آخر میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اور اس کی اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کے جملہ اربابِ حل وعقد اور وزارتِ تعلیم حکومت پاکستان کا بھی مجھ پر شکر واجب ہے جن کی معارف پروری کی بدولت حیاتِ حافظ رحمت خاں کی اردو اور انگریزی، ہر دو زبانوں میں اشاعت پر معتدبہ رقم صرف کی جاسکی ـــــ ورنہ خود اپنا حال تو ہمیشہ کی طرح

جامہ ندارم دامن از کجا آرم

کا مصداق ہے ؎

نالۂ ما صورتے بگرفت، بلبل ساختند ؛ لختہائے دل بہ یکجا جمع شد گل ساختند

فقط والسلام مع الاکرام

سید الطاف علی بریلوی

الحق منزل۔ کراچی، ۱ ستمبر ۱۹۶۳ء

مقدمہ (طبع اوّل)

مولوی نظام الدّین حسین نظامی بدایونی (مرحوم)

یہ کتاب جس کے متعلق میں چند سطریں لکھنا چاہتا ہوں فن تذکرہ یا فنّ سوانح نگاری کا ایک نمونہ ہے جس کو ہماری اردو زبان میں سیّد الطاف علی بریلوی، بی۔ اے (علیگ) نے علمی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ سوانح عمری کا فن علم تاریخ کا ایک اہم شعبہ ہے، جس کو مغربی دنیا نے اپنے مشاہیر کے حالات شائع کر کے معراج ترقی پر پہنچا دیا ہے زمانۂ حال کے سوانح نگار کا صرف یہی فرض نہیں ہوتا کہ وہ اپنے ہیرو کی تصویر کا روشن پہلو دکھا کر اس کو آسمان پر چڑھا دے بلکہ وہ اس کی کمزوریاں بھی دکھاتا ہے تاکہ کسی بڑے آدمی کی زندگی کے دونوں پہلو آئندہ نسلوں کے لئے شمع ہدایت کا کام دیں۔ اس کے اچھے حالات کی تقلید کر کے وہ اس کا نمونہ بننے کی کوشش کریں اور ناپسندیدہ کمزوریوں کے بُرے نتائج سے متنبہ ہوں۔

اس کتاب میں روہیل کھنڈ کے سپہ سالار اعظم اور ایک مدبّر حکمران کے حالات کو ایک جگہ جمع کرنے کی پہلی کوشش کی گئی ہے اس سے پہلے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی زندگی پر کوئی جداگانہ کتاب اُردو زبان میں نہیں لکھی گئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہندوستان بالخصوص روہیل کھنڈ کی تاریخ میں اس بہادر جنرل کا ذکر بار بار آیا ہے اور اس سلسلہ میں ان کی سیاسی حکمت عملی اور اُن کے جنگی کارناموں پر مورخین نے

اجمالی تبصرہ کیا ہے، لیکن اکثر حالتوں میں یہ رائیں جو ہم تک پہنچی ہیں ان میں زمانہ کی مصلحت اندیشی اور سیاسی خود غرضیوں کی بو آتی ہے۔

حیاتِ حافظ رحمت خاں کے قابل مؤلف نے ان غلط بیانیوں یا دوسرے نرم الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ غلط فہمیوں کو نہایت قابلیت کے ساتھ دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ قیاس اور خیال کی بناء پر نہیں بلکہ تاریخی واقعات جو مستند ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں اپنے دعوے کی تائید میں پیش کئے ہیں۔ مؤلف کو روہیل کھنڈ کے صدر مقام بریلی کا متوطن ہونے کی وجہ سے جو حافظ الملک کی تگ و دو کا مرکز رہا ہے اور جہاں آج بھی ان کے خاندان کے افراد کثیر تعداد میں بود و باش رکھتے ہیں اُن تمام قلمی و مطبوعہ کتابوں، نوشتوں، فرمانوں اور تصویروں تک جو حافظ الملک کے بعض افراد خاندان کے پاس نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلی آتی تھیں دسترس حاصل تھی اس کے علاوہ انہوں نے انگریز مصنّفین کی تصانیف کی بھی کافی طور پر چھان بین کی اور جس کتاب میں جہاں کہیں بھی مخالف یا موافق حافظ الملک کی زندگی کے متعلق کوئی واقعہ ملا اس کو درایت کے اصول پر خوب پرکھا اور جانچ تول کے بعد اس کو اپنی کتاب میں شامل کیا۔

فی الواقع حافظ رحمت خاں کے حالات کا یہ مجموعہ ہمارے سامنے روہیل کھنڈ کی بے لوث و مکمل تاریخ کو پیش کرتا ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ روہیلوں اور اُن کے سردار حافظ رحمت خاں نے اس حصّۂ ملک کی جو ازسنگ تا گنگ، پھیلا ہوا ہے تاریخی عظمت بڑھانے میں کس قدر نمایاں حصّہ لیا ہے۔ روہیلوں کی قوم آج کتنی ہی گر گئی ہو لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب انہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے اپنا قدم رکھا تو افغانی حمیّت اور اسلامی الوالعزمی اُن کے ساتھ آئی۔ ہر جنگ میں سبقت لے جانے کی امنگ ان کی کامیابی کا راز تھا۔ یہی وہ صفت تھی کہ دریا اور پہاڑ ان کے

ارادوں کی کامیابی میں ان کے سدِ راہ نہ ہوتے تھے۔ کوئی مشکل ان کو میدان سے نہ ہٹا سکتی تھی۔

آج متعصب تاریخ نگار اگر ان کو لٹیرے یا ڈاکو کا لقب دیں تو یہ ان کی ہٹ دھرمی اور غلط بیانی ہے وہ رہزن تھے نہ لٹیرے، ان کی پاکبازی، خدا ترسی، دوست نوازی عالی ہمتی، ایثار اور علم دوستی یہ وہ مخصوص اوصاف ہیں جو انسان کو انسان بناتے ہیں۔ انہیں اوصاف نے اس کتاب کے ہیرو کو اپنے معاصرین میں ممتاز بنایا تھا۔ اور انہیں اعلیٰ صفاتِ انسانی کی وجہ سے حافظ رحمت خاں کا شمار دنیا کے بڑے آدمیوں میں کیا جاتا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں نے سرزمین روہیل کھنڈ میں نہ صرف جنگی و سیاسی کھیل کھیلے بلکہ یہاں کی تہذیب و تمدن کو بھی بام ترقی پر پہنچانے میں زبردست حصہ لیا۔ "طرز حکمرانی اور ذاتی حالات" کے عنوان کے تحت میں ناظرین ملاحظہ کریں گے کہ سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں جو شائستگی و تمدن رائج تھا۔ حافظ رحمت خاں اس کا مجسّم نمونہ تھے اور مؤلف نے اس باب کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ کتاب کا یہ حصہ درحقیقت دنیا کی ایک تماشہ گاہ ہے، جس سے عبرت بھی حاصل ہوتی ہے اور بصیرت بھی۔

اس بڑے شخص کی سوانح عمری ہمارے سامنے اس زمانہ میں پیش کی جا رہی جبکہ ہم میں نہ افغانی حمیت باقی ہے نہ ترکمانی صولت کا نشان ہے۔ نہ مغلی جلادت کا پتہ ہے، نہ ہاشمی آداب ہیں، نہ عباسی خصائل ہیں۔ ضرب کراری، حرب خالدی، اور سطوت فاروقی کا تو خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ باوجود افلاس اور بیکاری انتو مغربی عیش پسندی و فیشن پرستی نے ہمیں نکما کر دیا ہے۔ کاہلی، سستی

اور ظاہر پرستی کی خراب عادتیں ہماری سرشت ثانی بن گئی ہیں، یہاں تک کہ ہماری صورت اور شکل بھی صحیح جسمانی تندرستی کا پتہ نہیں دیتی۔ ہمارے حال پر رونے والے روتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

وہ بروہ ودوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے ؛ وہ قدوبالا وہ چہرے ارغوانی کیا ہوئے

کہا جائے گا کہ ایسی صورت میں روہیلوں کی بہادری، ان کی جلالت وشہامت کے قصے دوہرانا بے وقت کی راگنی ہے ؎

بلبل اندر خزاں بشاخِ کہن   قصۂ نو بہار می گوید

جب باغ میں فصلِ خزاں چھائی ہو تو بہار کی داستان چھیڑنا کسی طرح برمحل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسا کہنے والے اس پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جب تک اخلاف اپنے اسلاف کی خوبیوں کو نہ معلوم کریں گے ان میں امنگ، ولولہ اور جوشِ عمل پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کتاب کی اشاعت موجودہ زمانہ میں بے محل نہیں کہی جا سکتی۔

زبان کے لحاظ سے یہ کتاب اردو میں ایک نادر اضافہ ہے۔ اردو میں نثر کی کتابیں مختلف شعبہ جاتِ ادب میں لکھی جارہی ہیں۔ مذہبی کتابوں کے زمانۂ تصنیف کو سب پر تقدیم ہے۔ تاریخ اور سوانح نگاری کا بھی کچھ نہ کچھ ذخیرہ جمع ہو چکا ہے، ناولوں کا تو انبار لگ گیا ہے۔ ڈرامہ نویسی بھی شروع ہو گئی ہے، اقتصادیات وسیاسیات اور سائنس وغیرہ کی بھی بنیاد پڑ چکی ہے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے مصنفین یہ لحاظ نہیں رکھتے کہ ہر ایک شعبہ کی کتاب کا اسلوبِ بیان جداگانہ ہونا چاہئے مثلاً ناول اور تاریخ کی زبان میں فرق رکھنا لازمی ہے۔ حیاتِ حافظ رحمت خاں کے لائق مؤلف نے اس خصوصیت کو اپنی کتاب میں نہایت قابلیت کے ساتھ قائم رکھا ہے۔ رزم وبزم کے مناظر کو بھی سنگین و

رنگین عبارت میں ادا کرنے کی بجائے کچھ اس سادگی اور خوبی سے ادا کیا ہے کہ واقعات کی صحیح تصویر پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جہاں کہیں فارسی عبارتوں کا ترجمہ کرنا پڑا ہے اس ترجمہ میں فارسیت اردو پر اگر غالب نظر آتی ہے تو اس کا صرف یہی سبب ہے کہ مؤلف نے یہ خیال رکھا کہ ترجمہ بامحاورہ بھی ہو اور فارسی کے اصل مصنف کے فارسی الفاظ بھی حتی الامکان ترجمہ میں آجائیں، اگر وہ یہ عمل کرتے کہ فارسی کتابوں کے اقتباسات صرف اسی زبان میں دیدیتے اور ترجمہ نہ کرتے تو ان اردو داں ناظرین کے لئے جو فارسی نہیں جانتے باعث زحمت ہوتا۔ یہ ترجمے ان کو لبسا غنیمت معلوم ہوں گے۔

یہ کتاب نہ صرف روہیل کھنڈ والوں کے لئے لکھی گئی ہے اور نہ صرف کسی خاص قوم کے لئے بلکہ جس طرح اہل روہیل کھنڈ اس کو غیر معمولی دلچسپی سے پڑھیں گے اسی طرح ملک کے دوسرے حصوں میں بھی جہاں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے اس کتاب کی قدر ہو گی۔ نہ صرف مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہے بلکہ غیر مسلم بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ نہ صرف اردو داں اس کے مطالعہ کا لطف اٹھائیں گے بلکہ انگریزی داں طبقہ کے لئے بھی جس کا اوڑھنا بچھونا صرف انگریزی زبان میں تاریخی مواد بنا ہوا ہے تحقیق و تدقیق کی ضرورت سے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہو گا۔

یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء تاریخ اور اہل تحقیق کے لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہو گا۔

آخر میں ہمیں تعلیم یافتہ نوجوانوں سے یہ عرض کرنی ہے کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد ان کا یہی کام باقی نہیں رہ جاتا کہ وہ ملازمت کی کوشش کریں اور اس کے میسر آجانے پر صرف اسی کے ہو کر رہ جائیں بلکہ ان کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے علم و فضل سے اپنے ان بھائیوں کو جو اعلیٰ مغربی تعلیم سے محروم ہیں فائدہ پہنچائیں اور یہ مقصد اسی طرح حاصل

ہوسکتا ہے کہ فرصت کے اوقات میں تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کریں اور اردو زبان میں اس قسم کی مفید تالیف یا تراجم کا اضافہ کریں جو اردو داں اصحاب کی معلومات کو وسیع۔ ان کی ذہنیت کو بلند کریں اور قومی ترقی کا ایک اعلیٰ نصب العین ان کے سامنے پیش کریں۔ ہمیں مسرت ہے کہ حیات حافظ رحمت خاں کے مؤلف اپنے اس فرض کے ادا کرنے میں بڑی حد تک عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ خدا ان کو اس سے زیادہ علمی و ادبی خدمت کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

نظامی بدایونی

۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

دیباچہ (طبع اوّل)

از

مؤلف

مصلحت جو مورخین نے ہمارے ملک کی صحیح تاریخ پر تاریکی کا پردہ ڈال کر جیسی جیسی سیاسی استادیاں کی ہیں ان کا غیر جانب دار تعلیم یافتہ طبقہ کو احساس پیدا ہو چلا ہے اور اب کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ بطور ردّ عمل تاریخ ہند کی اصلی تصویر بروئے کار لانے کے لئے دردمند اور حساس اہل قلم کا کوئی نہ کوئی کامیاب نتیجہ ہمارے مشاہدہ میں نہ آجاتا ہو۔

علامہ شبلی۔ لالہ لاجپت رائے۔ میجر بی۔ ڈی باسو۔ پروفیسر جادوناتھ سرکار اور مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اس اہم کام کی ابتدا کی اور ملک کے بکثرت دوسرے اہل قلم اس مفید کام کو جاری رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

حیاتِ حافظ رحمت خاں بھی اسی قسم کی کوششوں میں سے ایک ناچیز کوشش ہے۔

حافظ رحمت خاں کی شخصیت ہمیشہ سے محمود غزنوی، محمد تغلق، اورنگ زیب، میر قاسم، ٹیپو سلطان اور امیر خاں کی طرح مورخین کے تعصب کا شکار رہی ہے اور اسی وجہ سے دنیا اُن کی اصلی شخصیت کو جاننے سے قاصر رہی کیونکہ صرف یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اٹھارویں صدی کے ایک مشہور غاصب، خائن، ظالم اور متعصب حکمراں تھے۔ مروجہ تاریخوں کا سوادِ اعظم ان کے خلاف اس قسم کے الزامات سے بھرا پڑا ہے اور چونکہ ایک سردار قوم کی زندگی کا بیان دراصل اس کی قوم کے حالات کی تفسیر ہوا کرتا ہے اس لئے جس

غدر حافظ رحمت خاں بدنام ہوئے اسی اعتبار سے ان کی قوم ذلیل ہوئی اور آج روہیلہ قوم کا بھی اس کے علاوہ اور کوئی طغرائے امتیاز نہیں ہے کہ وہ ظالموں اور لٹیروں کی جماعت تھی اور بس!

ظالم لٹیروں کی جماعت اور اس کے غاصب اور خائن، سردار کا وجود کیا کسی نوع سے پسندیدہ بھی ہو سکتا ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو تو شجاع الدولہ والی اودھ اور برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیا گناہ کیا جو باہمی اتحادِ عمل سے ایک قابلِ نفرت جماعت اور اس کے سردار کا استیصال کر دیا! گناہ تو گناہ یہ تو بہت بڑے ثواب کا کام کیا جس کے لئے سرزمین کے رہنے بسنے والوں کو ہمیشہ احسان مند ہونا چاہئے۔

حقیقتاً یہی وہ نظریہ ہے جس کو تقویت دینے کے لئے کتابیں لکھی گئیں اور لکھوائی گئیں تاکہ سند رہیں۔

مشہور و معروف تاریخ سیر المتاخرین کے مصنّف غلام حسین ایک جگہ اتفاقیہ اپنی تاریخ جلد دوم میں جنگ پٹنہ کے ذیل میں اپنی آپ بیتی اس طرح لکھتے ہیں کہ :-

"ڈاکٹر فلرٹن اور میرے درمیان کچھ خط و کتابت بھی رہی تھی ...... اس نے مجھے صلاح دی تھی کہ مجھ کو اپنے اور بادشاہ دشاہ عالم کے بہت جلد انگریزی کیمپ میں پہنچنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ اس خبر سے میں نے اپنے والد کو مطلع کیا اور ایک ایسے معاملہ میں جس سے ہمارے خاندان کا استحکام ہو اور وہ انگریز قوم کے شکریہ کا مورد ہو سکے پیش قدمی کرنے پر اصرار کیا ....."

یہی غلام حسین تھے جنہوں نے سیر المتاخرین کے نام سے ایک ضخیم تاریخ لکھ ڈالی۔ ظاہر ہے کہ ان کی تالیف کی بنیاد بھی اسی ذہنیت پر رکھی گئی جس کا جلوہ ان کے مندرجہ بالا بیان میں نظر آتا ہے مگر پھر بھی ان کی کتاب ہمارے 'ہمدرد' مورخین کی ایک ایسی سند ہے جس کے غلط ثابت کرنے سے ہمیں قاصر سمجھا جاتا ہے۔

ایک اور کتاب 'تاریخ فیض بخش' ہے اس کے مصنّف شیو پرشاد روہیل کھنڈ کے سب سے بڑے مورخ مسٹر ہملٹن کے 'روہیلا نیریٹر' یا 'روہیلا ہسٹورین' ہیں۔ انہوں نے بقول سر جان اسٹریچی تاریخ روہیلکھنڈ

کے متعلق سب سے زیادہ قیمتی معلومات، اپنی بیش بہا کتاب سے بہم پہنچائی ہیں۔ اب اس کتاب کی شان نزول ملاحظہ ہو کہ مصنّف نے اس کو مسٹر کرک پیٹرک، ایک سویلین کی تحریک پر لکھ کر نواب فیض اللہ خاں والی رام پور سے اصلاح لی تھی اور اس کے مسودہ کو ایک ذمہ دار مگر خفیہ کام پر تعینات، افغان نے مسٹر ہملٹن کے حوالہ کیا تھا، جس کا ترجمہ کر کے مسٹر ہملٹن نے ایک ایسی کتاب لکھی جو یادگار ہے اور کسی مورخ نے روہیلوں کے حال میں اس وقت تک قلم نہ اٹھایا جب تک مسٹر ہملٹن کی کتاب کو اپنے سامنے نہ رکھ لیا۔ حتیٰ کہ انسائیکلو پیڈیا بری ٹینکا، میں بھی جو روہیلوں اور روہیل کھنڈ کے متعلق بیان درج ہے وہ مسٹر ہملٹن ہی کی کتاب کے حوالہ سے ہے اور مسٹر ہملٹن کی کتاب کو یہ اہمیت محض اس وجہ سے حاصل ہے کہ اس کی بنیاد ایک ہنٹو ہسٹوریَن کی تاریخ پر ہے جو عام اس سے کہ کیسے ہی اثرات کے تحت کیوں نہ معرض وجود میں آئی ہو، غلط نہیں ہو سکتی اور ہمیں اس کو جھٹلانے کا حق نہیں پہنچتا۔

اسی طرح مرزا رفیع سودا ملازم نواب شجاع الدولہ کا مشہور قصیدہ، حافظ نے سر دیانہ دیا زر...... اور نواب سعادت علی خاں کے ایک وظیفہ خوار کی کتاب "عماد السعادت"، گو اودھ و روہیل کھنڈ کی مشہور رقابت کا نتیجہ ہیں اور ان کی ایسے لوگوں کی نظر میں جو جنبہ داری کی عینک اتار کر صحیح واقعات کی چھان بین کرنے کے دعویدار ہیں کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں ان چیزوں کو بھی کافی تاریخی اہمیت دی گئی ہے اور واقعات کے مسخ کرنے میں ان سے کافی مدد لی گئی ہے۔

زمانہ حال کی مشہور کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور سر جان اسٹریچی سابق لفٹنٹ گورنر یو۔ پی کی مؤلفہ کتاب ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار ہے۔ اس کتاب کو دو وجہ سے اہمیت دی جاتی ہے کہ اول تو مصنف کی شخصیت بہت بلند و مستند ہے دوسرے اس کو لندن میں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم کے تمام علمی خزانوں پر پوری پوری دسترس حاصل تھی اس لئے اس کو گورنر جنرل ہیسٹنگز کے زمانہ حکومت کے اصلی سرکاری کاغذات اور تمام اہم بیانات و تحریرات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ اس کتاب کی مذکورہ بالا خصوصیات کا ہمیں بھی اعتراف ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گورنر جنرل ہیسٹنگز کے زمانہ حکومت کی روہیلوں سے متعلق تمام ضروری تحریریں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں بھی محفوظ و موجود نہیں ہیں، چنانچہ ان تحریروں کے بارے میں مسٹر ان

کلکتہ کونسل ممبران مسٹر مانسن، کلیورنگ اور فرانسس نے اپنے ایک خط بنام کورٹ آف ڈائرکٹرس لندن میں بمورخہ ۳۰ نومبر ۱۷۷۴ء کو جنگ روہیلکھنڈ کے مظالم کی بابت لکھا کہ:-

"...... مظالم کی یہ تفصیلات غالباً کبھی آپ کے علم میں نہ آتیں اگر ہم مسٹر ہیسٹنگز سے کرنل چیمپین اور مسٹر مڈلٹن رزیڈنٹ کی خط و کتابت کے کاغذات طلب نہ کر لیتے۔ پھر بھی اس خط و کتابت کے وہ کاغذات ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں جن کا تسلسل شکستہ ہے اور جو نامکمل حالت میں ہیں نیز بکثرت خطوط دانستہ چھپا لئے گئے ہیں اور ہمیں یہ نتیجہ نکالنے میں کچھ پس و پیش نہیں ہے کہ ان سے بھی زیادہ ظالمانہ حالات و واقعات دبا دیے گئے ہیں......"

اس تحریر کی روشنی میں سر جان اسٹریچی کی کتاب کی وقعت خود بخود کم ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سا ایسا مواد جمع کر دیا ہے جس سے روہیلوں کے متعلق آزادرائے قائم کرنے والے کو بھی کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی ہے۔

سر جان اسٹریچی، ہملٹن اور ان کے ہم خیال مورخین کی تالیفات کو چھوڑ کر جب ہم دوسری طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کے ملک اور قوم میں ایسی ہستیاں بھی پیدا ہوئیں جنہوں نے انصاف پسندی کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اس گروہ میں ایڈمنٹ برک، کرنل چیمپین، شریڈان، فاکس، فرانسس، لارڈ میکالے اور مل کے نام لئے جا سکتے ہیں جنہوں نے خوددار و سرفروش اور مہذب و ترقی یافتہ روہیلہ قوم کے افسوسناک استیصال اور ان کے ذی علم، ذی حوصلہ، اولوالعزم، وفاشعار اور ایثار پیشہ سردار حافظ رحمت خاں کے حسرتناک قتل کے صحیح اور سچے واقعات سے دنیا کو روشناس کرنے میں پوری پوری وسعت نظر، فراخ دلی اور دیانتداری سے کام لیا۔ مصالح ملکی و قومی اور تعصبات نسلی و مذہبی کو بالائے طاق رکھ کر ظالموں کے ظلم کی سخت مذمت کی اور مظلوموں کی حمایت میں کمال درجہ اخلاقی جرأت سے کام لیا۔

ان خدا ترس مشاہیر کی تقریریں، تحریریں، بیانات اور ان میں سے بعض کی تصنیف کردہ گرانقدر کتابیں روہیلوں اور ان کے سردار حافظ رحمت خاں کے صحیح حالات لکھنے والے کی رہنمائی کے لئے شمع ہدایت کا کام دے سکتی ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ہمیں اپنی اس تالیف میں ان قابل مصنفین کی تصنیفات

سے بہت کچھ مدد ملی ہے۔ روہیلائے اعظم کی اس سوانح عمری کی تدوین میں ہمیں ان کے علاوہ اور بہت سی تاریخوں کی ورق گردانی کرنی پڑی ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ بہترین و مستند تاریخ روہیل کھنڈ کی یہ دو کتابیں گلستان رحمت، گل رحمت اور تاریخ سلیمانی خاص طور پر ہمارے پیش نظر رہی ہیں۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، ان کتابوں سے مورخین نے بالکل کام نہیں لیا یا بہت کم کام لیا ہے جس کی وجہ ان لوگوں نے یہ بتائی ہے کہ چونکہ یہ کتابیں ان مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں جن کو حافظ رحمت خاں سے نسبی تعلق ہے اس لئے انھوں نے یہ کہہ کر ان کو ہمیشہ نظر انداز کیا کہ ایک بیٹا اپنے باپ کے حالات لکھنے میں ضرور رنگ آمیزی سے کام لے گا۔ اسی اصول کو مد نظر رکھ کر ان لوگوں نے سیر المتاخرین اور فیض بخش جیسی کتابوں کو مستند مانا حالانکہ ان کتابوں کے مصنفین کو جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ثابت کیا ہے بے لوث اور آزاد رائے مورخ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس خیال سے کہ ہم حافظ رحمت خان کی زندگی کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں کو اپنے ناظرین کے سامنے رکھ سکیں ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ ہم ہملٹن اور اسٹریچی کے جمع کئے ہوئے مواد سے فائدہ اٹھائیں یا مولانا نجم الغنی خاں رام پوری کی کتاب اخبار الصنادید کے (جس کے غلط واقعات کی ہمیں جا بجا تردید کرنی پڑی ہے) ورق لوٹیں ہم نے گلستان رحمت اور گل رحمت سے اصل واقعات اور حالات کا پتہ لگایا ہے۔ اور ان بیان کردہ روایات کو درایت کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ ناظرین اس کتاب کو تمام و کمال مطالعہ کرنے کے بعد خود اس فیصلہ پر پہنچیں گے کہ ہم اس فرض سے جو ایک سوانح نگار کا ہو سکتا ہے کس حد تک عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

ایک سوانح نگار کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے ہیرو کی برائیوں پر پردہ ڈال کر محض اس کی اچھائیوں کو نمایاں نہ کرے اور اپنے ہیرو کی حیثیت بڑھانے کے لئے اس کے معاصرین کو نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرے اس لئے ہم نے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی نہ تو سیاسی غلطیوں پر پردہ ڈالا ہے اور نہ ان کی شخصیت کو چمکانے کے لئے نواب علی محمد خاں یا اس عہد کے دوسرے آدمیوں کی شخصیتوں کا استخفاف کیا ہے۔

حق پژوہی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ سلامت روی اس تالیف کا جوہر ہے۔
اچھے یا برے واقعات کو کچھ اس طور سے ترتیب دیا ہے کہ ان کی اصل تصویر ناظرین کے سامنے پیش ہو جائے اور وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھکر ہمارے صاحب تذکرہ کے متعلق رائے قائم کرلیں عبارت آرائی کے ذریعہ اپنی طرف سے ہم نے لوگوں کی طبائع پر کوئی غیر ضروری اثر اندازی نہیں کی ہے۔ ہمارا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنے ہیرو کا قلب نکال کر دنیا کو اس کی اصلی حالت مشاہدہ کرا دیں۔ اس قلب کے محسوسات و واردات کو کچھ ہم نے سمجھنے کی کوشش کی ہے اور کچھ ناظرین سمجھیں۔ تنہا اس فرض کی ادائگی ہم سے ممکن نہیں، کیونکہ بقول مؤلف سیرتِ محمد علی "انسان کی زندگی کائنات کا سب سے پوشیدہ راز ہے اور انسانی شخصیت کو سمجھنا اور سمجھکر دوسروں کو سمجھانا اسی نسبت سے دشوار ہے"!

صاحب تذکرہ کے حالات کے سوا عہد قدیم یعنی زمانہ مہابھارت سے لیکر عہد حاضرہ تک سرزمین روہیل کھنڈ کے اہم تاریخی واقعات، مشاہیر روہیل کھنڈ کے حالات اور خصوصیت کے ساتھ حافظ الملک کی ازواج و اولاد کا تذکرہ مع ان کے سلسلہ ہائے نسل اور بیانِ معافیاتِ خاندانی بھی ان اوراق میں شامل ہے ان بیانات و حالات کے لئے حواشی اور ضمیموں کا مطالعہ ضروری ہے جو بجائے خود ایک خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔
چند صفحات جن کو ہم حاصل کتاب سمجھتے ہیں ہندوؤں کے لئے بھی مخصوص کر دئے گئے ہیں جن سے حافظ رحمت خاں کے عہد حکومت میں ہندو مسلمانوں کے خوشگوار اور مخلصانہ تعلقات یگانگت پر کافی روشنی پڑتی ہے، ان صفحات کے مطالعہ سے امید ہے کہ ہندو قوم کی موجودہ فرقہ وارانہ ذہنیت کے تبدیل ہونے میں بہت کچھ امداد ملے گی۔
ہمیں اس امر کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس تالیف کے لئے فارسی، اردو اور انگریزی کی ان قلمی و مطبوعہ کتابوں میں جن کی اجمالی فہرست آخر میں دی گئی ہے اور ان کے علاوہ بکثرت بوسیدہ قلمی نوشتہ جات کی فراہمی اور ان سے حوالے تلاش کرنے نیز اقتباسات لینے میں ہمیں کس قدر مشکلات

کا سامنا کرنا پڑا، جو لوگ تصنیف و تالیف کا شغل رکھتے ہیں وہ اس امر سے واقف ہیں کہ ایک تاریخی تالیف کو مرتب کرنے کا کام جس میں مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑے بہ نسبت ایک طبع زاد تصنیف کے کس قدر مشکل ہے۔

بہر حال توفیق الٰہی اور بزرگوں و احباب کی امداد سے تالیف کتاب کا یہ مشکل کام انجام کو پہنچ گیا، اللہ حسنِ نیت کو دیکھنے والا ہے، دعا ہے کہ اس ناچیز کوشش کو قبول عام نصیب ہو، اور ملک و ملت کو اس سے بیش از بیش فائدہ پہنچے! آمین۔

سید الطاف علی بریلوی
بریلی ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۳۳ء
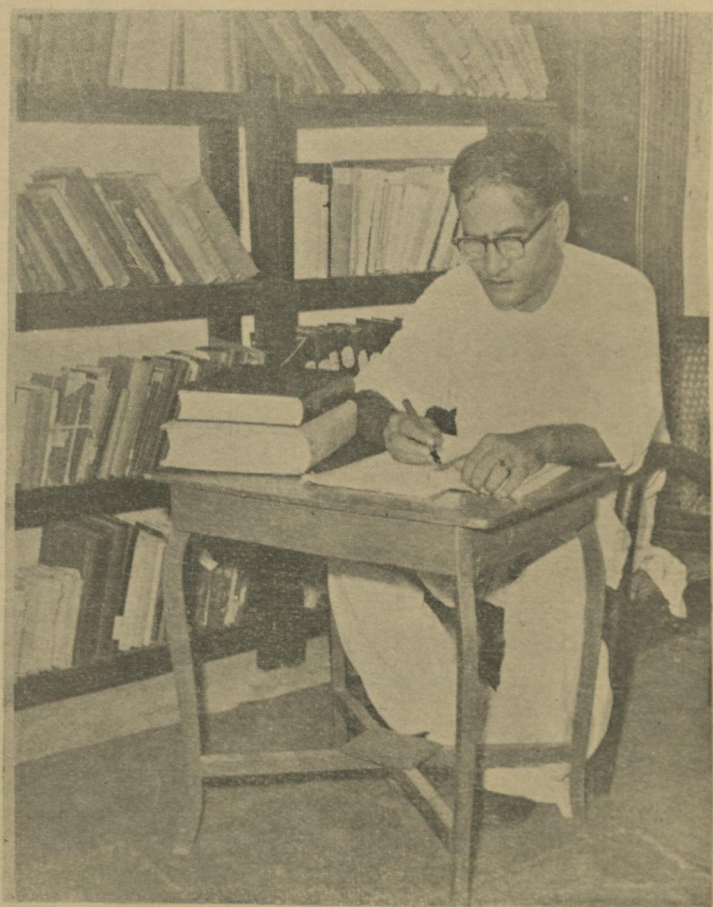
سید الطاف علی بریلوی
مصنف
حیات حافظ رحمت خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

رُوہ - رُوہیلہ اور رُوہیل کھنڈ

ہماری اس کتاب کا ہندوستان کے اُس پرفضا، شاداب اور زرخیز قطعۂ زمین سے تعلق ہے جو ہمالہ کے دامن میں واقع ہے اور جس کے بڑے حصّہ کو نہ صرف ہندوستان کے سب سے بڑے دریا نے جو ہندوؤں کی نظر میں پوتر سمجھا جاتا ہے اور جس کو آسمانی دریا کے نام سے پکارا جاتا ہے[۱] سیراب کر دیا ہے بلکہ رام گنگا اور دوسرے چھوٹے چھوٹے دریاؤں نے بھی جو میلوں تک اس سرزمین میں لہریں مار رہے ہیں، اس کی آب و ہوا پر خوشگوار اثر ڈالا ہے۔ یہی وہ خصوصیات تھیں جنھوں نے آج سے تقریباً ڈھائی سو برس پہلے افغانی قسمت آزماؤں کو اپنی طرف کھینچا اور انھوں نے اس پرفضا اور خوش نما قطعہ ملک کو اپنا گھر بنا لیا اور وہ ان کے اصلی وطن روہ کی نسبت سے کٹھیر[۲] ہی

۱؎ از کتبہ سنگ عہد راجہ لکھن پال بزبان سنسکرت موجودہ عجائب خانہ لکھنؤ۔ دریائے گنگ سے مراد ہے (مولف)

۲؎ کٹھیریا نامی سورج بنسی راجپوتوں کی ایک قوم قنوج سے نکالے جانے کے بعد ۱۰۰۲ء میں یہاں آکر آباد ہوئی اور اس سرزمین کا نام کٹھیر رکھا گیا۔ کٹھیریوں سے پہلے یہ پانچال سلطنت کا ایک حصہ تھا جس کا مہابھارت میں ذکر ہے اور جس کی وسعت کوہ ہمالہ سے دریائے چنبل تک تھی۔ پانچال کی آہیچھترا۔۔۔ دار السلطنت تھا جس کو آج کل مرادآباد کی حد سے چند میل کے فاصلے پر پرگنہ سرولی ضلع بریلی میں رام نگر کہتے ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ۲۰۰۰ ق م مرادآباد اور اس کے حوالی میں بہت تہذیب یافتہ آریہ آباد تھے۔ ۶۳۸ء میں ہیوان سانگ چینی سیاح نے کٹھیر کا سفر کیا تو اس نے اس ملک میں شیلادتیہ کی حکومت دیکھی جو بدھ مذہب کا پیرو اور بہادر، پابندیٔ مذہب اور سخاوت میں یکتائے روزگار تھا۔ ۷۰۰ء میں تومر راجپوتوں نے حملہ کرکے اس ملک کو فتح کیا۔ سنبھل کو دار الحکومت بنایا اور ۱۱۵۰ء تک وہاں حکومت کی۔ تومروں کی جگہ چوہانوں نے لی۔ چوہانوں کا مشہور راجہ پرتھوی راج جو تومری ماں سے تھا ۱۱۸۰ء میں تخت دہلی پر بیٹھا۔ اسی کے زمانہ میں سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر حملے کئے اور مسلمانوں کے خوف سے اس نے سنبھل اور امروہہ میں مضبوط و مستحکم قلعہ بنوائے۔ ۱۱۹۶ء تک کٹھیر میں ہندوؤں کی بلا شرکت غیرے حکومت رہی۔ صرف بدایوں پر ۱۰۲۸ء میں سید سالار مسعود غازی ہمشیر زادہ سلطان محمود غزنوی نے حملہ کیا تھا۔ آخر ۱۱۹۶ء میں قطب الدین ایبک نے بدایوں کو باقاعدہ فتح کرکے اپنی حکومت وہاں قایم کی۔ اس وقت سے کٹھیر پر مسلمانوں کے تسلط کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہمایوں کی شکست پر بدنظمی کے دور

سے روہیل کھنڈ ہو گیا۔

روہ افغانستان میں کوہستان کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کے شمال میں کوہ کاشغر، جنوب میں کھکر اور بلوچستان مشرق میں کشمیر اور مغرب میں دریائے ہلمند ہے، جو قندھار کے قریب بہتا ہے۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے مورث غور و غزنی سے منتقل ہو کر اسی کوہستانی قطعہ میں آباد ہو گئے تھے اور اسی نسبت سے روہیلہ کہلائے، سب سے پہلے اس قوم کے بڑے سردار شاہ عالم خاں، حافظ الملک کے والد کا ایک غلام داؤد خاں روہ سے چل کر کٹھیر آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ یہ علاقہ قلیچ خاں نظام الملک اور بعدہ رکن الدولہ کی جاگیر میں پہنچکر بدنظمی کا مرکز بنا ہوا تھا، اور جس کے دفعیہ کے لئے بادشاہ دہلی کی طرف سے شیخ عظمت اللہ لکھنوی گورنر بنا کر بھیجے گئے تھے۔

جب داؤد خاں کے متبنّیٰ اور جانشین علی محمد خاں نے راجہ ہرنند کو شکست دیکر ۱۷۴۲ء میں کٹھیر پر قبضہ کر لیا تو یہاں روہیلوں کی کثیر آبادی ہو گئی جس میں زیادہ تر علی محمد خاں کی فوج کے سپاہی شامل تھے۔ اسی زمانہ سے اس حصّۂ ملک کا نام روہیل کھنڈ ہو گیا، اور علی محمد خاں جو خود روہیلہ نہیں تھے روہیلہ سردار کہلائے لیکن ہندوستان میں بالعموم اور کٹھیر میں بالخصوص روہیلوں کا وجود علی محمد خاں سے بہت پہلے پایا جاتا ہے ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء میں بہلول لودی تخت ہندوستان پر متمکن ہوا تو اس نے اپنی سلطنت کی تقویت کی غرض سے افغانستان اور روہ میں عطوفت آمیز فرمان بھیجکر افغانوں کو طلب کیا، اس طلبی پر جوق جوق افغان ہندوستان میں آنا شروع ہو گئے

ھ کے وقت کٹھیر قوم کا ایک شخص راجہ مترسین سنبھل کا صوبہ دار ہو گیا تھا لیکن اکبر کے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی معزول کر دیا گیا اور کٹھیریوں کو سنبھل سے نکال دیا گیا، اب یہ لوگ بریلی اور مقام چوپالہ میں جو پہلے مراد آباد کے مقابل تھا آباد ہو گئے۔ ۱۶۲۵ء میں راجہ کمایوں نے شاہجہاں سے ان لوگوں کی شکایت کی جس کی بنا پر رستم خاں دکھنی ان کے استیصال پر مقرر ہوا۔ رستم خاں نے کٹھیریوں پر تسلط حاصل کیا اور ۱۶۲۹ء میں چوپالہ کی آبادی کے سامنے رام گنگا کے کنارے ایک نیا شہر تعمیر کر کے پہلے اس کا نام رستم آباد اور کچھ عرصہ کے بعد شہزادہ مراد بخش کے نام پر مراد آباد رکھا رستم خاں ۱۶۵۸ء تک ناظم رہا اور شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد سلطنت میں سامو گڑھ کے ایک جھگڑے میں مارا گیا ۱۷۱۵ء میں فرخ سیر نے چین قلیچ خاں نظام الملک کو دکن کی

ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں وہ نظر نہ آتے ہوں جب تک سلطنت بہلول لودی اور شیر شاہ سوری کے خاندان میں رہی، افغانوں کی آبادی ہندوستان میں برابر ترقی کرتی رہی وہ کٹھیر میں دامن کوہ کے زمینداروں کی نوکری کرتے تھے اور ان کی خانہ جنگیوں میں شریک ہو کر کارہائے نمایاں انجام دیتے تھے، رفتہ رفتہ افغانوں کے جرگے آنولہ۔ بجنیب آباد۔ فرخ آباد مئو۔ بریلی۔ پیلی بھیت اور شاہجہاں پور وغیرہ میں جمع ہو گئے۔ ان پٹھانوں کی دو بڑی جماعتیں ممتاز تھیں۔ ایک جماعت بنگش پٹھانوں کی تھی جو فرخ آباد کی طرف آباد ہوئی اور جنہوں نے نواب محمد خاں بنگش کی سرکردگی میں ۱۷۱۴ء عہد فرخ سیر میں اپنی حکومت قائم کی۔ دوسری جماعت کٹھیر پر قابض ہوئی جس کے حکمران نواب علی محمد خاں اور اس تذکرہ کے ہیرو حافظ الملک حافظ رحمت خاں ہوئے۔
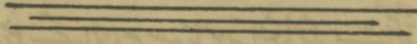
؎ صوبیداری سے قبل یہ علاقہ جاگیر میں دیا، کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ نظام الملک سے ناراض ہوا اور اس علاقہ کو رکن الدولہ اعتقاد خاں کو عطا کر دیا جس کا ایک صوبہ بنا کر مراد آباد کی بجائے رکن آباد نام رکھا گیا (روہیل کھنڈ گزیٹیر و اخبار الصنادید۔ کنز التاریخ مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)

(۲)

حافظ الملک کا خاندان

حافظ الملک حافظ رحمت خاں[1] قیس عبد الرشید کی اولاد میں تھے۔ قیس اس خاندان کے سب سے پہلے بزرگ تھے جو دین باطل کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے اور ان کا اسلامی نام عبد الرشید رکھا گیا۔ یہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کا زمانہ تھا عبد الرشید نے دیدار مصطفوی کے ذوق و شوق میں افغانستان سے مدینہ منورہ کا سفر کیا تھا۔ عبد الرشید کی شادی سارہ بنت خالد ابن ولید سے مدینہ جا کر ہوئی جن کے بطن سے سٹرہ بن۔ غور غوشت۔ اور بیٹن تین فرزند پیدا ہوئے۔ ان ہر سہ نامور افغانوں سے اکثر افغانی اپنا سلسلۂ نسب ملاتے ہیں۔ قیس عبد الرشید کی وفات سنہ ۴۱ھ مطابق سنہ ۶۶۱ء میں ہوئی۔

قیس عبد الرشید کے بڑے لڑکے سٹرہ بن کا بیٹا سرخبون ہوا جس کا اسلامی نام شرف الدین تھا۔ اس کا لڑکا بھڑیچ تھا۔ بھڑیچ کی اولاد میں حافظ الملک ہوئے اور ان کا خاندان بھڑیچ کے نام سے منسوب ہے۔

بھڑیچ سے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کا سلسلہ اس طرح ملتا ہے:۔

حافظ رحمت خاں ابن شاہ عالم خاں ابن محمود خاں ابن شہاب الدین خاں ابن دولت خاں ابن بدل خاں ابن داؤد خاں ابن بھڑیچ خاں[1]

قیس عبد الرشید سے اوپر حافظ صاحب کا سلسلہ نسب ”مخزن افغانی“ سے گل رحمت وغیرہ میں درج ہے وہ مؤلف ”حیات افغانی“ کی تحقیق کے مطابق ”قابل لحاظ“ نہیں ہے لیکن عبد السلام خاں مؤلف نسب افاغنہ کی تحقیق کی بنا پر یہ ضرور صحیح ہے کہ قیس عبد الرشید

---

[1] خلاصۃ الانساب مصنفہ حافظ رحمت خاں [2] حیات افغانی مؤلفہ علامہ محمد حیات خاں۔

بنی اسرائیل تھے۔[1]

قیس عبدالرشید کی اولاد پٹھان اس وجہ سے کہلاتی ہے کہ ان لوگوں کو سب سے پہلے

---

[1] محمد عبدالسلام خاں اپنی کتاب نسب افاغنہ میں بعنوان "آخری تحقیقات نسب افاغنہ" کے عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں کہ:۔

افغانی نسب ابتداءً بوجہ ان کی متواتر پائمالی اور جلاوطنی کے گمنامی کی حالت میں رہا اور خود قوم نے نیا نام پشتون (جو مظلومیت کی نشانی تھی) اختیار کر کے نسب کے نام کو مخفی کیا۔ بعد ازاں جب قومی سلطنت غور میں قائم ہوئی تو عربی نسب ضحاک سے ملایا اور بیرون افغانستان جب قوم پھیلی تو غیر قوموں نے ان کے نام رکھنے شروع کئے۔ ایرانیوں نے افغان یعنی (فغان کرنے والے) اور ہندیوں نے پٹھان نام رکھا۔ مگر باوصف اس کے ۱۲۰۰ء تک ایشیائی مورخ بنی اسرائیل لکھتے رہے، بعد ازاں افغانی سلطنتوں میں زوال آیا اور ۱۵۲۶ء میں مغلیہ سلطنت ہند میں قائم ہوئی تو مغلیہ خوشامدی مورخوں نے افغانی نسب کی تذلیل کرنی شروع کی۔ افغانی زبان پشتو میں تصنیف ۱۵۰۰ء سے شروع ہوئی اس وقت سے اصلی نسب اسرائیلی قوم نے ظاہر کیا اور بالآخر جب انگریزی مورخ میدان میں آئے تو مطلع تاریک پایا۔ مدح وذم میں قوم کے سب سامان موجود اور تاریخی واقعات الجھے ہوئے پائے لاجرم دو گروہ ہو گئے۔ ایک نے اسرائیلی نسب قرار دیا دوسرے نے رد کیا۔ یہ کسی طرح گمان نہیں ہوتا کہ اسرائیلی نسب کے تمام آثار قوم سے زائل ہو گئے ہوں حقیقت معدوم ہو گئی ہو۔ بے تعصب محققوں کے لئے ایسی کھلی ہوئی سچی نشانیاں موجود ہیں جو شناخت کے لئے کافی ہیں۔ یورپین مورخ لکھتے ہیں کہ کل قوم افاغنہ کی صورتیں ایک سی ہیں اور زمانہ حال کے یورپین مورخ و سیاح بالاتفاق (مع ان کے جو اسرائیلی نسب ہونے سے اختلاف کرتے ہیں) یہ تسلیم کرتے ہیں کہ افغان اور یہودیوں کی مشابہت ایک سی ہے۔ یہ تعجب ہے کہ بنی اسرائیل کو افغانستان آئے ہوئے چھبیس سو برس ہوتے اور ان کی صورتوں میں اس وقت تک فرق نہیں آیا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جلاوطن ابتدا سے پہاڑوں کے گوشوں میں سب سے الگ پڑے رہے اور تعصب قومی سے غیر قوموں میں بیاہ شادی کرنے سے گریز کیا اور اپنے شعار قومی اور نسب کو بگڑنے نہ دیا۔ صورتوں کے علاوہ سیرت یعنی عادات و اطوار افغان اور بنی اسرائیل کے ایک سے ثابت ہوتے ہیں۔ قومی۔ مذہبی، اخلاقی اور جماعتی مراسم افغانوں نے بنی اسرائیل کے مضبوطی سے قائم رکھے، حالانکہ چاروں طرف سے غیر قوموں سے گھرے ہوتے تھے اور ان سے معاملات پڑتے تھے، مگر ان پر ان کا مطلق اثر نہ ہوا۔ صورت۔ سیرت۔ مراسم کو غیروں کی آمیزش سے بچایا۔ زبان البتہ آمیزش سے پاک نہ رہ سکی۔ یہ قدرتی مجبوری تھی جس طرح ہندوستان میں مختلف اقوام کے اجتماع سے نئی زبان اردو پیدا ہوئی۔ اسیطرح مختلف اقوام کی حکومت اور معاملات پڑنے سے پشتو زبان بنی۔ پشتو زبان کا لب و لہجہ بتلاتا ہے کہ فارسی۔ سنسکرت۔ ہندی۔ ترکی الفاظ اس قوم کی اصلی زبان کے الفاظ نہیں ہیں۔ کیونکہ تلفظ میں بہت تغیر ہو گیا اور قومی زبان عبرانی کے جو الفاظ پشتو میں باقی رہ گئے ہیں ان کے تلفظ میں تغیر نہیں ہوا، اور عربی زبان جو عبرانی کی شاخ ہے اس کے مخلوط ہونے کے بعد بھی تلفظ میں بہت کم تغیر ہوا ہے۔ صورت۔ سیرت۔ مراسم۔ زبان سب بنی اسرائیل ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ تاریخوں سے اور توریت سے بنی اسرائیل کا خراسان کی طرف نکالا جانا ۷۲۲ ق م ثابت ہے

سلطان محمود غزنوی نے بتان (یعنی جہاز کا پشتی بان) کے لقب سے موسوم کیا۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی بہادری اور سرفروشی کے باعث اس کی فوج کی جان تھے۔ یہی لفظ وبتان، امتداد زمانہ سے بائے فارسی و تائے ہندی مخلوط بہ ہا سے تبدیل ہو کر پٹھان ہو گیا۔

اس قوم نے سلطان محمود غزنوی اور معزالدین شاہ کی ہمراہی میں ہندوستان آکر بڑی بہادری دکھائی اور قندھار۔ پشاور اور کابل کے نواح میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔ غور۔ خلج اور کابل کے بادشاہوں اور امیروں کی مدد سے علاقہ روہ پر بھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے غلبہ حاصل کرلیا اور سکونت کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر قبیلہ نے اپنے واسطے علیحدہ علیحدہ جائے سکونت اختیار کرلی اور اس پر قابض ہو کر زراعت و تجارت کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ قبیلہ بھڑیچ کا قدیم وطن حدود قندھار کے اندر موضع شورابک اور پشین میں واقع تھا لیکن اس قوم کے اکثر لوگ یوسف زائی لوگوں کے ساتھ قرابت ہونے کے سبب سے اپنے وطن سے اٹھ کر یوسف زائیوں کے علاقہ وادی سوات و چملہ میں مقیم ہو گئے اور انہیں میں سے حافظ الملک کے جد امجد شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا بھی ضلع اٹک اور لنگر کوٹ میں جا کر مقیم ہوئے۔ کوٹا بابا بھی بزرگ

شیخ شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا

۱؎ اور بنی اسرائیل کی جماعت کا افغانستان میں آباد ہونا چھٹی اور پانچویں صدی قبل مسیح میں ثابت ہے جس سے خراسان کی طرف نکالنے کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ مشہد و یمن کے یہودی افغانوں کو یہودی تسلیم کرتے ہیں اور یہودی رسالہ "نیوار" میں افغانوں کو یہودی قبول کیا گیا ہے۔ یہ شہادت بنی اسرائیل کے فرقہ کی ہے جو خاص توجہ کے لائق ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب اس قوم میں اسلام آیا اس وقت سرداران افاغنہ کے نام عبرانی تھے اور ان سرداروں میں سے قیس (عبدالرشید) نے بنی اسرائیل عرب کے یہاں شادی کی اور عرب کے اسرائیلیوں کی تحریک سے اس قوم نے اسلام قبول کیا۔ افغانستان کے شہر۔ دریا۔ پہاڑ جن کے نام ملک شام کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔ گواہی دیتے ہیں کہ عبرانی قوم کی ہم نشانیاں ہیں اور قوم کہتی ہے کہ ہم بنی اسرائیل ہیں یہ ثبوت بنی اسرائیل ہونے کا کافی ہے۔ متعدد اقسام کے ثبوت میں ایک ہی واقعہ نسب کی بابت مل جانا دلیل صحت نسب ہے۔ چھبیس سو برس جس قوم کا نسب گمنامی کی حالت میں رہا ہو اور جہاں یہ قوم آباد ہے وہاں کے

شیخ شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا (عالم مراقبہ میں)

میں رہتے تھے اور کبھی چملہ اور سمہ میں سیر و تفریح کی غرض سے چلے جاتے تھے۔ آخر وقت میں بسبب وفور جذبہ الٰہی سمہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ اور چونکہ ان سے بکثرت کشف و کرامات کا ظہور ہوا کرتا تھا اس لئے تمام قوم یوسف زائی ان کی بزرگی کی معتقد تھی۔ ان کا مزار ہزارہ میں ہے، اور زیارت گاہ عام ہے۔ شہاب الدین کے تین بیٹے تھے۔ پائی خان، محمود خان اور آدم خان۔

محمود خاں عرف موتی بابا محمود خاں عرف موتی بابا اپنے والد کی جگہ سجادہ نشین ہوئے کیونکہ ان کو اپنے والد کے اوصاف خصوصی ترکہ میں ملے تھے۔ محمود خان نے قبیلہ کمال زائی کے سرداروں کے ساتھ سلسلہ قرابت کو مستحکم کیا اور توشہامت پور میں قیام کر کے اسی جگہ وفات پائی۔

---

۴۴ کوہ اور دشت اور دریا اور شہر اور باشندے اور ان کی زبان اور ان کے مراسم و عادات اور شباہت یہ بتا دیں کہ ہم بنی اسرائیل کی نشانیاں ہیں اور بنی اسرائیل کا بھی ایک فرقہ قبول کرے کہ افاغنہ بنی اسرائیل ہیں تو یہ جملہ اجزائے ثبوت متحد ہو جاتے ہیں اور کوئی طریقہ شک کرنے کا باقی نہیں رہتا۔" اس سلسلہ میں تاریخ آزاد پٹھان مولفہ اللہ بخش یوسفی کے مندرجہ ذیل اقتباسات خالی از دلچسپی نہ ہوں گے صفحہ ۶۰:-

"مختصر یہ کہ افغان اپنے آپکو بنی اسرائیل سمجھتے ہیں البتہ حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا تعلق یہودیوں کے دس گم شدہ قبائل سے نہ تھا بلکہ شریعت موسوی کے پابند رہ کر توریت خوان رہے اور بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہو کر قرآن خوان بنے اور اس وقت سے شریعت اسلامیہ کے پابند چلے آ رہے ہیں دور جدید کے بعض مصنف خصوصاً افغانستان کے اہل قلم افغانوں کو خالص آرین نسل ثابت کرنیکو ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور چونکہ دنیا کے حکمرانوں میں آرین بکثرت دکھائی دے رہے ہیں اس وجہ سے یہ لفظ معیوب نہیں رہا ہے لیکن دور حاضرہ کی تحقیقات اس تنگ و دو کا ساتھ نہیں دیتی کیونکہ محققین کا کہنا ہے کہ ابتداً کوہ ہندوکش کے پار سے کئی قبائل موجودہ افغانستان کے علاقہ میں آ کر آباد ہوئے تھے اور ان کا ذکر یونانی مورخین نے پکٹیان کے نام سے کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ بعد میں بگڑ کر پٹھان بن گیا اور ان قبائل کو آرین نسل خیال کیا جا سکتا ہے اس کے ساتھ ہی مورخین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بخت نصر کے عہد میں بنی اسرائیل کا کوئی ایک قبیلہ فلسطین سے نکل کر غور کی پہاڑیوں میں آباد ہوا تھا یہ لوگ یقیناً بنی اسرائیل تھے اور یہ دونوں قبائل آرین اور بنی اسرائیل ایک دوسرے کے ساتھ پہلو بہ پہلو زندگی گذارتے تھے اور جب دونوں ساتھ رہنے لگے تو مورخین کے قول کے مطابق انہوں نے آپس میں رشتے ناتے بھی شروع کر دئے تو لا محالہ افغان کی مختصر آبادی کا پٹھانوں کی کثرت میں مدغم ہو جانا لازمی امر تھا اور یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ بنی اسرائیل پٹھانوں سے ایسے گھل مل گئے کہ دوئی کا خیال تک جاتا رہا۔ تا آنکہ انہوں نے اپنی زبان تک ترک کر دی اور پٹھانوں کی بولی پختو تک کو ہی اپنا لیا جو آج تک بولی جاتی ہے ۴۵

انہوں نے پانچ بیٹے چھوڑے۔ آزاد خان، شہزاد خان۔ حکیم خان۔ حسن خان[1]۔ شاہ عالم خان۔

شاہ عالم خان شاہ عالم خان اپنے باپ دادا کے طریقہ کے موافق تجرید و تفرید کی زندگی بسر کرنے لگے اور خدا کی یاد میں مصروف رہ کر یگانۂ روزگار بن گئے۔

شاہ عالم خاں کا غلام داؤد خاں ترکۂ پدری کی تقسیم کے وقت شاہ عالم خان کے حصّہ میں ایک غلام داؤد خان نامی[2] آیا کیونکہ اس وقت ان کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اسے اپنے بیٹے کی طرح پرورش کر کے خانہ داری اور زراعت کا جملہ کام اس کے سپرد کر دیا۔ جب داؤد خان جوان ہوا تو اس نے علاقہ کٹھیر میں اپنے ہم وطنوں کے کارنامے اور ان کی دولت و حشمت کے افسانے سنے اور ارادہ کیا کہ خود بھی وہاں جا کر دولت کمائے اور جاہ و حشمت کے ساتھ زندگی بسر کرے لیکن چونکہ اس کے ارادے سے شاہ عالم خان کو اختلاف تھا اس لئے اس نے ایک روز راہ فرار اختیار کی اور بہادر شاہ ابن اورنگ زیب کے عہد میں کٹھیر میں وارد ہوا۔

تھوڑے دنوں میں بہت سے ایسے افغانوں کو اپنے ہمراہ شامل کر کے جو ہندوستان میں آتے رہتے تھے طاقت حاصل کر لی۔ اس زمانہ میں اختلال نظام سلطنت مغلیہ کے باعث بڑے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدال کی گرم بازاری رہتی تھی اور وہ لڑنے والے سپاہیوں کو نوکر رکھا کرتے تھے اس لئے داؤد خان نے جو ایک دلیر شخص تھا ان لڑائیوں میں بڑا نام پیدا کیا یہاں تک کہ ہر ایک زمیندار اس کو فتح کی نشانی سمجھ کر اپنی اپنی طرف کھینچا کرتا تھا۔[3] کچھ عرصہ کے بعد داؤد خان چند اور ولایتی افغانوں کے ساتھ زمیندار پرگنہ بریسر سرکار بدایوں کا ملازم ہو گیا اور اس کی جانب سے پرگنہ چوپالہ کے زمیندار سے مقابلہ کر کے فتح پائی۔ اس لڑائی میں اس نے موضع بانکولی کو بھی لوٹا جہاں ایک خوبصورت لڑکا جس کی عمر سات آٹھ

؎ اندریں حالات پٹھانوں کو نہ تو صرف آرین کہا جا سکتا ہے نہ بنی اسرائیل ان کی پیدائش ان دونوں مشہور قبائل کے اتحاد و اتفاق یا اشتراک کا نتیجہ ہے اور ہم انہیں آرین سامی نام دے سکتے ہیں۔"

[1] وونڈے خاں کے والد [2] گل رحمت۔ جام جہاں نما اور تکملہ ذکر ملوک وغیرہ میں داؤد خان کو شاہ عالم خاں کا غلام لکھا ہے

[3] گل رحمت۔

سال کی تھی اس کے ہاتھ لگا، داؤد خان نے اس بچے کے ساتھ بہت مہربانی اور رحمدلی کا سلوک کیا اور اس کو اپنی فرزندی میں لے لیا۔ علی محمدؐ خاں نام رکھا اور تعلیم و تربیت کے لئے معلّم و ادیب مقرر کئے۔[1]

شاہ عالم خاں کی شہادت چند سال کے عرصہ میں داؤد خاں کے عروج کی خبر وطن میں مشہور ہوئی تو صدہا افغان اس کے پاس آگئے۔ یہاں تک کہ پانچسو آدمیوں کی جمعیت ہو گئی اور ملک شادی خان، پائندہ خان، دوندے خان، سردار خان اور صدر خان کمال زائی وغیرہ نامور افاغنہ روہ سے آکر اس کے انیس و ندیم ہو گئے[2] شاہ عالم خاں کو بھی جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ تحقیق حالات کے لئے ہندوستان آئے اور داؤد خان سے ملاقات کی۔ داؤد خان نے اُن کی وہی عزّت کی جو ایک غلام کو آقا کی کرنی چاہئے اور دو ہزار روپیہ نذر کر کے ان کو رخصت کیا، چند سال کے بعد شاہ عالم خان دوبارہ ہندوستان آئے، کیونکہ داؤد خان کے ترک وطن کے باعث ان کی زراعت و تجارت کا کام خراب ہو گیا تھا اور اُن کو اپنے گوشۂ عزلت میں بسر اوقات کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی۔ داؤد خان نے کچھ عرصہ تک شاہ عالم خان کو اپنے پاس رکھا۔ دو ہزار روپیہ سالانہ ان کے مصارف کے واسطے مقرر کئے اور وعدہ کیا کہ رقم مذکور اُن کی خدمت میں سال

---

[1] علی محمد خاں کے نسب کے متعلق مورخین میں سخت اختلاف ہے بعض نے جاٹ لکھا ہے اور بعض نے سیّد حتی کہ رامپوری مورخ مولوی نجم الغنی خاں نے بھی اپنی کتاب اخبار الصنادید مطبوعہ ۱۹۰۴ء میں جاٹ ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے لیکن اسی کتاب کے ۱۹۱۸ء کے ایڈیشن میں جو نواب حامد علی والی ریاست رام پور کی سرپرستی میں شائع ہوا تھا انہوں نے ان کو سیّد لکھا ہے اور اس طرح اس مسئلہ کو بہت پیچیدہ بنا دیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ نواب حامد علی خاں کا جب ۱۹۳۰ء میں انتقال ہو گیا تو مولوی نجم الغنی خاں نے ایک کتاب موسوم بہ "مختصر تاریخ رام پور" لکھی جس میں انہوں نے نواب علی محمد کے نسب کے سلسلہ میں اپنی پہلی رائے ۱۹۰۴ء سے دوبارہ رجوع کر لیا ہے مختصر تاریخ کے مصنف کے قلم کا تحریر کردہ نسخہ ظہور النبی خاں مراد آبادی کے پاس موجود ہے اور اس کی ٹائپ شدہ کاپی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے (مؤلف)

[2] تاریخ اخبار حسن

بسال پہنچاتا رہے گا۔ شاہ عالم خان داؤد خاں سے رخصت ہو کر وطن کو روانہ ہوئے جب دہلی پہنچے تو سوداگروں کی ایک جماعت نے اپنے گھوڑوں کی قیمت کے معاوضہ میں جو داؤد خان کے ذمہ واجب الادا تھی شاہ عالم خاں کو قید کر لیا اور کہا کہ جب تک تمہارا متبنیٰ روپیہ نہ ادا کرے گا ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے۔ تھوڑے عرصہ تک شاہ عالم خان سوداگروں کے پاس مقیم رہے اور ان کی اجازت سے اپنا تمام مال و اسباب وہاں چھوڑ کر تنہا داؤد خان کے پاس واپس آئے گھوڑوں کی قیمت کے متعلق اس پر بہت زجر و توبیخ کی اور طوعاً و کرہاً قیمت مذکور وصول کر کے سوداگروں کے پاس بھجوا دی۔ شاہ عالم خاں کے دل پر اس واقعہ کا ایسا گہرا اثر تھا کہ انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ داؤد خان سے یہ بھی کہا کہ اس ملک میں تیرے رہنے سے مخلوق خدا پر ظلم ہوتا ہے، میں تجھکو اپنے ہمراہ وطن واپس لے جاؤں گا۔ داؤد خان نے چونکہ یہاں دولت و ثروت حاصل کر لی تھی اور کسی طرح اب وطن کو واپس جانے کے لئے تیار نہ تھا اس لئے شاہ عالم خان کی یہ باتیں سُن کر بہت کبیدہ خاطر ہوا، خفیہ طور پر ان کی جان لینے پر آمادہ ہو گیا اور چار آدمیوں کو کچھ روپیہ کا لالچ دے کر ان کے قتل پر مقرر کر دیا۔ اسی عرصہ میں بدایوں کے عامل نے جو محمد خاں بنگش کی طرف سے مقرر تھا اس کو وہاں زمینداروں سے مقابلہ کرنے کی غرض سے اپنے پاس بلایا۔ داؤد خان کافی جمعیت کے ساتھ بدایوں کو روانہ ہوا شاہ عالم خان کو بھی اپنے ہمراہ لیتا گیا۔ اثنائے راہ میں جو لوگ شاہ عالم خان کے قتل کے درپے تھے ایک روز رات کے وقت موقع پا کر ان کی خواب گاہ میں گھس گئے اور ان کے سر کو جسم سے جدا کر کے جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ شاہ عالم خان نے تن بے سر سے پیچھا کیا لیکن چند قدم جا کر گھوڑوں کی رسیوں میں الجھ کر زمین پر گر پڑے اور ان کا طائرِ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ صبح کو داؤد خان نے بہت کچھ نمائشی نالہ و بکا کے بعد لاش دفن کر دی۔ یہ دردانگیز واقعہ عہد فرخ سیر بادشاہ میں واقع ہوا[1]۔ شاہ عالم خان کی قبر بدایوں سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر متصل درگاہ سید عرب صاحب آنولہ کی سڑک پر واقع ہے۔ حافظ رحمت خان نے اپنے دورِ حکومت میں قبر کو پختہ کرا کر اس کے متعلق ایک مسجد

---

[1] گُل رحمت

تعمیر کرائی تھی جو اب تک باقی ہے[1]، حافظ صاحب کی اولاد کے اکثر لوگ اپنے بچوں کی رسم عقیقہ یہاں آکر کرتے ہیں[2]۔ شاہ عالم خاں کی شہادت کے بعد داؤد خان نے ان کا مال و اسباب دہلی کے سوداگروں سے طلب کیا لیکن انہوں نے اس کے دینے سے انکار کر دیا اور فروخت کر کے جو قیمت وصول ہوئی اس کی ہنڈی ان کے ورثا کے پاس افغانستان کو روانہ کر دی۔ شاہ عالم خاں کے قاتلوں میں سے تین شخص اسی چوبیس گھنٹے میں زمینداروں کے ہاتھ سے مارے گئے اور ایک شخص مبروص ہو کر کچھ دنوں زندہ رہا جس نے اصل واقعہ کو بیان کیا۔

داؤد خاں کا عبرت آموز انجام | شاہ عالم خان کی شہادت کو ایک سال نہ گذرا تھا کہ داؤد خان نے کمایوں کے راجہ دیبی چند کی ملازمت اختیار کی تھوڑے ہی عرصہ بعد عظمت اللہ خان حاکم مرادآباد سے رُدر پور کے قریب راجہ کو لڑائی لڑنی پڑی۔ داؤد خان راجہ کی طرف سے میدان میں آیا لیکن عظمت اللہ خان سے سازش کر کے عین مقابلہ کے وقت اس نے راجہ کے لشکر کو شکست دلا دی۔ شکست خوردہ فوج پہاڑ پر واپس ہوئی تو راجہ نے انتقام لینے کا ارادہ کیا اور داؤد خاں کے پاس جو اپنی جمعیت کے ساتھ دامن کوہ میں مقیم تھا کہلا بھیجا کہ چند معتمد لوگوں کے ہمراہ پہاڑ پر آکر اپنی تنخواہ کا حساب کر لے۔ داؤد خان اپنی تنخواہ کی وصولیابی کی امید پر راجہ کے مکر سے غافل ہو گیا اور پہاڑ پر چلا گیا، شروع شروع میں راجہ مذکور بہت مہربانی سے پیش آیا لیکن ایک روز موقع پا کر اس کو قید کر لیا۔ پہلے پیروں کی کونچیں کٹوائیں پھر گردن کی رگیں کھنچوائیں اور کام تمام کر کے اس کی لاش کو دفن کرا دیا ؎

تو ہم شب را بسر کے می بری اے شمع کم فرصت ؛ گرفتم سوختی پروانہ آتش بجان را

علی محمد خان کی سرداری | داؤد خاں کے کمایوں میں مقتول ہونے کے حادثے سے مطلع ہو کر اس کے ہمراہیان فوج مثل ملک شادی خان۔ دوندے خان۔ صدر خان۔ پائندہ خان۔ سردار خان اور

---

[1] نواب عبد الرشید خان مرحوم بریلوی نے عرصہ ہوا قبر کی مرمت کرادی تھی لیکن خود رو درختوں نے اسے پھر جا بجا سے شق کر دیا ہے کاش خاندان حافظ الملک میں سے کوئی صاحب توجہ فرما کر ایک دفعہ اور مرمت کرا دیتے نیز اگر ممکن ہو تا تو صاحب مزار کے نام کا ایک کتبہ بھی نصب کرا دیتے [2] کنز التاریخ۔

فتح خان وغیرہ جو بڑے باہمت باتدبیر اور بہادر سردار تھے کچھ زیادہ شکستہ دل نہیں ہوتے اور انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ہو انہیں ہندوستان میں رہنا چاہئے اور سرزمین کٹھیر میں اپنے اقتدار کو بڑھانا چاہئے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ان لوگوں نے داؤد خان کے پسر متبنّیٰ علی محمد خان کو اپنا سردار منتخب کیا اس وقت علی محمد خان کی عمر چودہ سال تھی لیکن اس کم عمری کے باوجود سپاہ گری کے تمام ہنر سیکھ چکے تھے۔ نیزہ بازی تیر اندازی۔ شہسواری۔ پٹے اور گدکے میں طاق تھے اور داؤد خان کی اعلیٰ تربیت کے باعث ان کے دماغ میں بچپن سے سرداری کی بو بسی ہوئی تھی۔ لشکر کشی اور سیاسیات ملکی کی بھی ایسی تعلیم پائی تھی کہ بجائے خود ایک کار آزمودہ سردار خیال کئے جاتے تھے۔

علی محمد خان داؤد خان کے جانشین منتخب ہونے کے بعد روہیلوں کی کل جمعیت کو ساتھ لیکر جس کی تعداد چار پانچسو پیادہ و سوار تھی دامن کوہ سے روانہ ہو کر نواب عظمت اللہ خان حاکم مرادآباد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں سے رخصت و اجازت حاصل کر کے داؤد خاں کی جائداد پر منصرف ہو گئے۔

چند سال کے بعد علی محمد خان کے مقبوضہ دیہات محمد صالح خواجہ سرا کی جاگیر میں آ گئے اور اس نے علی محمد خاں کو مقبوضات مذکور کے واگذاشت کرنے پر مجبور کیا۔ علی محمد خاں تحت مصالحت کی کوشش میں ناکام ہو کر مجبوراً جنگ کے لئے تیار ہوتے اور یکایک خواجہ سرا پر جو منونا میں قیام پذیر تھا حملہ کر دیا اور اس کو مع ہمراہیوں کے قتل کر کے اس کے مال و متاع اور پرگنہ پر قبضہ کر لیا۔ منونا پر قبضہ و تصرف حاصل کر کے محمد علی خان نے آنولہ کے زمیندار سے جنگ کی اور آنولہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ آنولہ کی فتح سے علی محمد خان کو بڑی طاقت و ثروت حاصل ہو گئی۔ نوابی ٹھاٹ جمائے اور اپنے ایک وکیل کو دہلی بھیجکر وزیر الممالک قمر الدین خاں سے رشتۂ اتحاد پیدا کر کے آنولہ وغیرہ کی سندِ حکومت حاصل کر لی، انہیں ایام میں افواج بادشاہی نے جانسٹھ میں سادات بارہہ پر چڑھائی کی، علی محمّد خان کو بھی اس لڑائی میں شریک ہونے کا حکم ملا۔ سادات

بارہہ مقتول ہوئے اور ان کا علاقہ فتح ہوا، اس مہم میں علی محمد خاں نے بڑی کوشش وجانبازی کا ثبوت دیا جس کے صلہ میں وزیر الممالک کی جانب سے ان کو زر مال گذاری سالانہ میں کمی قدر کمی۔ خطاب نوابی۔ اور نوبت وعلم وغیرہ عنایت ہوئے۔ نیز وزیر الممالک کی خاص عنایات کے مورد ہوئے۔ اس اعزاز کے بعد نواب علی محمد خاں نے بعض مصالح کی بناء پر جن کا ذکر آئندہ کیا جائیگا حافظ الملک حافظ رحمت خاں کو روہ سے ہندوستان آنے کی دعوت دی۔

---
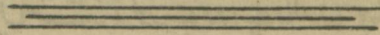
(۳)
حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے ابتدائی حالات اور کٹھیر میں ورود

شاہ عالم خاں جب پہلی بار ہندوستان سے واپس ہو کر وطن پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اقبالمند فرزند عطا کیا تھا جن کا نام رحمت خاں رکھا گیا اور جو بعد کو حافظ الملک کے نام سے مشہور ہوئے تاریخ ولادت مستند تاریخوں میں ۱۷۰۸ء مذکور ہے وہ اپنے والد کی شہادت کے وقت چار سال کے تھے اس وقت سے ہندوستان آنے تک کے حالات صرف اس قدر معلوم ہو سکے ہیں کہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں بالعموم موضع تور شہامت پور میں مقیم رہے جب پانچ برس کے ہوئے تو بسم اللہ ہوئی۔ بارہ برس کی عمر میں حفظ قرآن مجید وغیرہ سے فراغت پائی اور تھوڑے ہی عرصہ میں درس کتب ضروریہ اور فقہ پر عبور کلی حاصل کر لیا جب جوان ہوئے تو اول اول گھوڑوں کی خرید و فروخت کے ارادے سے جو شرفاء کا مخصوص پیشہ سمجھا جاتا تھا سوداگروں کے ہمراہ بدخشاں کو روانہ ہوئے وہاں سے چند گھوڑے خرید کر وطن کو واپس آئے۔ اپنے وطن میں حافظ صاحب ذاتی علم و فضل۔ عمدہ عادات و خصائل اور اس سبب سے کہ وہ شہاب الدین المعروف بہ شاہ کوٹا بابا جیسے قابل احترام بزرگ کی اولاد تھے، بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اپنی قوم میں ہر دلعزیز با اثر اور بارسوخ تھے۔ ان کی یہی ہر دلعزیزی اور اثر و رسوخ ان کے ہندوستان آنے کا باعث ہوا جس کی تفصیل تاریخ روہیل کھنڈ[1] میں اس طرح مذکور ہے کہ

> "جب نواب علی محمد خاں جانسٹھ کے سیدوں کی لڑائی سے واپس آتے تو انھوں نے یہ دیکھا کہ اکثر روہیلے متنفی ہونیکے سبب سے میری اطاعت میں دریغ کرتے ہیں۔ اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو یہ رائے قرار پائی کہ حافظ رحمت خاں ابن شاہ عالم خاں کو روہ سے بلا لینا چاہئے ان کی فرمانبرداری سے روہیلے کبھی سر نہ پھیریں گے۔ نواب علی محمد خاں نے متواتر خط بھیجکر حافظ صاحب کو بلایا......"

حافظ صاحب تنہا نہیں آئے بلکہ شیخ کبیر اور گل شیر خاں وغیرہ جیسے مخصوص دوست و جاں نثار بھی ان کے ساتھ آئے۔ جب حافظ صاحب آنولہ پہنچے تو نواب علی محمد خاں نے مع سرداران

---

[1] مؤلفہ نواب نیاز احمد خاں ہوش مطبوعہ ۱۸۶۶ء

قوم بیرون شہر آگر ان کے شایان شان پُر تپاک خیر مقدم کیا اور بیک نظر ایک گوہر قابلیت اور جوہر اہلیت کو پہچان کر ان کے لوازم مہمان داری اور مراسم حق گذاری میں بے انتہا اہتمام کیا۔ نواب علی محمد خاں نہایت دور اندیش اور مدبّر تھے۔ انہوں نے حافظ صاحب کو بلانے کو تو بلا لیا لیکن حافظ صاحب کے آجانے پر قدرتی طور پر ان کو شاہ عالم خاں پدر حافظ صاحب کے قتل کا واقعہ یاد آگیا اور اُن کو یہ خیال گزرا کہ ایسا نہ ہو کہ داؤد خاں کا جانشین سمجھ کر حافظ صاحب میرے ساتھ خلوص کا برتاؤ نہ کریں اور جس غرض سے انہیں ہندوستان آنے کی دعوت دی گئی ہے وہ مطلب ہی فوت ہو جائے۔ اس لئے انہوں نے اس معاملہ کی صفائی کے لئے ایک روز اپنے چند مخصوص اہل دربار مثل ملک شادی خاں، صدر خاں اور بخشی سردار خاں کی موجودگی میں حافظ صاحب کو طلب کیا اور بعد ادائے مراسم تعظیم و تکریم فرمایا کہ :-

"داؤد خاں نے آپ کے والد شاہ عالم خاں کو قتل کرا دیا ہے۔ میں ہر چند کہ اس کا صلبی بیٹا نہیں ہوں تاہم چونکہ اس نے مجھ کو بیٹے کی طرح پرورش کیا ہے اور میں بالفعل اس کے مال و جائداد پر متصرف ہوں لہذا چاہتا ہوں کہ اس کو قیامت کے دن اس فعل شنیع کے مواخذہ سے سبکدوش کروں۔ پس آپ سے درخواست ہے کہ ان تین کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار فرمائیے۔ اول اگر قصاص لینا منظور ہے تو ؎

اینک من و اینک تو و اینک شمشیر

دوم اگر خوں بہا لینا منظور ہے تو چند ہزار روپیہ کی یہ تھیلیاں حاضر خدمت ہیں قبول کر لیجئے
سوم یا اس کا خون معاف کر دیجئے"۔[1]

حافظ صاحب نے فرمایا کہ :-

"تمہاری داؤد خاں سے کوئی نسبت اور قرابت نہیں ہے لہذا قصاص کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ خوں بہا لینا صاحبان عالی ہمت اور عالی فطرت کے نزدیک بے وقعت

---

[1] گلستان رحمت۔

ہے اور خانِ شہادت نشان کے خون کا مواخذہ تم سے لینا شرعاً و عرفاً کسی طرح جائز نہیں، اگر ہوتا تو میں اس شگفتگی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ تم سے ملاقات نہیں کرتا جب مجھکو تحقیق ہو گیا کہ تم اس گناہ مبیع اور امر شنیع سے مبرّا اور معرّا ہو تب میں ولایت سے ہندوستان آیا ہوں اور تم سے ملاقات کی ہے۔ اگر تمہارا اطمینان خاطر اس طرح متصوّر ہو تو بغیر کسی غرض و معقود کے محض حسبۃً للّٰہ اور تمہاری پاس خاطر سے خون کو معاف کرتا ہوں"!

حافظ صاحب کی اس شریفانہ گفتگو اور اولوالعزمانہ طرز عمل سے نواب علی محمد خان بہت مسرور و محظوظ ہوئے اور ان کی عزّت و توقیر پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد حافظ صاحب نے وطن کو واپسی کی اجازت چاہی نواب علی محمد خاں جن کو حافظ صاحب کی مفارقت اب کسی طرح گوارا نہ تھی بہ لطائف الحیل ٹالتے رہے۔ لیکن جب ان کا اصرار بہت زیادہ ہوا تو مجبوراً جلد واپس آنے کا عہد و پیمان لے کر روانگی کی اجازت عطا کی۔ حافظ صاحب تقریباً تین سال کے قیام کے بعد نواب علی محمد خاں کی مہمانداری اور عمدہ اخلاق کا نقش اپنے دل پر لے کر تور شہامت پور کو واپس گئے اور وہاں جا کر اپنے چچازاد بھائی ملک شادی خاں ابن شہزاد خاں کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا اور اپنا وقت مشاغل علمی اور سیر و تفریح میں گذارنے لگے جب نواب علی محمد خاں کے متواتر خطوط ان کے پاس پہنچے تو اپنے وعدہ کے مطابق دوبارہ ہندوستان روانہ ہو کر آنولہ میں وارد ہوئے۔ اس مرتبہ علی محمد خاں نے ان کی پہلے سے بھی زیادہ دلجوئی و خاطر داری کی اور کہا کہ وطن کے دوسرے خوانین کی طرح آپ بھی اپنے متعلقین کو ہندوستان بلا لیجئے اور یہاں مستقل قیام اختیار کیجئے۔ حافظ صاحب نے جواب دیا کہ:۔

چند پشت سے ہم نے کسی کی نوکری نہیں کی ہے اور نہ اپنی بیٹیاں اپنی قوم کے علاوہ کہیں بیاہی ہیں، لہٰذا ان باتوں پر ہمیں مجبور نہ کیا جائے اور ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے جیسا کہ اب ہو رہا ہے تو ہم آپ کے حکم کی تعمیل کر سکتے ہیں"!
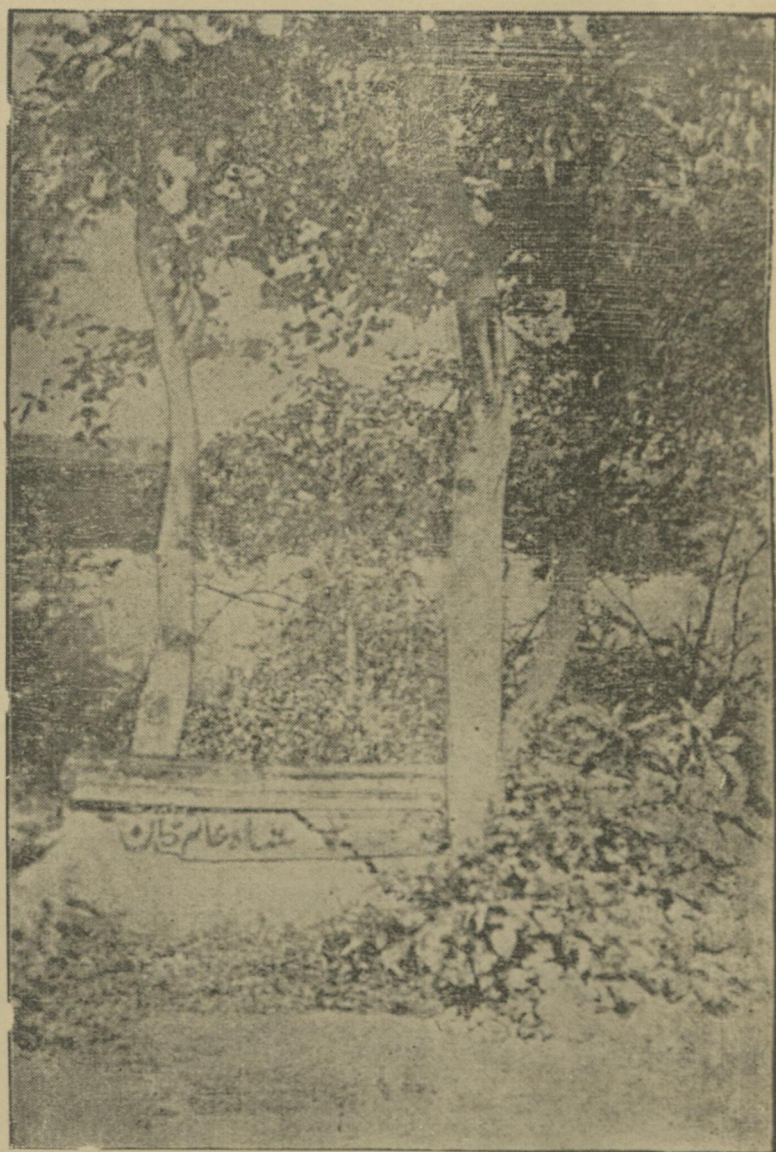
قبر شاہ عالم خاں (بدا یوں)
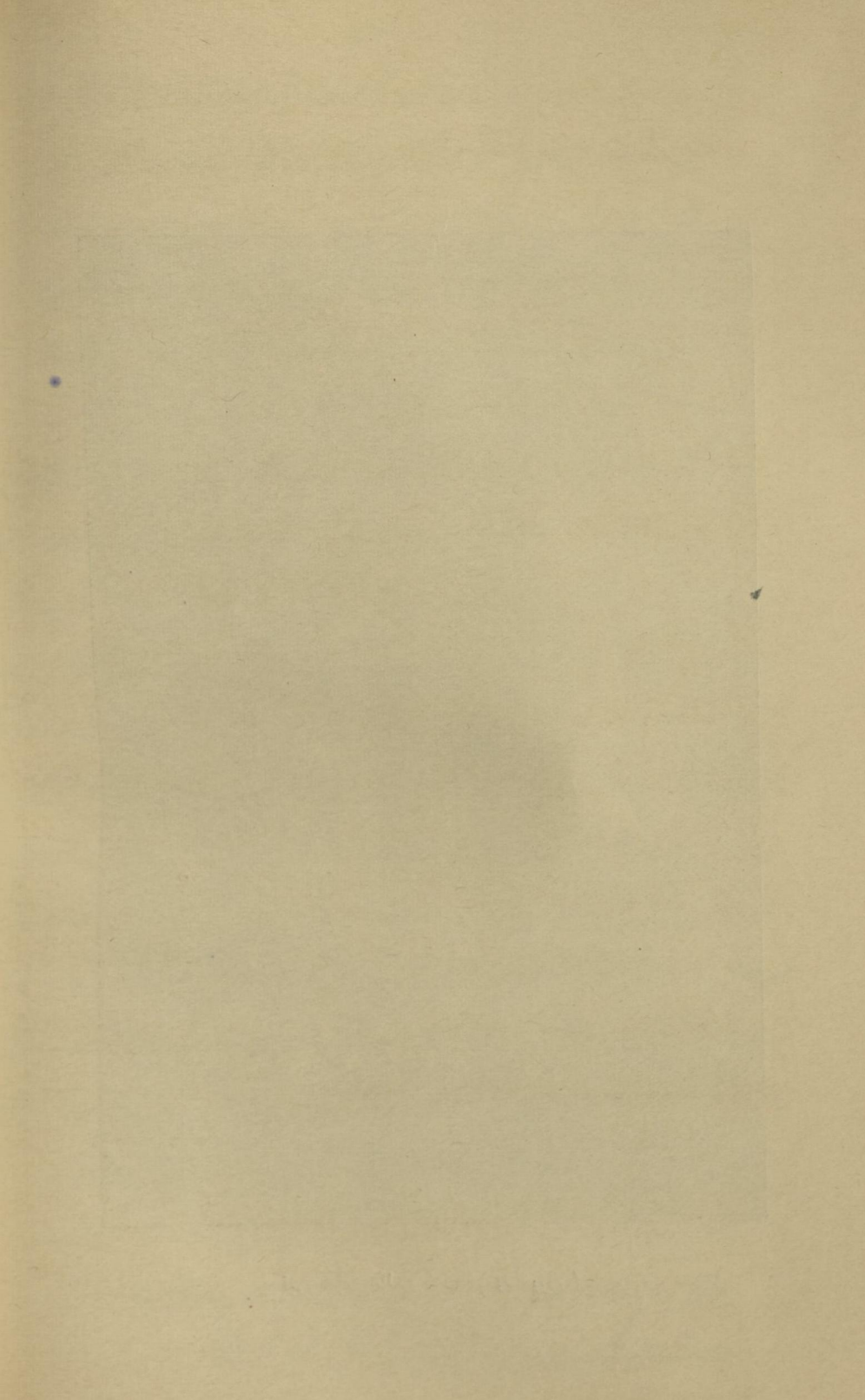
علی محمد خاں نے جو نہایت دور اندیش اور مردم شناس تھے فرمایا کہ :-

"جس طرح آپ کا مزاج چاہے ہمارے پاس قیام کیجئے ہم کو آپکی مفارقت کسی طرح گوارا نہیں ہے"

اس گفتگو کے بعد حافظ صاحب نے اپنے متعلقین کو وطن سے بلا لیا اور آنولہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ علی محمد خاں نے ان کی وجہ کفالت اس طریقہ پر مقرر کی کہ اپنے تمام مقبوضہ دیہات میں سے بارہ گاؤں بطور جاگیر ان کو دیدئے اور آئندہ کے واسطے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو نیا پرگنہ یا تعلقہ فتح ہوگا اس میں سے دو گاؤں ان کی جاگیر میں اضافہ ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ علی محمد خاں کی زندگی بھر یہ طریقہ جاری رہا اور بہت سے پرگنے دیہات اور تعلقہ جات حافظ صاحب کی جاگیر میں آگئے جن کی آمدنی سے وہ اپنے اخراجات چلاتے تھے۔

حافظ رحمت خاں کا نواب علی محمد خاں کی رفاقت میں مستقل قیام روہیلوں کے شاندار مستقبل کا پیش خیمہ تھا، ان کی موجودگی نے اس بہادر قوم میں زندگی کی ایک نئی روح پیدا کردی۔ حافظ صاحب بلند حوصلہ۔ عالی ظرف اور انتہا درجہ کے دلیر ہونے کے علاوہ بڑے مدبّر بھی تھے اس لئے تھوڑے ہی عرصہ میں انتظام حکومت اور فوجی تنظیم میں ان کی حسن تدبیر سے چار چاند لگ گئے اور خوش حالی و فارغ البالی قدم چومنے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۳۵ء تک نواب علی محمدؔ خاں اور حافظ رحمت خاں کی سرداری و قیادت میں روہیلوں کی قوت بہت زیادہ ہوگئی اور انہوں نے پرگنہ رچھا متعلق تحصیل بہیڑی۔ اور بریلی کے قریب اس کے حوالی پرگنوں پر قبضہ کرلیا۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت سے جاگیرداروں کے علاقے چھین چھین کر اپنے مقبوضات میں شامل کرلئے۔

(۴)
روہیلوں کا حکومت دہلی سے تصادم

راجہ ہرنندن سے جنگ

روہیلوں کی ان دست درازیوں کی شکایت جاگیرداران کٹھیر نے قمرالدین خاں وزیر اعظم دہلی کے پاس پہنچائی۔ وزیرالممالک نواب علی محمد خاں کے ہمدرد تھے اس لئے انہوں نے ان شکایات سے چشم پوشی کرنی چاہی لیکن اس سے کچھ کام نہ چلا کیونکہ جاگیرداروں، اور عاملوں کی متواتر شکایات محمد شاہ بادشاہ تک پہنچ گئیں اور ۱۷۴۲ء میں راجہ ہرنند کھتری نواب صاحب کی تادیب اور کٹھیر کے انتظام کے لئے مقرر کیا گیا۔[1] راجہ ہرنند پچاس ہزار فوج اور بڑے سازو سامان کے ساتھ براہ سنبھل، مراد آباد میں داخل ہوا۔ یہ خبر پاکر اول تو نواب علی محمد خاں نے بہت کچھ صلح جوئی کی لیکن اس کوشش میں ناکامی ہوئی تو لڑائی کے واسطے مستعد ہوگئے۔ بلیس ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت کے ساتھ آنولہ سے کوچ کیا اور دریائے ارل کے کنارے دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ فوج کے ہراول میں حافظ رحمت خاں میمنہ پر دوندے خاں اور میسرہ پر پائندہ خاں تھے۔ خود نواب صاحب دوسرے سرداران فوج کے ساتھ قلب لشکر میں مقیم ہوتے۔

لڑائی میں حافظ الملک کی دلیری جنگ شروع ہوئی تو حافظ رحمت خاں اپنے چار ہزار مردانِ دلیر کے ساتھ مخالف کے قلب لشکر میں گھس گئے بہت سے لوگوں کو مقتول و مجروح کرکے راجہ کے ڈیرے تک پہنچ گئے اور اس کے ہاتھی کو گھیر لیا۔ اس حملہ کو روکنے کے لئے راجہ چند ہی قدم بڑھا تھا کہ سینہ پر بان کی ضرب کھاکر مارا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا بیٹا موتی

---

[1] مراد آباد گزیٹر

لال جو حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھا قتل ہوا بڑے بڑے سرداروں کے مارے جانے کے بعد راجہ کی تمام فوج بھاگ گئی، نواب علی محمد خاں نے راجہ ہرنندن کے خیمہ میں نزول اجلال فرماکر فتح کا شکرانہ ادا کیا۔ اس لڑائی میں اس قدر مال و اسباب ہاتھ لگا کہ اس سے امارت و شوکت کے تمام سامان مہیا ہو گئے۔ اس فتح کے بعد نواب علی محمد خاں نے شاہ آباد، مراد آباد سنبھل اور پرگنات توابع بریلی کو اپنے عامل روانہ کئے اور ان مقامات کو اپنے قبضہ و تصرف میں لے لیا۔ راجہ ہرنندن کی لڑائی کے بعد سے روہیلوں کے تمام مقبوضات کا مجموعی نام کٹھیر کے بجائے روہیل کھنڈ پڑ گیا اور کچھ عرصہ کے بعد وزیر اعظم قمرالدین خاں کی کوشش سے روہیل کھنڈ کی گورنری کا حکم بھی بادشاہ دہلی نے نواب علی محمد خاں کے نام پر جاری کر دیا۔

حافظ الملک کو پیلی بھیت کی جاگیر ملنا اس جانب سے اطمینان کلی ہو جانے اور بریلی وغیرہ کے نظم و نسق سے فارغ ہونے کے بعد نواب علی محمد خاں نے پائندہ خاں کو کافی فوج کے ساتھ دیس پت بنجارے کو پیلی بھیت اور اس کے پرگنات سے نکالنے کے واسطے روانہ کیا۔ دیس پت مغلوب ہوا اور پیلی بھیت کا کل علاقہ اس بہادری کے صلہ میں جو ان سے راجہ ہرنندن کی لڑائی میں ظاہر ہوئی تھی حافظ رحمت خاں کو مرحمت کیا گیا۔

(۵)

حافظ الملک کے ہاتھ سے کمایوں کی فتح

واقعہ ہرنندن کے بعد ۱۷۴۴ء میں نواب علی محمد خاں نے راجہ کمایوں سے داؤد خاں
کے قتل کا انتقام لینے کا ارادہ کیا اور حافظ صاحب سے اس مہم کی سرکردگی کرنے کی خواہش
کی جس کی بنا پر حافظ صاحب بہت جلد ایک معقول فوج ترتیب دے کر مع عمدہ رسالہ داروں
مثل دوندے خاں، کرم خاں، پائندہ خاں، بخشی سردار خاں اور فتح خاں خانساماں وغیرہ
روانہ ہوگئے۔ اول رودرپور پہنچے اور وہاں راجہ کے لوگوں کو شکست دے کر براکھیڑے کا
قلعہ لے لیا۔ رودرپور میں اپنے تھانے قائم کرکے وہاں سے بغیر کسی روک ٹوک کے
دامان کوہ میں پہنچ گئے۔ کلیان چند، راجہ کمایوں نے اس خبر کو سنتے ہی چیدہ چیدہ سپاہ
کو حملہ آور فوج کو روکنے کے واسطے دشوار گذار دروں میں متعین کیا۔ افغان لوگ جو کوہستانی
لڑائی میں مشاق تھے، اس روک ٹوک کو کچھ خیال میں نہ لائے اور اپنے جانباز سرداروں
کی قیادت میں دامن کوہ میں گھوڑوں کو چھوڑ کر پاپیادہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ راجہ کی فوج نے
روہیلوں پر کئی بار یورش کی لیکن وہ نہایت جوش و خروش سے آگے ہی بڑھتے گئے۔ نتیجہ
یہ ہوا کہ غنیم کی فوج کو پسپا ہوکر بھاگنا پڑا اور پٹھانوں نے ہلہ کرکے الموڑے کا محاصرہ کرلیا۔
راجہ افغانوں کی دلیری دیکھ کر بہت بدحواس ہوا اور رات کے وقت گڈھوال کی طرف
راہ فرار اختیار کی۔ علی الصباح حافظ صاحب کو جب اس امر کی اطلاع ملی تو الموڑہ میں مع
فوج کے داخل ہوگئے۔

الموڑہ پر قبضہ حافظ صاحب نے راجہ کے محل میں قیام فرمایا اور اپنی خداداد فتح کی خوشی
میں نماز شکرانہ ادا کی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو الموڑہ میں فاتحانہ حیثیت سے سب سے
پہلی مرتبہ حافظ رحمت خاں ہی لائے ورنہ ابتدائے ظہور اسلام سے اس وقت تک

ہندوستان کے کسی بادشاہ اسلام کا وہاں قبضہ نہیں ہوا تھا۔

حافظ صاحب نے ایک قاصد کو تحائف اور اشیاء نفیسہ کے ساتھ فتح کی خوش خبری سنانے کے لئے نواب علی محمد خاں کی خدمت میں روانہ کیا، نواب صاحب اس مژدہ جانفزا کو سن کر نہایت مسرور ہوئے اور بعد برسات خود بھی الموڑہ کی طرف روانہ ہوتے الموڑہ میں نزول اجلال فرمانے کے بعد حافظ رحمت خاں اور ان کے ہمراہی رسالداروں کی حسن کارگذاری پر تحسین وآفرین کی اور علی قدر مراتب خلعت و انعام عطا فرمایا۔ راجہ کلیان چند نے گڈھوال سے کچھ فوج فراہم کر کے افغانوں سے دوبارہ مقابلہ کرنا چاہا، لیکن اس کی فوج بہت جلد بھاگ گئی۔

راجہ سری نگر سے خراج وصول کرنا اس کے بعد حافظ صاحب سری نگر کی طرف متوجہ ہوئے سری نگر کے راجہ سر مور بھٹ کو خبر ہوئی تو اپنے بھائی کو ان کی خدمت میں روانہ کر کے صلح کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ بطور خراج وصول کر کے نواب صاحب کے پاس الموڑہ میں واپس آ گئے۔ چار مہینے کے بعد حافظ رحمت خاں مع نواب علی محمد خاں آب و ہوا کی ناسازگاری کی وجہ سے الموڑہ کو راجہ کلیان چند کے ایک رشتہ دار کے سپرد کر کے دارالحکومت آنولہ میں فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے داخل ہوئے نواب علی محمد خاں پہاڑ سے جب واپس ہو رہے تھے تو داؤد خاں کی قبر پر بھی آئے، اور فاتحہ پڑھ کر تین بار بآواز بلند کہا کہ :۔

"میں نے راجہ سے تمہارے خون کا بدلہ لے لیا اور اس کے علاقہ کو اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا"

(٦)

محمّد شاہ بادشاہ کا روہیل کھنڈ پر حملہ، نواب علی محمد خاں کی نظربندی اور حافظ الملک کی پامردی اور تدبّر

فتح کمایوں کے ایک ہی سال بعد محمد شاہ بادشاہ دہلی ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کے اغوا سے تسخیر روہیل کھنڈ کے لئے روانہ ہوئے۔ صفدر جنگ نواب سعادت خاں برہان الملک بانی ریاست اودھ کے بھانجے اور داماد تھے اور اس وقت اودھ کے والی تھے۔ اودھ میں راجہ نول رائے کو اپنا نائب بنا کر خود دہلی میں مقیم رہتے تھے۔ اعتماد الدولہ قمر الدین خاں وزیر اعظم کے خلاف ایرانی امراء دربار کے سرغنہ تھے اور ان کو بادشاہ کے مزاج میں بہت رسوخ حاصل تھا۔ صفدر جنگ کو روہیلوں سے کاوش کی وجہ یہ تھی کہ وہ اودھ کے حدود پر روہیل کھنڈ میں ایک طاقت ور حکومت کا قیام خطرات سے خالی نہ سمجھتے تھے اور ان کو یہ خوف تھا کہ مبادا روہیلے زور پکڑ کر اودھ کو بھی فتح کر لیں۔ لہٰذا ان کی ترغیب سے ١٧٤٥ء میں بادشاہ نے روہیل کھنڈ پر حملہ کر دیا۔ قمر الدین خاں وزیر اعظم نے روہیلوں کے سر سے اس مصیبت کو ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور بادشاہ نے خود بہ نفس نفیس مع تمام ارکان دولت اور ایک لاکھ پیادہ و سوار لشکر کے ساتھ روہیل کھنڈ کی طرف کوچ کیا۔ روہیلے ابھی اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اس لئے شاہی فوج کی آمد آمد سے مطلع ہو کر قلعہ بن گڑھ عرف یوسف نگر میں جو آنولہ سے پانچ کوس کے فاصلہ پر وسط جنگل میں واقع تھا پناہ گزین ہو گئے۔[1]

---

[1] رائے انند رام مخلص بن گڑھ کے محاصرہ میں شاہی افواج کے ساتھ تھا۔ اس کا سفر نامہ بن گڑھ بڑی عظیم تاریخی حیثیت کا حامل ہے اس سفر نامہ سے آخری مغلیہ حکمرانوں کے طریق جنگ، مغلوں کی آرام طلبی اور سازش پسندی پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ بزم تیموریہ مرتبہ سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم۔ اے۔

نواب علی محمد خاں کی نظر بندی لیکن وہاں بھی وہ زیادہ عرصہ تک امن میں نہ رہ سکے اور بن گڑھ کے قریب ایک مختصر سی لڑائی میں شکست اٹھانے کے بعد نواب علی محمد خاں اپنے آپ کو مع اپنے دو بڑے بیٹوں عبد اللہ خاں و فیض اللہ خاں کے بادشاہ کے حوالے کرنے پر مجبور ہوئے جن کو بادشاہ وزیر اعظم قمر الدین خاں کی نظر بندی میں ہمراہ رکاب لے کر دہلی واپس ہو گئے۔

جب تک بادشاہ کا روہیل کھنڈ میں قیام رہا حافظ رحمت خاں نواب علی محمد خاں کے شریک حال رہے۔ جس روز شاہی لشکر نے دہلی کو کوچ کیا تو نواب صاحب سے کچھ مشورہ کر کے علیحدہ ہو گئے اور ان کے تمام اہل و عیال اور مال و متاع کو اپنی حفاظت میں لے کر قادر گنج[1] شجاعت خاں غلزئی کے پاس پہنچانے چلے گئے۔

روہیلوں کی شکست اور نواب علی محمد خاں کی نظر بندی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ نظام حکومت درہم برہم ہو گیا اور فوج منتشر ہو گئی روہیل کھنڈ میں دربار دہلی سے نئے عامل مقرر ہو کر آ گئے اور بظاہر الیسا نظر آنے لگا کہ روہیلہ حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

حافظ الملک کی پامردی اس نازک موقع پر حافظ رحمت خاں نے جو کام کیا تاریخ روہیل کھنڈ میں ہمیشہ آبِ زر سے لکھا جائے گا۔ حافظ صاحب نواب علی محمد خاں کے عیال و اطفال کی حفاظت سے فارغ ہو کر بے خوف و خطر علانیہ روہیلوں کی از سر نو تنظیم میں مصروف ہو گئے اور نہایت تندہی سے فوج جمع کرنے لگے۔ لیکن اس وقت فوج کا جمع کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ روہیل کھنڈ کے علماء و فضلاء نے یہ فتویٰ دے دیا تھا[2] کہ جو کوئی بادشاہ اسلام سے مقابلہ کرے گا اس کو دین و دنیا میں خسارہ اور بدنامی ہوگی۔ اس بات کے مشہور ہونے سے روہیلہ فوج کے ہندوستانی بلکہ وہ روہیلے بھی جو کسی قدر ذی علم تھے ساتھ دینے کو تیار نہ

---

[1] قادر گنج ضلع ایٹہ میں ہے جہاں قلعہ اور شاہی عمارات کے آثار اب تک موجود ہیں۔

[2] وقائع خاندان بنگش از سید منور علی۔ (قلمی)

تھے۔ صرف خاص افغانستان کے پہاڑی باشندے رفاقت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ جب ان لوگوں کی تعداد سات ہزار ہو گئی تو حافظ صاحب روہیل کھنڈ سے روانہ ہوئے۔ کوچ پر کوچ کرتے ہوئے اچانک دہلی پہنچ گئے اور قلعہ معلّے کے سامنے اپنی فوج کی صفیں آراستہ کر کے نواب علی محمد خاں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اس وقت اتفاق سے دار السلطنت فوج سے خالی تھا اس لئے محمد شاہ کو بجز اس کے چارہ نہ رہا کہ مطالبہ پورا کریں۔ وعدۂ رہائی کے ایفا ہونے تک حافظ صاحب نے چہار باغ میں اپنے ڈیرے ڈال دئے۔

نواب علی محمد خاں نے جب یہ خبر سنی کہ حافظ صاحب بڑی شان و شوکت اور جمعیت کے ساتھ آئے ہیں بہت خوشی کا اظہار کیا اور اپنے متعلقہ امور کی انجام دہی کی غرض سے ان کو وزیر اعظم قمر الدین خاں کی خدمت میں بھیجا۔

حافظ الملک کے تدبر سے نواب علی محمد خاں کی رہائی

کچھ دنوں تک حافظ صاحب وزیر اعظم کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے رہے اور بالآخر ان کی حسن تدبیر سے جملہ امور باحسن الوجوہ انجام پا گئے۔ نواب علی محمد خاں بادشاہ کے حضور میں طلب کئے گئے اور منصب و خطاب وغیرہ بحال کئے جانے کے بعد سرہند کی صوبہ داری پر سرفراز کئے گئے لیکن عبد اللہ خاں و فیض اللہ خاں ان کے لڑکوں کو لطور یرغمال روک لیا گیا۔ بادشاہ نے نواب صاحب کے ساتھ حافظ رحمت خاں اور ان کے ہمراہ آئی ہوئی تمام فوج کو بھی جانے کی اجازت دیدی اور دونوں سردار بکمال تزک و احتشام سرہند میں داخل ہو گئے۔

(۷)
سرہند میں حافظ الملک کی جانبازیاں

اس زمانہ میں سرہند کا صوبہ بے انتہا سرکش تھا اور وہاں جاٹ قوم کے رئیسوں نے اپنی سینہ زوری کا ایسا سکہ بٹھا دیا تھا کہ کوئی امیر ادھر جانے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ لیکن روہیلوں نے وہاں جا کر ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے کہ رستم و اسفندیار کا نام از سر نو زندہ کر دیا۔

والی رائے پور سے جنگ نواب علی محمد خاں نے سرہند کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی بہارامل والی رائے پور پر جو سرہند میں سب سے زیادہ سرکش تھا بذات خود چڑھائی کرنی چاہی لیکن حافظ رحمت خاں نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا۔ اور اس مُہم کی سر انجام دہی اپنے ذمہ لے لی اور پڈو خاں اور دوندے خاں کے رسالوں کو ساتھ لے کر جن میں تین چار ہزار پیادہ و سوار تھے رائے پور کے قریب جا پہنچے۔ بہارامل بھی دس بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ حافظ صاحب نے اپنی فوج کے چار حصّے کر کے تین حصّوں کو حکم دیا کہ قصبہ پر تین طرف سے حملہ کر دیں اور ایک حصّہ خاص اپنے ساتھ لے کر رائے پور کے بڑے دروازے کی طرف حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور یہ حکم دیدیا کہ جس وقت ان کے دستہ فوج میں سے ایک بان آسمان کی طرف پھینکا جائے سب طرف سے یکبارگی حملہ کر دیا جائے۔ جس وقت قرائن سے معلوم ہوا کہ فوج کے تمام دستے اپنی اپنی منزل مقصو

لہ نواب علی محمد خاں کو سرہند کی صوبہ داری دینے سے بادشاہ کی یہ مصلحت تھی کہ اگر سرکشوں کے ہاتھ سے روہیلوں کی جمعیت پریشان ہو گئی تو ہمیں کھنڈ کی خلش ہمیشہ کے لئے دفع ہو جائے گی اور اگر انہوں نے سرہندیوں کو مطیع و منقاد بنا لیا تو سرہند کا دغدغہ جاتا ہے گا اور روہیلوں سے کسی مناسب موقع پر نبٹ لیا جائے گا ع

چہ خوش بود کہ بر آید بہ یک کرشمہ دو کار (مؤلف)

پر پہنچ گئے تو خاص حافظ صاحب کے ماتحت دستہ فوج میں سے ایک بان آسمان کی طرف پھینکا گیا، اور حسب قرارداد فوج کے چاروں ٹکڑوں نے حملہ کر دیا، اور بہارامل کی فوج کے سخت مقابلہ کی کچھ پرواہ نہ کر کے افغان قصبہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت بہارامل قلعہ کے دروازے سے باہر کھڑا ہوا تیر و تفنگ سے جنگ کر رہا تھا۔ جب افغانوں کی لڑائی کی شدت سے پیش نہ لے جا سکا تو اپنے شکست خوردہ سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں محصور ہو گیا۔ لیکن افغانوں نے محصورین کو دروازۂ قلعہ کے بند کرنے کی مہلت نہ دی، قلعہ کے اندر گھس پڑے اور اس پر قبضہ کر لیا۔

اس فتح کے بعد حافظ صاحب نے بہارامل کی جاگیر اس کے ایک عزیز کے سپرد کر دی اور بکثرت مال غنیمت نواب صاحب کے پاس بھیج دیا۔

قصبۂ جوت پور کی فتح پندرہ دن کے بعد نواب صاحب کے حکم سے حافظ صاحب قصبہ جوت پور کی تسخیر کو روانہ ہوئے، وہاں کا زمیندار نگاہی مل تھا، نگاہی مل اپنے ہزارہا ساتھیوں کے مارے جانے کے بعد مع عیال و اطفال اسیر ہوا، اور اس نے پینسٹھ ہزار روپیہ دے کر رہائی حاصل کی اور اپنی جاگیر بحال کرالی۔ اس جنگ سے بھی حافظ صاحب فارغ ہوئے تو نواب صاحب نے ان کی کمک کے واسطے مزید فوج روانہ کی۔

کوٹ و جگراؤں کی تسخیر جب حافظ صاحب کی فوج کی تعداد پندرہ ہزار ہو گئی تو وہ راے کلہار رئیس کوٹ و جگراؤں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ کوٹ کا راجہ کثرت اموال و افواج کے باعث ان اطراف کے زمینداروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے فرمان اطاعت کو قبول نہ کیا اور آمادۂ جنگ ہو گیا۔ افغانوں نے دو روز تک کوٹ کا محاصرہ کیا اور ان سے قسم قسم کی دلیریاں ظاہر ہوئیں۔ تیسرے روز حافظ رحمت خاں خود سوار ہو کر قلعہ کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور افغانوں کو حکم دیا کہ سیڑھیاں لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں۔ افغانوں نے اس حکم پر عمل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محصورین نے امان طلب کی

اور رائے کلہا کا بھائی رائے مکھن قلعہ اور خزانے کی کنجیاں لے کر حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت رائے کلہا قلعہ سے باہر گردو نواح کے زمینداروں کو اکٹھا کرنے میں مشغول تھا۔ اس کو جب قلعہ کے اس قدر جلد فتح ہونے کی خبر ہوئی تو وہ بھی صلح پر مجبور ہو گیا اور اس نے علاوہ اس مال غنیمت کے جو افغانوں کو قلعہ سے حاصل ہوا تھا۔ ایک لاکھ بتیس ہزار روپیہ اور چند توپیں حافظ صاحب کی نذر کر کے صلح کر لی۔ رائے کلہا کی جاگیر اس پر بحال رہی۔ رائے کلہا کی شکست نے جادو کا سا اثر دکھایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے سرداروں اور سرکشوں نے بھی نواب علی محمد خاں کی فرمانبرداری قبول کر کے زر مال گذاری ادا کرنا شروع کر دیا۔

(۸)

روہیل کھنڈ پر روہیلوں کا دوبارہ تسلّط

نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کو اسی ڈھنگ پر سرہند میں داد شجاعت دیتے ہوئے کئی سال گذر گئے یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جبکہ ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ محمد شاہ بادشاہ اور ان کے ارکان دولت کو نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کی طرف سے یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا بسبب ہم قومی یہ لوگ احمد شاہ درانی سے موافقت پیدا کرلیں اس لئے یہ رائے قرار پائی کہ نواب علی محمد خاں کو دوبارہ حکومت روہیل کھنڈ پر سرفراز کر دیا جائے تاکہ وہ سرہند کو جو سرحد افغانستان سے قریب تر ہے چھوڑ کر روہیل کھنڈ کو روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایک فرمان متضمن بندہ روہیل کھنڈ نواب صاحب کے نام نافذ کیا گیا ہنوز یہ فرمان نواب صاحب کے پاس نہ پہنچا تھا کہ احمد شاہ درانی کا بھی ایک خط اس مضمون کا نواب علی محمد خاں کے نام پہنچا کہ :-

"اگر تم اس وقت ہماری مدد کرو تو انشاء اللہ بوقت حصول سلطنت ہند خدمت وزارت تمہارے سپرد کی جائے گی"

اس تحریر کے موصول ہونے پر نواب صاحب اور حافظ رحمت خاں نے آپس میں مشورہ کیا اور چاہا کہ احمد شاہ درانی کے شریک ہو جائیں۔ لیکن وزیر الممالک قمر الدین خاں کے احسانات مانع تھے اسی عرصہ میں فرمان شاہی پہنچا۔ اور وزارت سلطنت دہلی پر حکومت روہیل کھنڈ کو ترجیح دیکر نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں حضور بادشاہی میں دہلی ہوتے ہوئے روہیل کھنڈ کو روانہ ہو گئے اور وہاں کے عاملوں کی تھوڑی سی مزاحمت کے بعد اپنے ملک پر قبضہ کر لیا۔ جس وقت نواب علی محمد خاں روہیل کھنڈ پر تسلّط میں مشغول تھے۔ افواج شاہی بسر کردگی شاہزادہ احمد شاہ۔ قمر الدین خاں۔ معین الملک عرف میر منو اور صفدر جنگ

وغیرہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ احمد شاہ درانی کے مقابلہ کے لئے سرہند کی طرف روانہ ہوئے، اور اپنے ہمراہ یہ لوگ عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں پسران نواب علی خاں کو بھی لیتے گئے احمد شاہ درانی کو شکست ہوئی لیکن اس جنگ میں قمرالدین خاں وزیر اعظم توپ کے ایک گولے سے مارے گئے، جس سے فتح کی ساری خوشی گرد ہو گئی۔ قمرالدین خاں کا وجود سلطنت دہلی کے اس دور انحطاط میں غنیمت تھا۔ ان کی جوانمردی اور حسن تدبیر سے سلطنت کی ساکھ قائم تھی، جو ان کے بعد نیست و نابود ہو گئی۔ روہیلوں کو بھی ان کی ذات سے بڑی تقویت حاصل تھی اور ان کی پشت پناہی میں وہ ان تمام مصائب سے محفوظ و مامون تھے جن کا انہیں آئندہ مقابلہ کرنا پڑا۔ قمرالدین خاں کے عہد وزارت میں روہیلوں کا سمند اقبال عارضی رکاوٹوں کے باوجود تیز رفتاری میں ہوا سے باتیں کر رہا تھا لیکن ان کے انتقال سے ایک ایسی زبردست ٹھوکر لگی جس سے ان کا وجود خطرہ میں پڑ گیا اور آئندہ روہیلوں کو ایک ایسے شخص سے واسطہ پڑا جو ان کا قدیمی دشمن تھا اور جس کی زندگی کا مخصوص شغلہ ہی روہیلوں کی تخریب تھا۔

احمد شاہ درانی شکست کے بعد ولایت کو واپسی کے وقت عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ صفدر جنگ اور شاہزادۂ احمد شاہ کی سرکردگی میں جب شاہی فوج دہلی کو واپس آ رہی تھی تو اثناء راہ میں محمد شاہ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی اور شاہزادۂ احمد شاہ کو سرداران فوج نے جانشین کر کے ان کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

نواب علی محمد خاں نے وزیر اعظم قمرالدین خاں کے انتقال اور اپنے بیٹوں کی گرفتاری کی خبر سنی تو ان کے رنج و صدمہ کی کوئی حد و انتہا نہ تھی ساتھ ہی محمد شاہ کے انتقال اور بہ امداد صفدر جنگ احمد شاہ کی تخت نشینی سے امور ملکی میں جو پیچیدگیاں پیدا ہونیکا امکان تھا ان کی بھی شدید فکر دامن گیر ہوئی ان تفکرات اور صدمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرض استسقا جو نواب صاحب کو پہلے سے تھا اور ترقی کر گیا۔ قوت سامعہ میں خلل آ گیا اور دوسرے قویٰ بھی بیکار ہونے لگے۔

(۹) حافظ الملک کی مدد سے صفدر جنگ کی وزارت

اس اثناء میں ابو المنصور خاں صفدر جنگ نے دہلی پہنچ کر مندرجہ ذیل خط نواب صاحب کو بھیجا:۔

صفدر جنگ کا خط :۔ "چونکہ اعتماد الدولہ قمر الدین خاں محمد شاہ بادشاہ کی وفات سے قبل احمد شاہ درانی کی جنگ میں قتل ہو گئے تھے اور محمد شاہ بھی عالم بقا کو رحلت فرما چکے۔ وزارت کا معاملہ اس وقت تک مہمل اور معطل پڑا ہے، بعض ارکان سلطنت متفقہ طور پر چاہتے ہیں کہ قمر الدین خاں مرحوم کے بیٹے انتظام الدولہ خانخاناں کو خلعت وزارت سے سرفراز کیا جائے اور بعض لوگ یہ تمنا رکھتے ہیں کہ یہ خدمت مجھ سے متعلق ہو جائے اس صورت میں اگر آپ اس وقت آ کر میرے رفیق اور شریک ہو جاویں تو جس قدر اعانت و امداد قمر الدین خاں کی طرف سے کی جاتی تھی اس سے دو چند آپ کے واسطے میری طرف سے عمل میں آوے گی۔"

اس خط کے موصول ہونے پر نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں میں آپس میں مشورہ ہوا اور یہ رائے قرار پائی کہ چونکہ بادشاہ صفدر جنگ کو چاہتے ہیں اس لئے اگر کسی دوسرے کی مدد کی گئی اور وہ وزیر ہو گیا تو اس کی سازگاری زیادہ عرصہ تک بادشاہ سے نہ رہے گی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ صفدر جنگ پھر وزیر بن جائیں گے۔ اور اس وقت صفدر جنگ کی مخالفت کی تاب لانا بہت دشوار ہو جائے گا۔ لہذا اس وقت کے مصالح ملکی کو پیش نظر رکھ کر یہی طے کیا کہ صفدر جنگ کی امداد کی جائے۔

نواب علی محمد خاں اپنی سخت علالت کے باوجود خود شاہجہان آباد جانا چاہتے تھے لیکن حافظ رحمت خان نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا اور اس مہم کے خود ذمہ دار بن گئے

اور نواب صاحب نے صفدر جنگ کے خط کا مندرجہ ذیل جواب لکھا:۔

خط کا جواب "میں نے ہر چند چاہا کہ آپ کے حسب الطلب بذات خود آ کر شریک اور رفیق بنوں لیکن بیماری کے غلبہ کی وجہ سے نہیں آسکتا ہوں۔

خان عالی شان سمو المکان برادر صاحب گرامی قدر بہتر از جان حافظ رحمت خاں بہادر کو جو فی الحقیقت میری بجائے ہیں ایک ہزار سوار جرار کے ہمراہ روانہ خدمت کرتا ہوں جو کچھ رعایت اور مرحمت آپ کی طرف سے ان کے بارے میں ظہور پذیر ہوگی اس کو فی نفسہ اپنے حق میں سمجھوں گا اور جو استحکام اتحاد و یگانگی اور انتظام بنائے وداد و یک جہتی جس طور سے قائم ہو جائے گا۔ اس سے زندگی بھر سر مو تجاوز عمل میں نہ آئے گا۔ اس لئے کہ آپ جو کچھ بھی طے فرماویں گے ہم کو بہر صورت قبول و منظور ہے[1]۔"

حافظ الملک کا ورود دہلی حافظ صاحب بہت کچھ سامان امارت اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ ایک ہزار چیدہ اور کار آزمودہ سواروں کو ہمراہ لے کر دہلی کو روانہ ہوئے اور کوچ پر کوچ کرتے ہوئے دار السلطنت میں پہنچے۔ صفدر جنگ نے جو روزانہ ان کا انتظار کرتے تھے اپنے بیٹے شجاع الدولہ اور نجم الدولہ اسحاق خاں کو ان کے استقبال کے لئے بھیجا اور نہایت تعظیم و تکریم سے شیر جنگ کے باغ میں مقیم کیا۔ حافظ صاحب کے لئے اور تمام لشکر کے لئے اسباب ضیافت بھیجا۔ دوسری صبح کو حافظ صاحب سے خود ملاقات کی بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا اور تخلیہ کرا کے ایرانیوں اور تورانیوں کے نزاع کے تمام حالات بیان کر کے اپنے مقصد کو بالتفصیل ظاہر کیا۔ اسی طور پر روزانہ حافظ صاحب کی صفدر جنگ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ چند روز کے بعد صفدر جنگ نے حافظ صاحب کو

---

[1] گلستان رحمت۔

طلب کیا اور کہا کہ ہم خلعت وزارت حاصل کرنے کے لئے قلعۂ معلےٰ میں جائیں گے۔ انتظام الدولہ خانخانان کے پانچ ہزار تورانی سپاہی ہمارے قلعہ میں داخل ہونے پر مانع ہوں گے، ان کا ارادہ ہے کہ ہم سے پہلے قلعہ میں پہنچکر جبراً منصب وزارت حاصل کرلیں، آپ طلوع آفتاب سے قبل جنگ کے واسطے تیار ہوکر ہمارے پاس آجائیں تاکہ آپ کے ہمراہ سوار ہوکر قلعہ کو پہنچ جائیں۔

صفدر جنگ کو وزارت دلانا

علی الصباح حافظ صاحب اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ مسلح ہوکر صفدر جنگ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ صفدر جنگ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی فوج کے ساتھ کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ حافظ صاحب کے پہنچ جانے کے بعد دونوں فوجیں یکجا ہوکر بکمال شوکت وشان قلعہ کو روانہ ہوئیں۔ تورانی لوگ جو پانچ چھ ہزار کی تعداد میں دروازے پر کھڑے تھے اور اس فکر میں تھے کہ قلعہ کے اندر داخل ہو جائیں۔ اس وقت تک جاوید خاں قلعہ دار کی ممانعت کے باعث جو صفدر جنگ کا طرفدار تھا داخل نہ ہو سکے تھے جب صفدر جنگ کی سواری مع حافظ رحمت خاں قلعہ کے پاس پہنچی تو ہراساں ہو گئے اور مقابلہ کی تاب نہ لاکر نقش دیوار کی طرح اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہے اور صفدر جنگ بغیر کسی روک ٹوک کے دروازہ قلعہ پر پہنچ گئے۔ جاوید خاں نے نواب قدسیہ بیگم احمد شاہ کی والدہ کے حکم سے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور صفدر جنگ معدودے چند اہل خدمت کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہوئے حافظ رحمت خاں اپنی تمام فوج کے ساتھ تورانیوں کے مقابلہ پر قلعہ کے باہر کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد صفدر جنگ وزارت ہندوستان کا خلعت پہن کر قلعہ سے باہر آئے اور اسی ہئیت مجموعی کے ساتھ اپنے مکان کو واپس گئے۔

خطاب نواب مکرم الدولہ حافظ الملک بہادر نصیر جنگ" کا ملنا

تیسرے روز حافظ رحمت خاں کو صفدر جنگ احمد شاہ بادشاہ کے حضور میں لے گئے، اور بادشاہ نے ان کو خلعت گراں بہا، نوبت وعلم اور خطاب مکرم الدولہ حافظ الملک بہادر نصیر جنگ

عطا فرمایا۔

جس وقت ہر دو سردارانِ باوقار قلعہ سے واپس ہوئے تو ایک مرصع ہاتھی پر سوار تھے اور نواب صفدر جنگ حافظ الملک کی امداد کا شکریہ ادا کرتے جاتے تھے کہ مجھ کو خلعت وزارت من بعد فضل خدا صرف آپ کی یہاں کی موجودگی کی وجہ سے ملا ورنہ تورانی نہ معلوم کس قدر فتنہ وفساد برپا کرتے۔ مشہور ہے کہ اس موقعہ پر ایک دوسرے نے آپس میں رشتہ اخوت کو بڑھانے کے لئے دستار بھی بدلی۔ چنانچہ اسی وجہ سے شجاع الدولہ حافظ الملک کو اپنے خطوط میں عموی صاحب لکھا کرتے تھے۔

روہیل کھنڈ کو واپسی ہنوز حافظ الملک دہلی میں تھے کہ نواب علی محمد خاں کا ایک خط ملا جس میں یہ لکھا تھا کہ میں قریب المرگ ہوں آپ فوراً آ لولہ تشریف لائیے۔ حافظ الملک نے یہ خط صفدر جنگ کو دکھایا اور رخصت حاصل کر کے داخل روہیل کھنڈ ہوئے، اور تمام حال من وعن نواب صاحب کو سنایا۔ نواب صاحب بہت خوش ہوئے اور حافظ الملک کی حسن کارگذاری پر تحسین وآفرین کی۔

(۱۰)

حافظ الملک علی محمد خاں کے بعد

نواب علی محمد خاں کی علالت و وفات

جس وقت حافظ الملک، نے نواب علی محمد خاں سے ملاقات کی تو اس وقت مرض استسقاء نے ان پر پورا غلبہ کرلیا تھا اور زندگی کی تمام امیدیں منقطع ہو چکی تھیں۔ تمام بدن گھل گیا تھا اور ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی تھیں۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو اپنی زندگی ہی میں تمام انتظامات ملکی سے فراغت حاصل کرلی اور دو روز بعد یعنی ۳ ماہ شوال ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۴ ماہ ستمبر ۱۷۴۹ء کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کا عزم فرمایا اور دار الحکومت آنولہ ہی میں دفن ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ چند سال کے بعد حافظ الملک نے وہاں ایک عمدہ مقبرہ بنوا دیا، جو اب تک موجود ہے انتقال کے وقت چوالیس سال کی عمر تھی۔ چودہ سال کی عمر میں مسند نشین ہوئے اور تیس سال تک حکومت کی۔ نواب علی محمد خاں مرد وجیہہ، عقیل، سخی اور شجاع تھے۔ ریاست سیاست کے ساتھ، اور حکومت شریعت کے طریق پر کرتے تھے۔ عالی فہم اور صائب الرائے تھے اور نہایت متقی و پرہیز گار تھے۔ حنفی المذہب اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت تھے۔ عالی حوصلگی کا یہ عالم تھا کہ بقول مؤلف عماد السعادت :۔

"نواب علی محمد خاں کا یہ ارادہ تھا کہ جب محمد شاہ کا انتقال ہوجائے تو دہلی پہنچکر تخت سلطنت پر بیٹھ جاؤں مگر جس وقت بادشاہ نے وفات پائی تو وہ خود صاحب فراش ہو رہے تھے۔ حافظ رحمت خاں نے ایک پرچہ کاغذ پر بادشاہ کی وفات کا حال لکھ کر ان کو دکھایا تو آسمان کی طرف دیکھا مقصود یہ تھا کہ اگر میں تندرست ہوتا تو کمر ہمت باندھتا اب کیا کرسکتا ہوں ؎

دردل ہمی پنداشتم ایران زنم توران کشم ؛ چون مرگ آمد ناگہان ایران کجا توران کجا"

گر مُسہاۓ نے بھی تاریخ اودھ میں لکھا ہے کہ

"نواب علی محمد خاں تخت نشینی دہلی کا ارادہ رکھتے تھے لیکن موت نے فرصت نہ دی"

وفات کا مادّہ تاریخ "ہے ہے افغان۔ ہے"

۱۱۶۲ھ

نواب علی محمد خاں کا حافظ الملک کو اپنا جانشین نامزد کرنا

نواب علی محمد خاں کے مرض الموت نے جب نازک صورت اختیار کرلی تھی تو انہوں نے اپنے انتقال سے دو روز قبل دوسرے انتظامات ملکی کے ساتھ ساتھ اپنی جانشینی کا مسئلہ بھی اپنی زندگی ہی میں طے کردیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے حافظ رحمت خاں، دوندے خاں، بخشی سردار خاں فتح خاں خانساماں، عبدالستار خاں، راجہ کنور سین بخشی دوم۔ سید احمد شاہ، سید معصوم شاہ، شیخ محمد کبیر اور بڈو خاں وغیرہ اپنے ارکان دولت کو جمع کرکے فرمایا کہ:۔

"میں اپنی حالت دگرگوں پاتا ہوں لہٰذا یہ چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو جس میں سردار ہونے کی لیاقت ہو اپنی زندگی میں اپنی جگہ مقرر کردوں تاکہ تم لوگوں کے معاملات میں خلل واقع نہ ہو اور ملک و مال کے امن اور رفاہیت خلق کا سبب ہو۔ اس وجہ سے کہ خدا کی مخلوق خدا کی ایک ودیعت ہے اور چونکہ رہ گذر وجود میں جب تک کہ کوئی حاکم مستقل نہ ہو قوم میں بہت سے فتنے پیدا ہو جایا کرتے ہیں اور ملک میں بڑا خلل ظاہر ہوتا ہے ایک گروہ جو کسی کو اپنا سردار مان کر اس کا مطیع فرمان ہو جاتا ہے وہ خواری اور ذلت نہیں دیکھتا اور جو لوگ کہ امر حکومت کو چند لوگوں کے سپرد کیا کرتے ہیں اپنی جمعیت کی بنا میں خلل اور تزلزل ڈال دیتے ہیں، جیسا کہ ملک العلاّم کے اس کلام سے ثابت ہوتا ہے۔ لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا (اگر خدائے واحد کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو ضرور فساد پیدا ہوتا) پس جس کسی کو میں تم پر سردار

مقرر کروں تم کو چاہئے کہ کیا رسالدار اور کیا کارپرداز اور کیا سپاہی غرض چھوٹے اور بڑے وضیع و شریف خورد و بزرگ ہر امر میں یعنی امور مالی و ملکی اور معاملات عزل و نصب میں اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔ اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر کمر مضبوط باندھیں تاکہ اس حسن معاش کی برکت سے اپنے دشمنوں پر مظفر و منصور ہو کر خوش حال و فارغ البال رہیں[1]،،

نواب صاحب کی اس تقریر پر حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ جب عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں آپ کے بڑے اور منجھلے صاحبزادے اتفاق تقدیر سے احمد شاہ کی قید میں قندھار ہیں۔ تو سعد اللہ خاں کو جو اگرچہ عمر میں ابھی سن تمیز کو نہیں پہنچے ہیں۔ نواب بنا دیا جاتے۔ تمام افسر اور سرداران کی تعمیل حکم میں کوئی تقصیر اور ان کی فرماں برداری میں کوئی عذر نہ کریں گے۔ اس مشورہ پر نواب صاحب نے اظہار عتاب کیا اور فرمایا کہ:۔

"اگر عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں ہوتے تو بھی معاملہ ریاست ان سے متعلق نہ کیا جاتا کیونکہ اس امر کی لیاقت ان میں نہیں ہے۔ کجا سعد اللہ خاں کہ اس کو ابھی نیک و بد کی بھی تمیز نہیں ہے۔ جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے۔

د بخورداں مفرمائے کار درشت ؎ کہ سندان نہ شاید شکستن بہ مشت
رعیت نوازی و سر لشکری ؎ نہ کاریست بازیچۂ و سرسری ،

حکومت ایک نہایت مشکل کام ہے اور صرف اس شخص کے واسطے مناسب ہوتا ہے جو جامع جمیع صفات حسنہ اور مجمع کل کمالات کاملہ ہو۔ اور یہ تمام اوصاف حافظ رحمت خاں کے وجود با جود اور ان کی ذات بابرکات میں موجود و مستور ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے حقوق خداوندی ہم پر اور ہمارے ولی نعمت داؤد خاں پر

---

[1] گلستان رحمت

مقبرہ نواب علی محمد خاں (انولہ)

واجب اور متحقق ہیں کیونکہ داؤد خاں ان کے والد کا خانہ زاد اور اس خاندان عالی شان کی دولت کا پروردہ تھا۔ یہ امر کہ میں چند روز بطریق مستعار کارفرمائے امور امارت رہا مقتضائے زمانہ سے تھا یا ان کی رضامندی سے اب وقت آگیا کہ حق حق دار کو سپرد کردوں تاکہ کافر نعمتوں کے زمرہ میں محشور اور خالق کائنات کے حضور میں شرمندہ نہ ہوں[1]"

یہ کہہ کر اپنی پگڑی حافظ الملک کے سر پر رکھدی اور تمام سرداروں اور کارپردازوں کو ان کی اطاعت وفرمانبرداری کے متعلق وصیت کی۔

حافظ الملک کا ایثار۔ سعد اللہ خاں کو اپنی جانب سے نواب بنانا

لیکن اس موقع پر حافظ الملک نے بھی بے مثل ایثار کا ثبوت دیا جوں ہی ان کے سر پر پگڑی رکھی گئی فوراً اسے اتار کر سعد اللہ خاں کے سر پر رکھدیا۔ اور نواب علی محمد خاں سے فرمایا کہ:۔

جب اس امر بزرگ کو آپ نے میرے حوالے کیا تو میں اس لڑکے کو سرداری کے واسطے تجویز کرتا ہوں اور اس کو نواب بناتا ہوں۔ نیک وبد امور سے ہر امر میں خود اس کا ممد ومعاون رہوں گا[1]۔

بعض مورخین کی غلط بیانی

حافظ صاحب نے مرتے دم تک اپنے وعدہ کا جس طرح ایفا کیا واقعات آئندہ سے ظاہر ہوگا۔ لیکن جانشینی کے اس عدیم النظیر واقعہ کو بعض مورخین نے انتہائی رنگ آمیزی کے ساتھ لکھا ہے۔ اس امر کی محمد سلیمان خان مولف تاریخ سلیمانی نے بھی شکایت کی ہے کہ:۔

ایک آدھ مورخ نے از راہ غلط فہمی یا بطور خوشامد یوں بھی تحریر کیا ہے کہ نواب علی محمد خان کا منشاء خاطر اس وقت بباطن یہ تھا کہ اگر حافظ الملک بہادر میری دستار

---

[1] گلستان رحمت

اپنے سر پر رہنے دیں اور ریاست قبول کریں تو چند اشخاص پوشیدہ طور پر ایسے لگا رکھے تھے کہ حافظ رحمت خاں بہادر کو اسی وقت قتل کر ڈالیں"۔

مولوی نجم الغنی خاں رام پوری نے واقعات کی صورت مسخ کرنے میں ایک اور ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ تاریخ اودھ حصہ دوم میں لکھتے ہیں :۔

حافظ رحمت خاں ابتدائی عمر میں خوردہ فروشی کرتے پھرتے تھے۔ نواب علی محمد خاں نے ان کو بلا کر امیر کبیر بنا دیا یہاں تک کہ ماہی مراتب ان کے ساتھ چلنے لگا، جس کا عوض حافظ صاحب نے یہ دیا کہ نواب صاحب موصوف کے انتقال کے بعد سرداروں سے سازش کر کے روہیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا اور اپنے ولی نعمت زادوں کو محروم کر دیا"۔

یہی مصنف اخبار الصنادید میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"نواب سید علی محمدؐ خاں بڑے دور اندیش تھے۔ برسوں کی بات اور کوسوں کی مسافت کو سامنے دیکھتے تھے۔ حافظ رحمت خاں کی صفائی طبیعت کے امتحان کے لئے ..... انہوں نے اپنی پگڑی حافظ رحمت خاں کے سر پر رکھدی۔ حافظ صاحب رونے لگے" وغیرہ وغیرہ۔

نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کے آپس کے مخلصانہ اور جاں نثارانہ تعلقات کو جن کا تفصیل کے ساتھ ذکر آچکا ہے پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے مورخین کی تحریریں جن کا قلم آزاد نہ ہو اور جن کو خود غرضی نے بے باک و گستاخ بنا دیا ہو قابل اعتنا نہیں ہو سکتیں۔ نواب علی محمد خاں کی زندگی کے کسی واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ منافق تھے، یا ان کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ تھا۔ اسی طرح حافظ الملک جیسے صاحب فتوت و مروت شخص کا مدت العمر کا سر فروشانہ اور وفادارانہ طرز عمل ہرگز اس امر کا مقتضی نہ تھا کہ نواب علی محمد خاں کسی معقول وجہ کے بغیر خواہ مخواہ ان پر بے اعتمادی کرتے اس لئے دونوں سرداروں سے جو باتیں منسوب

کی گئی ہیں۔ ہرگز قرین قیاس نہیں ہو سکتیں۔

حافظ الملک کی اہلیت کار حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی۔ اٹھارہ سال تک مسلسل نواب علی محمد خاں مرحوم کی رفاقت میں حکومت روہیل کھنڈ کے قیام و استحکام کے لئے ان کی جانفشانیوں، شیرانہ حملوں، رستمانہ کارناموں اور بے خطا تدبیروں کا ملک کے طول و عرض میں غلغلہ بلند ہو چکا تھا۔ ہر شخص ان کے اثر و اقتدار کے سامنے سر تسلیم خم کرتا تھا، اور عملاً انہیں کو روہیل کھنڈ کا حکمراں تصور کرتا تھا کیونکہ سعد اللہ خاں جن کو حافظ الملک نے اپنی بجائے نواب تسلیم کیا تھا صرف آٹھ سال کے تھے[1]، اور بسبب صغر سنی نیک و بد کا کچھ تمیز نہ رکھتے تھے۔ اس وقت ملک میں بڑے بڑے انقلابات رونما ہو رہے تھے، اور اس پُر آشوب زمانے میں جبکہ تمام ہندوستان ایک نازک دور سے گزر رہا تھا۔ روہیلوں جیسی نئی ابھری ہوئی قوم کو جس کا وجود ہر وقت خطرات سے دوچار تھا رہنمائی کے لئے حافظ رحمت خاں جیسے باکمال، سرفروش اور جانباز سردار ہی کی ضرورت بھی تھی۔ چنانچہ حافظ الملک عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی انتظام مملکت اور فلاح قوم کے کاموں میں مصروف ہو گئے اور ان کے حسن انتظام سے جمہور انام۔ سپاہ اور رعایا رضامند ہو کر ان کی اطاعت و فرمانبرداری پر فخر کرنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی خوش حالی اور مخلوق کی فارغ البالی روز افزوں ترقی کرنے لگی۔

صفدر جنگ کی احسان فروشی لیکن اس حال کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ابو المنصور خاں صفدر جنگ نے دوبارہ روہیلوں کی تخریب پر کمر باندھی۔ اور ان مواعید کو جو حافظ الملک سے سلطنت ہند کی وزارت کے وقت کئے تھے یکسر فراموش کر دیا۔ روہیل کھنڈ کو تسخیر کر کے اودھ میں شامل کرنے کی خواہش ان کے دل میں از سر نو پیدا ہوئی اور اس بنا پر روہیل کھنڈ کی سند قطب الدین خاں نبیرۂ عظمت اللہ خاں سابق گورنر مراد آباد کے نام دربار شاہی سے جاری

---

[1] گلستان رحمت

کرادی۔

قطب الدین خاں کا حملہ قطب الدین خاں روہیل کھنڈ کی سند وصول ہونے کے بعد چار پانچ سو سوار و پیادوں کا ایک ہجوم اکٹھا کر کے عازم روہیل کھنڈ ہوا۔ حافظ الملک نے اس خبر کو سن کر اسے نامہ و پیام کے ذریعہ اس قصد سے باز رکھنا چاہا۔ لیکن اس نے نہ مانا اور جنگ پر مستعد ہو گیا۔ مجبوراً حافظ الملک نے دوندے خاں، سید معصوم شاہ، عبدالستار خاں اور نجیب خاں کو کچھ فوج کے ہمراہ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ مراد آباد کے قریب رام گنگا کے کنارے لڑائی ہوئی اور قطب الدین خاں مع بہت سے ہمراہیوں کے دلیرانہ جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔

مرزا مقیم نواب صفدر جنگ

نواب قائم خان بنگش[۱۱] سے جنگ اور شہر بدایوں وغیرہ کی فتح

صفدر جنگ کی افغانوں میں نفاق انگیزی

ابو المنصور خاں صفدر جنگ کی قطب الدین خاں کے ذریعہ مقصد برآری نہ ہوئی تو انہوں نے خود افغانوں میں پھوٹ ڈالنے کی ایک کامیاب تدبیر نکالی اور نواب قائم خاں ابن نواب محمد خاں بنگس والی فرخ آباد کو جو شمالی ہند میں باعتبار دولت وحشمت بہت ممتاز تھے۔ اپنا آلہ کار بنایا اور قطب الدین خاں کے بعد مملکت روہیل کھنڈ کی سند دربار شاہی سے ان کے نام جاری کرادی تاکہ ان کی فتح اور شکست دونوں حالتوں میں پٹھانوں کا ایک بازو ضرور ٹوٹ جائے۔ نواب قائم خاں ایک ناتجربہ کار نوجوان تھے۔ اس لئے انہوں نے محمود خاں آفریدی اپنے مہتمم اور مختار کے بہکانے سے سند روہیل کھنڈ کو قبول کر لیا اور محمود خاں کے بھائی معظم خاں کو حافظ الملک کے پاس روانہ کرکے یہ کہلا بھیجا :۔

"ہم نہیں چاہتے ہیں کہ افغانوں کا خون ہمارے ہاتھ سے بہے مناسب یہ ہے کہ سند بادشاہی کو ملاحظہ کرکے آپ علاقہ کٹھیر کو واپس کردیں"!

حافظ الملک نے نواب قائم خاں کے سفیر کو جواب دیا کہ :۔

ہم نے اس علاقہ کو اپنے قوت بازو سے راجپوتوں اور سرکش زمینداروں سے جو کسی کے مطیع نہ تھے حاصل کیا ہے۔ بادشاہ کا عطیہ نہیں ہے۔ جب تک جان میں جان باقی ہے ہرگز اس سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ نواب قائم خاں کو چاہئے کہ وہ اس ارادے سے باز آئیں اور صفدر جنگ کی چال میں نہ آدیں جو اپنے نفع

کے لئے افغانوں کو تباہ و برباد کرنے کی فکر میں ہیں۔"

معظم خاں سفیر قائم خاں فرخ آباد کو واپس گیا اور چونکہ مصالحت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی اس لئے ہر دو جانب سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

۱۲ نومبر ۱۷۴۹ء[1] کو قائم خاں پچاس ہزار فوج اور چار سو بڑی توپوں کو جو ہاتھیوں پر کسی ہوئی تھیں ساتھ لے کر بڑے ساز و سامان اور کرّوفر سے فتح روہیل کھنڈ کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ حافظ الملک بھی تقریباً پچیس ہزار[2] فوج کے ساتھ مدافعانہ جنگ کے لئے عازم بدایوں ہوئے جہاں نواب قائم خاں کا لشکر پرگنہ اوسہت وغیرہ کی راہ کاٹ کر رام گنگا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

حافظ الملک کی مصالحت کوشی سید احمد شاہ کی سفارت

باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حافظ الملک نے مناسب خیال کیا کہ اتمام حجت کے طور پر نواب قائم خاں سے ایک مرتبہ اور صلح کی سلسلہ جنبانی کر لیں چنانچہ سید احمد شاہ المشہور بہ شاہ جی بابا والد سید معصوم شاہ کو قائم خاں کے پاس مع دو[2] اور علمائے باعمل کے روانہ کیا تاکہ سمجھا بجھا کر جنگ سے باز رکھیں۔ شاہ جی میاں قائم خاں اور محمود خاں کے ڈیروں پر تشریف لے گئے اور قصد جنگ کو ترک کرنے کی نصیحت کی مگر کچھ مؤثر نہ ہوئی بلکہ محمود خاں نے اہانت آمیز لہجہ میں جواب دیا:-

"تم سید ہو، پیرزادے ہو، تم کو معاملات دنیا کا حال کیا معلوم تم کیوں اس قسم کے کاموں میں ہاتھ ڈالتے ہو؟"

سیّد صاحب نے جواب دیا کہ:-

---

[1] ہسٹنگز اینڈ دی روہیلہ وار میں قائم خاں کے حملے کا سال ۱۷۵۰ء مرقوم ہے۔

[2] روہیل کھنڈ گزیٹیر اور گل رحمت

وہ تکبر خدا اور رسول کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ہے اور مغرور ضرور مقہور الٰہی ہوتے ہیں؛

اس قسم کے سوال و جواب کے بعد سید صاحب[1] صلح سے نا امید ہو کر حافظ الملک کے پاس واپس تشریف لائے اور تمام گفتگو کا اعادہ کر کے فرمایا کہ :-

آپ کو پوری خاطر جمعی کے ساتھ جنگ کرنی چاہیئے انشاءاللہ فتح اور فیروزی نصیب ہوگی کیونکہ جب میں مخالفوں کے پاس سے رخصت ہوا تو میں نے قائم خاں، محمود خاں اور دیگر حاضرین مجلس کے جسموں پر سر نہیں دیکھے ہیں[2]؛

سفارت سید احمد شاہ کے متعلق مورخین کی کذب بیانی

سید احمد شاہ کی مندرجہ بالا روئداد سفارت کو مولوی نجم الغنی خاں نے بحوالہ تاریخ فرخ آباد مولفہ اِروِن صاحب اس طرح بیان کیا ہے کہ :-

روہیلے حملہ کی صورت دیکھکر خوف زدہ ہوئے اور اس بلا کو ٹالنے کے لئے انھوں نے ایک عرضداشت نواب علی محمد خاں کی بیوہ کی جانب سے تیار کی اور اس کو شاہ جی بابا کے ہاتھ فرخ آباد کو روانہ کیا۔ سادات اور قرآن مجید کو بھی ان کے ہمراہ کیا اس عرض داشت کا مضمون یہ تھا کہ جب اس یتیم (یعنی سعداللہ خاں) کے والد نے قضا کی تب بجز خدا کے اور تمہاری ذات کے ان کو کسی پر بھروسہ نہ تھا۔ اگر تمہاری ہی منشاء ملک چھین لینے کی ہے تو خیر ایسا ہی سہی۔ شجاعت خاں، شمشیر خاں اور خان

---

[1] سید احمد شاہ پیرزادہ کلام اللہ درمیان میں لاکر نواب قائم جنگ کے پاس آئے اور صلح کی باتیں کیں۔ نواب قائم جنگ نے محمود خاں کے پاس انہیں بھیجدیا۔ محمود خاں اور سید صاحب سے باتیں ہوئیں اور کہا ایسے کلام اللہ (نعوذ باللہ) میرے یہاں بہت سے صندوقوں میں بھرے ہیں۔ سید صاحب وہاں سے واپس آئے اور روہیلوں سے کہا کہ وہ ظالم محمود خاں نہیں مانتا ہے۔

[2] گلستان رحمت۔

بہادر خاں کو یہاں بھیجدو ہم سب ان کے ساتھ حاضر ہو جائیں گے.....

.....جب سید لوگ نواب قائم خاں کے روبرو حاضر ہوئے تو انہوں نے نواب سعد اللہ خاں کی ماں کی چادر نواب کے قدموں پر ڈال دی اور قرآن شریف اٹھایا اور اس طرح سے نواب سے متکلم ہوئے۔

"اے قوم افغان کے سردار اس کلام مجید کے واسطے سے اس فقیر بیچارے کی عرض قبول فرما کر اور اس چادر کے مالک کی عاجزی اور بیکسی پر لحاظ کر کے اس قوم پر رحم کر اور غریب بے یار و مددگار بچوں کے خون سے در گذر.......!!"

اس روایت میں روہیلوں کے خوف وہراس، والدہ نواب سعد اللہ خاں کی بیچارگی و بے کسی اور شاہ جی بابا کی رقت آور تقریر ایک من گھڑت قصہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ بعد انتقال نواب علی محمد خاں اسی ہزار پیادہ اور بیس ہزار سوار مجموع ایک لاکھ فوج مرتب تھی اور تین کرور روپیہ نقد خزانہ میں جمع تھا[۱]۔ ان حالات میں یہ کس طرح یقین کیا جاسکتا ہے کہ نواب صاحب کے انتقال کے چند ہی ماہ بعد ایک لاکھ فوج اور تین کرور روپیہ کی موجودگی میں روہیلے قائم خاں کے خوف سے لرزہ بر اندام تھے۔ علاوہ ازیں حافظ رحمت خاں، دوندے خاں، بخشی سردار خاں وغیرہ جیسے بہادری میں شہرۂ آفاق سردار اور رسالدار بھی نواب علی محمد خاں کی بیوہ اور ان کے بچوں کی سرپرستی کے لئے موجود تھے اس لئے مذکورۂ بالا رکیک اور ذلیل قسم کی الحاح وزاری قطعی بے بنیاد روایت معلوم ہوتی ہے۔ صرف شاہ جی بابا کی سفارت کا اس شان سے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ قائم خاں کے پاس جانا صحیح واقعہ ہے اور بس۔

معرکۂ جنگ الغرض سفارت سید احمد شاہ کی ناکامی کے دوسرے روز قائم خاں اور محمود خاں لوازم رزم و پیکار میں مشغول ہو گئے اور اپنے توپ خانے اور فوج کو لیکر بقصد جنگ سوار ہوئے

---

[۱] انتخاب یادگار صفحہ ۱۷

اپنا میمنہ۔ میسرہ۔ مقدمہ اور ساقہ تجربہ کار سرداروں کے سپرد کیا اور بندوقچیوں کے دستہ کو فوراً حملہ کردینے کے لئے آگے بڑھایا۔ حافظ الملک نے یہ خبر سن کر نواب سعد اللہ خاں کو ہاتھی پر سوار کیا اور سید حسن شاہ بن علی شاہ کو جو کہ اہل باطن میں سے تھے اور مرد مردانہ تھے ان کے خواصی میں بٹھایا۔ بعد ازاں اپنی جمعیت کے ساتھ میدان جنگ کو روانہ ہو گئے۔ سید احمد شاہ، عبد الستار خاں اور فتح خاں کو مقدمہ پر۔ دوندے خاں کو میمنہ پر اور بخشی سردار خاں کو میسرہ پر متعین کیا۔ نواب سعد اللہ خاں کو دوسرے رسالداروں کے ساتھ بخیالِ حفاظت عقب میں رکھا اور خود ایک فوج کثیر کے ساتھ قلب لشکر میں قیام کیا۔ شہر بدایوں سے دو کوس کے فاصلے پر موضع دونری رسول پور کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اول قائم خاں کی جانب سے توپ خانہ نے حملہ کیا۔ کثرت گولہ باری کے سبب روہیل کھنڈ کی ہراول فوج میں سے اکثر کے قدم اکھڑ گئے اور بہت سے فرار ہو کر قلب کی بڑی جمعیت کے ساتھ شامل ہو گئے جس سے قائم خاں کی فوج زیادہ دلیر ہو گئی اور اس نے دوندے خاں کی فوج پر حملہ کر کے بہت نقصان پہنچایا۔ یہ خبر سن کر حافظ الملک دوندے خاں کی مدد کو پہنچے، اور نہایت سخت جنگ کی، یہاں تک کہ دوندے خاں کی فوج کو کسی قدر مہلت ملی! اسی اثناء میں بخشی سردار خاں، تین ہزار پیادہ برق اندازوں کی فوج کے ساتھ دوندے خاں کی امداد کے لئے دوڑے لیکن دشمن کی شدت جنگ کے باعث دوندے خاں تک نہ پہنچ سکے، اور میدان جنگ سے قریب ایک باجرہ کے کھیت میں دشمن کی گھات میں بیٹھ گئے۔ قائم خاں نے روہیلوں کا پلّہ کمزور دیکھ کر بہت سے سواران خوش اسپ اور ڈھائی سو نامور سرداران فیل سوار کو بکثرت توپوں کے ساتھ سعد اللہ خاں کی فوج پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور تھوڑی ہی مار پیٹ کے بعد افغانوں کی اس جمعیت کو جو نواب سعد اللہ خاں کے گرد و پیش ان کی حفاظت کے لئے حافظ الملک نے متعین

لہ تاریخ فرخ آباد مولفہ ولیم اِروِن۔

کی تھی تباہ کرنے کی کوشش کی حتی الامکان افغان لوگ مدافعانہ جنگ کرتے رہے لیکن غنیم کی کثرت اور اپنے لوگوں کی کمی کی وجہ سے مقتول و مجروح ہو کر بہت سوں کا قدم لغزش کھا گیا۔ یہاں تک کہ سعد اللہ خاں کے پاس صرف تھوڑے آدمی رہ گئے اور دشمن ان کے ہاتھی کے قریب پہنچ گئے۔

سید حسن شاہ کی مردانگی اس موقع پر ایک گولی نواب سعد اللہ خاں کی گردن کے قریب سے نکل گئی۔ قائم خاں کا ایک سردار ہاتھ میں گرز لیئے ہوئے تھا اس نے چاہا کہ گرز کی ضرب سعد اللہ خاں کے سر پر مارے۔ مگر معظم خاں آفریدی چلا اٹھا کہ بھائی ان کو زندہ گرفتار کر لو اور اسی وقت اپنا ہاتھی سعد اللہ خاں کے ہاتھی کے برابر لا کر اپنے پٹکے کا پھندا بنا کر سعد اللہ خاں کی گردن میں ڈال کر چاہا کہ اپنی طرف کھینچ لے لیکن سید حسن شاہ نے اس پٹکے کو اپنی تلوار سے کاٹ دیا۔ اسی طرح معظم خاں آفریدی نے تین مرتبہ اپنے پٹکے کا پھندا بنا کر ڈالا۔ مگر سید حسن شاہ نے ہر مرتبہ اس کو کاٹ دیا۔ آخر کار سید حسن شاہ معظم خاں کے ہاتھ سے تلوار کے دو زخم کھا کر مدافعت سے عاجز ہو گئے۔ ایک روہیلہ ہاتھ میں بندوق لئے ان کے ہاتھی کے پاس متحیر کھڑا ہوا اس دار و گیر کو دیکھ رہا تھا سید حسن شاہ نے اس کو غصہ سے ڈانٹ کر کہا:

'بزن این را از تفنگ'

سید صاحب کی آواز سن کر اس بندوقچی کے پراگندہ حواس مجتمع ہو گئے اور اس نے بندوق کا فیر کیا جس کی گولی معظم خاں کے سینہ میں داخل ہو کر پشت سے نکل گئی اور سعد اللہ خاں نے اس بلائے ناگہانی سے نجات پائی۔ اس وقت عام جنگ کی یہ حالت تھی کہ کسی وقت فیل سواران فرخ آباد ہجوم کر کے افغانان روہیل کھنڈ کی جمعیت کو منتشر کر دیتے تھے اور کبھی روہیل کھنڈی حافظ الملک کی پشت پناہی میں دشمنوں کو پسپا کر دیتے تھے۔

نواب قائم خاں کا مارا جانا اور روہیلوں کی فتح اسی کشمکش میں حسب اتفاق قائم خاں اور ان کے تمام خاص سرداروں کا گزر اس باجرے کے کھیت کی طرف ہوا جس میں

بخشی سردار خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چھپے ہوئے تھے بخشی جی کے ہمراہیوں نے ایک دم گولیاں سر کردیں اور تمام گولیاں ہاتھی نشینوں کے سر اور سینوں پر پڑیں۔ یہ لوگ مع نواب قائم خاں دوسو سے زیادہ تھے سب کے سب گر گئے[1]۔ نواب قائم خاں کے دوسرے ہمراہی جو ان کی تلاش میں پھر رہے تھے ان کے ہاتھی کی عماری خالی دیکھ کر بدحواس ہوگئے اور تمام فرخ آبادی اہل فوج یکے بعد دیگرے میدان جنگ سے فرار ہوگئے۔ روہیلے اس فتح خداداد کے ظاہر ہونے سے مفرورین کے مال و اسباب لوٹنے پر متوجہ ہوئے اور ان کا تعاقب کر کے بے شمار گھوڑے اور بکثرت ہاتھی پکڑ لائے۔ زین خاں اور شاغران خاں روہیلوں نے قائم خاں کے ہاتھی پر چڑھ کر ان کی لاش اتار لی سر کاٹ کر ایک جگہ دفن کر دیا اور ہاتھوں اور گلے وغیرہ کے تمام جواہرات چھپا لئے۔ چنانچہ جب لاش بے سر میدان سے اٹھا کر حافظ الملک کے حضور میں لائی گئی تو سر حاضر کئے جانے کی منادی کی گئی۔ بعد تلاش بسیار زین خان و شاغران خاں نے جواہرات کی معافی کا حکم حاصل کر کے قائم خاں کے سر کو حاضر کیا۔

حافظ الملک کی مفتوحین کے ساتھ رعایت والدہ قائم خاں کے نام دردمندانہ خط

حافظ الملک نے سر کو جسم کے ساتھ سلوا دیا اور لاش پر دوشالہ ڈلوا کر خاصہ کی پالکی میں اپنے

---

[1] نواب قائم خاں کے ساتھ تقریباً ۵۲ ہاتھی نشین سردار ہلاک ہوئے چند شخصیتوں کے نام حسب ذیل ہیں :- منگل خاں موسلی نگری، معظم خاں دریابادی، خضر خاں، نواب مرید خاں، نواب عبدالنبی خاں، نواب حاجی داؤد خاں نواب بہادر خاں، محمود خاں بخشی، رستم خاں، کمال خاں، روشن امام پسر مولوی فضل امام، شجاعت خاں۔ غلزئی۔ فرحت اللہ لکھنوی۔ زخمیوں میں نواب امام خاں، فخر الدین خاں، نواب احمد خاں، شاہ اسد علی وغیرہ ہم۔ نواب قائم خاں کی تاریخ وفات حسب ذیل ہے:۔ "قائم بہشت شد"

(بحوالہ تاریخ فرخ آباد از ولیم ارون و وقائع خاندان بنگش از منور علی)

معتمد ملازمین کے ساتھ فرخ آباد کو روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی ایک خط بھی قائم خاں کی والدہ کے نام لکھا جس کا حسب ذیل مضمون تھا:۔

"آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہ تھا اور ہم ہرگز جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ علماء اور سادات کو بھی قائم خاں کے پاس بھیجا تھا کہ پند و نصائح کے ذریعہ صلح کی راہ راست پر لے آویں کیونکہ حدیث شریف میں ہے الصّلحُ خیرٌ اور دونوں فریق کی خیر و عافیت بھی اس میں متصور تھی۔ لیکن قائم خاں نے اپنے معاملات نیک و بد کا کلی اختیار فتنہ سرشت محمود علی خاں آفریدی کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور صلح و جنگ کا معاملہ اس خانہ برانداز کے سپرد کر دیا تھا۔ اس نے ان لوازم جنگ پر نظر ڈال کر جو ہم سے زیادہ تھے اور فوج کی تعداد کثیر کو دیکھ کر جو ہمارے یہاں سے دو چند تھی نہایت نادانی سے اس امر کو نظر انداز کر دیا۔ "وما النصر الا من عند اللہ" اور اپنے اعتقاد باطل سے اسباب ظاہری پر نظر کرکے ہرچند کہ علماء و سادات نے صلح و معاملات کے واسطے منت کی وہ اپنی جنگ جوئی اور بدخوئی سے زیادہ دلیر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ قائم خاں اور ان کے تمام سرداران افغان کو خاک ہلاکت پر لٹا دیا ؎

چو تیرہ شود مرد را روزگار ؎ ہمہ آن کند کش نیاید بکار

قضائے الٰہی سے کوئی چارہ اور مفر نہیں ہے۔ آں عفت مآب و عصمت نقاب (بی بی صاحبہ) کو لازم ہے کہ دلجمعی تمام کے ساتھ فرخ آباد میں مقیم رہیں اور ہماری طرف سے کوئی وسوسہ اور دغدغہ نہ کریں اس واسطے کہ ہم کو عورتوں کے مال و منال اور اسباب و اشیاء سے مطلق سروکار نہیں ہے بلکہ گنگا کے اس پار کا تمام علاقہ آں عفیفہ (بی بی صاحبہ) کے مصارف و اخراجات کے واسطے واگذاشت کرتے ہیں۔

بدایوں، مہر آباد، اسہت اور پرم نگر کا روہیل کھنڈ میں شامل ہونا

اور شہر بدایوں پرگنہ اسہت و مراد آباد اور پرم نگر کہ دریائے گنگ کے اس طرف ہمارے علاقہ کی

سرحد پر واقع ہیں اپنے مقبوضات خاصہ میں شامل کرتے ہیں ہم کو ہر امر میں اپنا ممد و معاون جان کر اپنے حالات تحریر کیجئے"۔ لہ

مذکورۂ بالا خط اور قائم خاں کی نعش کو فرخ آباد روانہ کرنے کے بعد حافظ الملک نے اپنے عامل بدایوں، مہر آباد، اسہت، پرم نگر وغیرہ علاقہ مفتوحہ میں بھیجدئے اور فتح کے ساتویں دن بڑے کر و فر کے ساتھ مع نواب سعد اللہ خاں میدان جنگ سے واپس ہو کر آنولہ میں داخل ہوئے۔ اس جنگ کی کامیابی سے حافظ الملک اور روہیلوں کی اقبال مندی کی دور دور شہرت ہو گئی اور سیاسات ہند میں ان کے وجود کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی۔

لہ گلستان رحمت۔

(۱۲)
پرگنات دامن کوہ کی فتح

حافظ الملک آنولہ میں چند روز قیام کے بعد پیلی بھیت تشریف لے گئے اور وہاں سے شیخ کبیر کو جو کہ صاحب باطن ہونے کے علاوہ ایک امیر باتدبیر تھے، دامن کوہ کی تسخیر کے واسطے روانہ کیا۔

پرگنہ سنبھ کی فتح شیخ کبیر نے ضروری فوج اپنے ہمراہ لے کر اوّل پرگنہ سنبھ پر حملہ کیا وہاں کے زمیندار تھوڑی سی جنگ کے بعد کچھ مقتول ہوئے اور کچھ نے مجروح ہو کر راہ فرار اختیار کی اور ان کا سردار مقید ہو گیا۔ شیخ کبیر نے پرگنہ سنبھ کے فتح کی خوش خبری حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کی تو انہوں نے حکم بھیجا کہ کھیر اگرھ کی طرف روانہ ہو جاؤ حسب الحکم شیخ کبیر نے کھیر اگرھ کی جانب کوچ کیا۔ چار روز بعد حافظ الملک بھی پیلی بھیت سے سنبھ تشریف لے گئے اور اس جگہ کے زمینداروں کو اپنی طرف سے ان کی خدمات پر بحال کر کے سرفرازی بخشی اور چند روز وہاں کے انتظام اور کھیر اگرھ کی فتح کے انتظار میں اس جگہ قیام کیا۔

کھیر اگڑھ کی فتح کھیر اگرھ ایک ایسی جگہ تھی جہاں کسی کا پہنچنا دشواری سے خالی نہ تھا۔ اس کے مغرب میں دریائے سارداواقع تھا جس کو اودھ میں گھاگرا کہتے ہیں۔ اس دریا کو پانی کی تیز رفتاری کے سبب سے پایاب عبور کرنا بہت مشکل تھا اور اس کے دونوں جانب خطرناک اور دشوار گزار جنگل واقع تھا۔ سخت مشکلات و تکالیف کے بعد شیخ کبیر نے جنگل کا راستہ طے کیا اور دریائے سارداکے کنارے پہنچ گئے۔ اتفاقاً اس گہرے اور تیز رفتار دریا میں ایک جگہ قابل عبور دریافت ہو گئی چنانچہ بہادران فوج ہاتھیوں پر سوار ہو کر دریا کو عبور کرنے لگے عبور کرتے وقت دریا کے دوسری طرف کے دہقان مانع ہوئے اور تیر و بندوق سے حملہ کرنے لگے لیکن افغانوں نے ان کے حملہ کا کچھ خیال نہ کیا اور دریا سے گزر کر دہقانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ دہقان

لوگ منتشر ہو گئے اور کھیراگڑھ پہنچکر افغانی فوج کے دریا عبور کرنے کی خبر کو مشتہر کر دیا۔ وہاں کے زمیندار دس ہزار سواروں کی جمعیت اکٹھا کر کے جنگ کے واسطے آمادہ ہوئے۔ شیخ کبیر نے اپنی ہمراہی فوج کو دریا عبور کرا کے کھیراگڑھ سے تین کوس کے فاصلے پر قیام کیا اور علی الصباح بارادۂ جنگ سوار ہو کر کھیراگڑھ کے محاصرے میں مصروف ہو گئے۔ زمینداروں نے تھوڑی بہت مدافعانہ جنگ کی لیکن زیادہ عرصہ تک ثابت قدم نہ رہ سکے۔ شیخ کبیر کھیراگڑھ میں داخل ہوئے اور مفرورین کے مال و اسباب پر قبضہ کر کے عام رعایا کی دلجوئی میں مشغول ہو گئے۔ اس فتح کی خوشخبری حافظ الملک کو ملی تو انہوں نے حکم بھیجا کہ رعایا کو ان کے گھروں میں آباد کرو اور اپنے ایک معتمد شخص کو وہاں کا نظم و نسق سپرد کر کے بھرتاپور کو روانہ ہو جاؤ۔

قلعہ بھرتاپور پر قبضہ

یہ مقام کھیراگڑھ سے دس کوس[1] کے فاصلہ پر جانب غرب واقع ہے اس کے مشرق میں دریائے کوڑیالہ اور کرنا بہتے ہیں اور ہر دو جانب نہایت گنجان جنگل واقع ہے شیخ کبیر نے بڑے حزم و احتیاط کے ساتھ دشوار گذار راستوں کو طے کیا اور دریائے کرنال تک پہنچ گئے دریا عبور کرتے وقت اس طرف کے راجپوتوں سے جنگ واقع ہوئی۔ راجپوت شکست فاش کھانے کے بعد بھاگ کر قلعہ بھرتاپور میں داخل ہو گئے۔ شیخ کبیر نے تعاقب کر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور آہستہ آہستہ مورچہ کو آگے بڑھاتے رہے۔ جب قلعہ کے قریب پہنچ گئے تو محافظ قلعہ دو سپاہیوں کو قلعہ میں چھوڑ کر رات کے وقت خود قلعہ سے باہر نکل گیا۔ صبح کو شیخ کبیر نے قلعہ پر حملہ کیا۔ افغان سپاہی متواتر حملوں کے بعد ہر طرف سے قلعہ پر چڑھ گئے اور ان محصورین کو جنہوں نے مقابلہ کیا قتل کر دیا۔

بجولیا۔ ورماپور اور سنگلیا کی فتح

بھرتاپور کی فتح کے بعد شیخ کبیر حسب الحکم حافظ الملک۔ بجولیا۔ ورماپور سنگلیا کی طرف متوجہ ہوئے اور بغیر کسی روک ٹوک کے ان مقامات پر

---

[1] گل رحمت۔

قبضہ کرلیا۔ گرد و پیش کے اکثر زمیندار جو افغانوں کے حملوں کے خوف سے بھاگ گئے تھے ان کو شیخ کبیر نے تشفی و دلجوئی کر کے آباد کر دیا اور ان سے بہت سا روپیہ بطور خراج وصول کر کے حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس کام سے فراغت حاصل کر کے شیخ کبیر نے سنبھل کو مراجعت فرمائی اور حافظ الملک کی جانب سے اپنی کار گزاریوں کے صلے میں بے شمار عنایات کے مورد ہوئے چند روز کے بعد کھیر اگڑھ کے بنجاروں کا سردار جو کہ نصف پر گنوں کا مالک تھا اور دوسرے نصف پر راجپوت قابض تھے خود بخود حافظ الملک کی خدمت میں حاضر آیا اور اس نے کھیر اگڑھ کے انتظام اور خلعت وغیرہ سے سرفرازی پائی۔

ملہوارہ۔ اور لچھیا کی تسخیر

اب شیخ کبیر تازہ فوج کے ساتھ ملہوارہ اور لچھیالی پرگنات، دامن کوہ کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئے اور ملہوارہ پر جبراً قبضہ کر کے لچھیالی کو بھی لے لیا۔ لچھیالی راجہ ڈوٹی کے قبضہ میں تھا، اس نے جب اس واقعہ کی خبر سنی تو اپنے سفیر حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کئے۔ ان لوگوں نے بہت بڑی رقم بطور پیشکش کر کے اور یہ وعدہ کر کے کہ سال بہ سال خراج ادا ہوتا رہے گا، حافظ الملک کی جانب سے لچھیالی کو راجہ کے حق میں واگذاشت کرالیا۔ اس طرح تمام مقاماتِ کوہ کو صرف چار مہینے میں فتح کر کے حافظ الملک مع شیخ کبیر معاودت فرماتے پیلی بھیت ہوئے۔

(۱۳)

صفدر جنگ کے ہاتھوں خاندان بنگش کی تباہی۔ احمد خاں کا عروج اور حافظ الملک کی مدد

انہیں ایام میں نواب قائم خاں والئ فرخ آباد کے مقتول ہونے کی خبر صفدر جنگ کو پہنچی تو وہ نہایت خوش ہوئے، خوب ہنسے اور کلمات ہزل آمیز زبان پر لائے[۱]۔ اور ہر قسم کی مروت کو بالائے طاق رکھ کر یہ ارادہ کرلیا کہ ریاست فرخ آباد کو جو اودھ سے بالکل ملحق تھی اپنے مقبوضات میں شامل کرلیا جائے۔ چنانچہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دہلی سے کوچ کرکے عازم فرخ آباد ہوئے اور قائم خاں کی والدہ کو لکھا کہ مجھ کو اپنے بھائی قائم خاں کے مقتول ہونے کا بہت رنج ہوا۔ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ گویا میرا داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ انشاءاللہ العزیز روہیلوں کا ہندوستان میں بیج نہیں چھوڑوں گا۔ لہذا جس طرح ہو سکے اپنے آپ کو ایک دو روز کے لئے میرے پاس پہنچائیے تاکہ آپ سے کچھ باتیں کرسکوں۔ قائم خاں کی والدہ اس محبت آمیز پیام سے دھوکے میں آگئیں اور سات قوی ہیکل غلاموں کو اپنے ہمراہ لے کر صفدر جنگ کے پاس دادرسی اور امداد کی امید پر تشریف لے گئیں۔

والدہ قائم خاں کی گرفتاری فرخ آباد پر صفدر جنگ کا قبضہ

صفدر جنگ نے پہلی ہی ملاقات میں بی بی صاحبہ کو مقید کرکے لکھنؤ بھیج دیا اور ان کے ہمراہیوں کو بڑی بے دردی سے قتل کرادیا۔ صفدر جنگ خود فرخ آباد میں داخل ہوئے اور بی بی صاحبہ کے عزیز و اقارب کو قتل کرکے

---

[۱] تاریخ فرخ آباد مولفہ اروِن صاحب

ان کے تمام نقد و جنس پر قبضہ کر لیا، اور اپنے معتمد دیوان نول رائے کو جو اودھ میں بطور نائب حکومت کرتا تھا۔ فرخ آباد کا بھی حاکم مقرر کر دیا۔ اس انتظام کے بعد صفدر جنگ دہلی لوٹ گئے۔ اور نول رائے شدید جبر و ظلم کے ساتھ فرخ آبادیوں سے کثیر روپیہ جمع کر کے اودھ کو واپس ہو گیا۔

جن دنوں یہ واقعات پیش آرہے تھے قائم خاں کے ایک بھائی احمد خاں نامی دہلی میں مقیم تھے۔ احمد خاں کے قائم خاں سے تعلقات بہت کشیدہ تھے۔ اس لئے دہلی میں صفدر جنگ کے ساتھ رہتے تھے۔ اپنے خاندان کی تباہی اور اپنی والدہ کی گرفتاری کی خبر پاکر بیتاب ہو گئے اور خفیہ طور پر دہلی سے نکل کر فرخ آباد پہنچ گئے۔ چونکہ اس زمانہ میں احمد خاں کا عوام الناس پر کچھ اثر نہ تھا اس لئے صفدر جنگ نے بھی ان کے چلے جانے کی کوئی پرواہ نہ کی اور شامت اعمال سے ع

دشمن نتوان حقیر و بیچارہ شمرد

کے اصول کو فراموش کر دیا۔ احمد خاں فرخ آباد پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ نول رائے کے عاملوں کے خوف سے فرخ آباد کی مخلوق پر سخت دہشت و ہراس طاری ہے۔ ان حالات میں جب مقصد براری کی کوئی امید نہ دیکھی تو رُوسا متو کے پاس جا کر اپنا وقت گزارنے لگے۔

ایک عورت کی طعن و تشنیع نے احمد خاں کو مرد بنا دیا

"لیکن جب قدرت کو کسی سے کوئی بڑا کام لینا ہوتا ہے تو اس کے ویسے ہی اسباب فراہم ہو جاتے ہیں" چنانچہ اس زمانہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس سے احمد خاں کے ارادوں میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا۔ عماد السعادت میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:-

"متو میں ایک غریب عورت بازار میں سوت بیچنے آیا کرتی تھی۔ ایک روز نول رائے کے ایک ہندو ملازم نے اس کا سوت خریدا اور قیمت دے کر چلا گیا۔ ایک مہینہ کے بعد وہ ہندو دوبارہ بازار میں آیا عورت سے کہنے لگا کہ اپنا سوت لے لے اور قیمت واپس کر دے۔ عورت نے کہا کہ میرے پاس اب قیمت کہاں سے آئی۔ میں تو خود نان شبینہ

کو محتاج ہوں اسی سوت کو بیچکر بمشکل بسر اوقات کرتی ہوں، علاوہ اس کے تمام دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص آج ایک چیز خرید لے تو ایک مہینہ کے بعد اس کی قیمت واپس نہیں ہوتی ہے۔ ہندو اس جواب سے مارے غصہ کے آپے سے باہر ہو گیا اور عورت کو گالیاں دینے لگا۔ عورت نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس پر اس ہندو نے پیر سے جوتہ نکال کر کئی ہاتھ عورت کے سر پر مار دئے۔ عورت مذکور اپنے سر و سینہ کو پیٹتی ہوئی احمد خاں کے پاس آئی اور کہا کہ محمد خاں کو اگر خدا تیرے بجائے لڑکی دیتا تو خوب ہوتا اور لعنت ہے اس پگڑی پر جو تو باندھے بیٹھا ہے۔ مجھ فلاں آفریدی کی بیوی کو ایک معمولی ہندو سپاہی نے گالیاں دی ہیں اور سر کو جوتیوں سے توڑا ہے!!

احمد خاں نے شرم سے اپنا سر جھکا لیا اور دو روز تک نہ کچھ کھایا نہ پیا اور ہر روز رات کو روتے روتے صبح کر دیتے تھے۔ تیسرے دن یہ واقعہ رستم خاں آفریدی کو از اول تا آخر سنایا۔ رستم خاں نے کہا کہ اگر آپ ارادہ کریں تو بندہ دل و جان سے حاضر ہے اور کثیر روپیہ فراہمی فوج کی غرض سے احمد خاں کی خدمت میں پیش کیا۔ احمد خاں رستم خاں کی اس ہمدردی سے بہت خوش ہوئے اور آئندہ بغیر ایک منٹ ضائع کئے ہوئے پوری تندہی کے ساتھ اپنی قوت کو بڑھانے میں مصروف ہو گئے۔

ایک ہندو ملازم کی وفاداری سے والدۂ احمد خاں کی رہائی

ادھر بی بی صاحبہ کے ایام اسیری میں ان کے ایک وفادار ہندو ملازم نے جس کا نام صاحب رائے تھا۔ دیوان لنول رائے کی ملازمت اختیار کر لی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس پر اپنا پورا اعتبار قائم کر لیا۔ ایک روز جبکہ دیوان مذکور شراب کے نشہ میں ہوش و حواس کھوئے ہوئے بیٹھا تھا۔ صاحب رائے نے اس سے بی بی صاحبہ کے فرخ آباد جانے کا اجازت نامہ لکھوا کر محافظوں کے پاس بھجوا دیا اور ساتھ ہی بی بی صاحبہ کو بھی کہلا بھیجا کہ فوراً سوار ہو کر روانہ ہو جائیں۔ بی بی صاحبہ اسی وقت ایک تیز رتھ پر سوار ہو کر دوسرے دن مئو پہنچ گئیں۔ صبح کو جب

نول رائے ہوشیار ہوا تو اپنی غفلت پر نادم ہوا۔ اور صفدر جنگ کو اس امر کی اطلاع کی صفدر جنگ نے حکم دیا کہ فوراً مئو جا کر بی بی صاحبہ، احمد خاں بنگش اور ان کے دوسرے لواحقین کو مقید کر کے اودھ لے آوے۔

صفدر جنگ کے نائب نول رائے[1] کی احمد خاں سے جنگ

بموجب حکم نول رائے کثیر التعداد سپاہ کے ساتھ مئو کو روانہ ہوا اور وہاں کے رئیسوں کو کہلا بھیجا کہ بی بی صاحبہ اور احمد خاں کو اس کے حوالے کر دیں۔ مئو کے رئیسوں نے بی بی صاحبہ کو نول رائے کے سپرد کر دینا غیرت افغانی سے بعید جانا اور کہہ دیا کہ جب تک جان میں جان ہے ان لوگوں کو ہرگز تیرے سپرد نہ کریں گے اور احمد خاں کو اپنا سردار بنا کر جنگ کے لئے تیار ہو گئے! اس وقت احمد خاں نے رستم خاں کو عہدۂ بخشی گری پر سرفراز کیا اور بمشکل دس بارہ ہزار پیادہ وسوار افغانوں کی جمعیت فراہم کر کے مئو سے چھ سات کوس آگے بڑھ کر اس راستہ پر جہاں سے نول رائے کی فوج گزرنے والی تھی قیام کیا جس وقت نول رائے کی چالیس ہزار فوج آوایک بھاری توپ خانہ احمد خاں کے کیمپ کے قریب آگیا اور دوسرے روز صبح کو جنگ ہونے والی تھی تو احمد خاں نے رستم خاں اور مئو کے دوسرے رئیسوں کو جمع کر کے یہ حکم دیا کہ کل صبح اس سے قبل کہ نول رائے اپنی صفوں کو سیدھا کرے ہمیں اپنی پوری جمعیت کے ساتھ رات کے تین بجے غنیم پر شب خون مارنا چاہئے تا کہ نول رائے کو اپنی فوج اور توپ خانے کو ترتیب دینے کا موقع نہ مل سکے۔

---

[1] راجہ نول رائے ذات سکسینہ کائستھ، چکرا خاندان سے تھا۔ پرگنہ اٹاوہ کا موروثی قانون گو تھا۔ راجہ رتن چند کے زمانۂ امارت میں اپنی خوش لیاقتی کی وجہ سے ترقی کر گیا۔ احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جب نواب صفدر جنگ صوبہ دار اودھ مقرر ہوئے تو یہ نیابت کے عہدہ پر سرفراز ہوا۔ لکھنؤ کا محلہ نول گنج اور گومتی کا پل یادگار ہیں۔

(امرائے ہنود از منشی محمد سعید احمد مارہروی)

نول رائے کا مقتول ہونا احمد خاں کا فرخ آباد پر قبضہ

اپنے سردار کے اس حکم کی سب نے تعریف کی اور دوسرے روز طلوع آفتاب سے بہت قبل افغانوں نے نول رائے کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ نول رائے اس وقت پوجا پاٹ میں مصروف تھا افغانوں کے حملہ کی خبر سننے کے باوصف متنبہ نہ ہوا اور بکمال غرور یہ خیال کیا کہ افغان بھاگ رہے ہیں۔ اس کی اس بے پروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغان بغیر کسی روک ٹوک کے اس کے لشکر میں گھس آئے اور اپنے دشمنوں کو قتل کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جب نول رائے کے لشکر میں سخت شور و غوغا بلند ہوا تو اس وقت نول رائے ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے ڈیرے سے روانہ ہوا۔ تھوڑی راہ طے کرنے پایا تھا کہ افغان اس سے بھڑ گئے اور مردانہ وار اس پر جھپٹ پڑے۔ اس کی سواری کے ہاتھی کو اپنے درمیان میں لے لیا اور تھوڑی دیر میں ہاتھی کے ہودھ کو اپنے سروں پر اٹھا کر نول رائے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ سردار کے مارے جانے سے لشکر کے بھی پاؤں اکھڑ گئے، اور تمام پیادہ و سوار بے تحاشا فرار ہو گئے۔ نول رائے کی شکست احمد خاں کی ایسی زبردست کامیابی تھی جس کا کسی کو خیال و گمان بھی نہ تھا۔ اس لڑائی سے احمد خاں کو نول رائے کا تمام مال و اسباب، سامان جنگ، توپ خانہ، بے شمار ہاتھی اور گھوڑے ہاتھ لگے جن سے ان کا جملہ سامانِ امارت مہیا ہو گیا اور ان کے لشکر کے مفلس لوگ نہایت متمول اور آسودہ حال بن گئے۔ اس فتح کے حاصل ہونے کے بعد احمد خاں کامرانی و شادمانی کے ساتھ فرخ آباد میں داخل ہوئے اور فوج کو فراہم کرنے نیز اپنی موروثی ریاست کو اپنے قبضہ میں لانے کی فکر میں مشغول ہو گئے۔

صفدر جنگ کی فرخ آباد پر دوبارہ فوج کشی

صفدر جنگ کو نول رائے کی شکست اور اس کے مقتول ہونے کی خبر ہوئی تو نہایت غضبناک ہوئے اور احمد خاں سے انتقام لینے کے لئے ۲۳ جولائی سنہ ۱۷۵۰ء کو اسّی ہزار فوج کے ہمراہ فرخ آباد کی دوبارہ فتح کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت ان کے ہمراہ نامور امراء شاہی مثل نجم الدولہ اسحٰق خاں۔ ایک بہت بڑا توپ خانہ اور سورج مل جاٹ والی بھرت پور تیس ہزار فوج کے ساتھ تھے۔ احمد خاں

نے بھی اس خبر کو سُن کر مقابلے کے لئے اپنی فوج بڑھانا شروع کی۔

نواب احمد خاں کا حافظ الملک سے طالب امداد ہونا

اس وقت احمد خاں کی والدہ بی بی صاحبہ کو حافظ الملک کا وہ وعدۂ امداد و اعانت یاد آیا جو قائم خاں کے انتقال کے بعد کیا گیا تھا۔ چنانچہ مئو کے رئیسوں کے مشورہ سے ایک معتمد کو سفیر بنا کر حافظ الملک کے پاس روانہ کیا اور مدد کی درخواست کی۔ حافظ الملک نے بی بی صاحبہ کی مظلومی پر رحم کر کے اور قوم افغان کے ننگ و ناموس کا خیال کر کے پرمول خاں، ماکدر خاں اور دوسرے جمعداروں کو چیدہ سپاہ کے ساتھ نواب احمد خاں کی کمک کو روانہ کیا اور اپنے خیمے بھی بریلی سے باہر فرخ آباد کی طرف قائم کرنے کا حکم دیا، اور صفدر جنگ کے فرخ آباد پہنچنے کی خبر متحقق ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ صفدر جنگ کو جب خبر ملی کہ روہیل کھنڈ سے مدد آ رہی ہے تو بسرعت تمام شب و روز کوچ کرتے ہوئے فرخ آباد کے قریب پہنچ گئے۔ احمد خاں نے جنگ میں دیر کرنی مناسب نہ سمجھی اور مع فوج شہر سے باہر نکل کر صفدر جنگ کی فوج سے چند کوس کے فاصلے پر قیام کیا۔ دوسرے روز تقریباً بیس ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت کے ساتھ نواب احمد خاں اور آگے بڑھ کر حریف کے مقابل اترے۔ دوسری صبح کو صفدر جنگ لڑائی کے ارادے سے بمقام چھوٹی متصل سہاور صف آرا ہوئے۔ لشکر ہراول کو اسحٰق خاں کے سپرد کیا، اور توپ خانہ کا ایک بہت بڑا حصہ سورج مل کو دیکر بڑھایا۔ احمد خاں نے اپنی فوج کے دو غول بنائے۔ ایک غول کو رستم خان بخشی کی ماتحتی میں سورج مل جاٹ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا اور دوسرے غول کو جس میں مئو اور فرخ آباد کے اکثر رئیس تھے اور روہیل کھنڈ کی امدادی فوج تھی جو دو روز پہلے آ گئی تھی قلب سپاہ میں خود اپنے ساتھ لے کر صفدر جنگ کے مقابلہ کے لئے جم گئے۔

روہیلوں کی امداد سے نواب احمد خاں کی فتح

دونوں غولوں نے امداد و عنایات الٰہی پر بھروسہ کر کے اور فاتحہ خیر پڑھ کر اپنے اپنے گروہ مخالف پر حملہ کر دیا۔ رستم خان نے افغانان مئو کی فوج کے ساتھ سورج مل کے توپ خانہ پر حملہ کیا اور بہت کچھ دلیرانہ کارناموں کے بعد عین

موقع جنگ پر مقتول ہو گیا۔ رستم خاں کے مقتول ہونے سے اس کی ماتحت فوج بھی لپپا ہو گئی۔ جب ہرکاروں نے اس حادثہ کی خبر احمد خاں کو پہنچائی تو انہوں نے نہایت استقلال اور حاضر دماغی سے کام لیا۔ اپنی فوج سے للکار کر کہا کہ اے بہادرو رستم خاں نے اپنے حریف سورج مل کو شکست دیدی لیکن تم ابھی تک اپنے حریف کو مقابلہ سے نہیں ہٹا سکے ہو۔ یہ بات تمہاری غیرت افغانی سے بہت بعید ہے۔ یہ کہہ کر فی الفور اپنی پالکی کو توپ خانہ کے مقابل کر کے آگے روانہ ہوئے۔ احمد خاں کے الفاظ سنکر تمام فوج میں جوش پیدا ہو گیا اور اس نے اسحٰق خاں کی ہراول فوج کو گردبرد کر دیا۔ اسحٰق خاں بھی مقتول ہوا اور اس کے توپ خانہ پر افغانوں کا قبضہ ہو گیا۔

صفدر جنگ کی شکست فاش اور مجروح ہونا

اسی حملہ میں بندوق کی ایک گولی صفدر جنگ کی گردن پر لگی جس کے صدمہ سے وہ بے ہوش ہو گئے اور ہاتھی کے ہودہ میں گر گئے۔ صفدر جنگ کے ساتھی انہیں ہودہ میں نہ دیکھ کر ان کے مقتول ہونے کا قیاس کر کے بے تحاشا بھاگ پڑے۔ اغلب تھا کہ اس موقع پر صفدر جنگ کا ہاتھی گرفتار ہو جاتا لیکن جگت نرائن فیل بان نے بڑی پامردی کا ثبوت دیا اور ہاتھی کو اس ہنگامے سے نکال کر دہلی کی راہ لی۔ صفدر جنگ کے اس طرح چلے جانے کے بعد سورج مل نے بھی جو رستم خاں پر غالب آ گیا تھا بدحواس ہو کر راہ گریز اختیار کی۔ اس غیر متوقع اور خداداد فتح کے صورت پذیر ہونے پر احمد خاں نے میدان جنگ میں فتح کے شادیانے بجائے اور بے شمار مال غنیمت لے کر بڑی دھوم دھام کے ساتھ فرخ آباد کو واپس آئے۔ احمد خاں نے حافظ الملک کے بھیجے ہوئے جمعداروں کو جنہوں نے اس معرکہ میں بہت سعی و کوشش کی تھی۔ فیل و اسپ اور نقد و جنس مرحمت فرما کر رخصت کیا اور شکر گذاری کا ایک خط حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اب میرا ارادہ اودھ جانے کا ہے اگر آپ اپنی فوج کو خیر آباد تک جو آپ کی ریاست کی سرحد ہے روانہ فرمائیں تو عین مناسب ہوگا۔ یہ خط حافظ الملک کو ملا تو انہوں نے اس کی تعمیل میں شیخ کبیر اور پریول

خاں کی ماتحتی میں کافی فوج شاہ آباد اور خیر آباد کو روانہ کی اور ان مقامات پر اپنا قبضہ کرلیا۔ احمد خاں کچھ دنوں فرخ آباد میں قیام کرنے کے بعد پہلے الہ آباد کی تسخیر کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے جہاں ان کے بہت سے عزیز قید تھے، اور اپنے لڑکے محمود خاں کو اودھ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا جس نے لکھنؤ پر قبضہ کرلیا اور خود احمد خاں قلعہ الہ آباد کا محاصرہ کرکے اس کو فتح کرنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ خبر سن کر صفدر جنگ نے دہلی سے الہ آباد کے قلعہ دار کو لکھا کہ احمد خاں کے تمام رشتہ داروں اور غلاموں کو جو قلعہ میں مقید ہیں قتل کردے۔ قلعہ دار نے حسب الحکم ان سب بے گناہوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کردیا[1] اس واقعہ سے احمد خاں کو قلعہ الہ آباد کی تسخیر کی اور بھی کاوش بڑھ گئی لیکن چونکہ قلعہ بہت مضبوط تھا اس لئے فتح نہ ہو سکا اور محاصرے کی مدت نے بہت طول کھینچا۔ اس عرصہ میں صفدر جنگ کا زخم بھر گیا اور انہوں نے چاہا کہ احمد شاہ بادشاہ دہلی کو ہمراہ لے کر احمد خاں سے انتقام لیں۔ لیکن بادشاہ کے انکار کے باعث یہ امر صورت پذیر نہ ہوا، تب صفدر جنگ نے اپنے وکیل جگل کشور کو ملہار راؤ ہلکر اور پا سندھیا سرداران مرہٹہ کے پاس بھیجا اور زرکثیر دینا قبول کرکے ان کو اپنی مدد کے واسطے طلب کیا، ہلکر اور سندھیا عندالطلب بے شمار فوج لے کر صفدر جنگ سے اتحاد عمل کرنے کیلئے روانہ ہو گئے اور بسرعت تمام ۱۷۵۱ء میں اٹاوہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت اٹاوہ میں اعظم خاں برادر احمد خاں اور شاہ دل خاں غلزئی حاکم تھے جو مرہٹوں سے مقابلہ نہ کر سکے اور فرخ آباد روانہ ہو گئے۔ احمد خاں نے اٹاوہ پر مرہٹوں کے غلبہ کی خبر سنی تو قلعہ الہ آباد کے محاصرہ سے دستبردار ہو کر فرخ آباد کو واپس آ گئے۔ اپنے لڑکے محمود خاں کو بھی لکھنؤ سے طلب کرلیا اور دونوں باپ بیٹے مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سامان جنگ کی فراہمی میں مشغول ہو گئے۔

---

[1] گل رحمت۔

(۱۴)

حافظ الملک کی مڈبھیڑ مرہٹوں سے اور ملک میں بدامنی

صفدر جنگ کو مرہٹوں کے اٹاوہ پر قبضہ کی خبر معلوم ہوئی تو خود بھی بڑے بڑے امرائے دربار اور شاہی توپ خانہ کے ساتھ فرخ آباد کی طرف کوچ کیا۔

صفدر جنگ اور مرہٹوں کا فرخ آباد پر حملہ

احمد خاں نے جب سنا کہ صفدر جنگ اور مرہٹے دو لاکھ فوج اور ایک ہزار توپوں[۱] کے ساتھ آ رہے ہیں تو فرخ آباد میں اپنا قیام مناسب نہ جانا اور روہیل کھنڈ کو اپنی جائے پناہ خیال کر کے سامان سفر میں مشغول ہوئے اس وقت حافظ الملک بریلی میں اور نواب سعد اللہ خاں آنولہ میں قیام فرما تھے جب مرہٹہ فوج کی فرخ آباد پر حملہ کی خبر مشہور ہوئی تو نواب علی محمد خاں کا ایک چیلہ جس کا نام بہادر خاں تھا بغیر مشورہ حافظ الملک، سعد اللہ خاں کو ہمراہ لے کر بارہ ہزار فوج کے ساتھ آنولہ سے نکل کر نواب احمد خاں کی مدد کے لئے فرخ آباد کو روانہ ہو گیا۔ اس واقعہ سے مطلع ہو کر حافظ الملک آنولہ تشریف لے گئے، اور وہاں دوندے خاں اور بخشی سردار خاں وغیرہ سرداروں کو جمع کر کے مرہٹوں اور صفدر جنگ سے صلح یا لڑائی کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ اس عرصہ میں نواب سعد اللہ خاں یلغار کر کے موقعۂ جنگ پر پہنچ گئے اور مرہٹہ فوج سے جو سدِ راہ تھی جنگ کی لیکن شکست ہوئی اور بہادر خاں چیلے کے مقتول ہونے اور فوج ہمراہی کے مجروح ہونے پر معرکۂ جنگ سے واپس ہو کر آنولہ آ پہنچے۔

---

[۱] اخبار الصنادید

نواب احمد خاں کا حافظ الملک کے پاس پناہ لینا

چار روز کے بعد احمد خاں بھی بی بی صاحبہ اور دوسرے متعلقین کے ساتھ آنولہ آ گئے۔ صفدر جنگ فرخ آباد میں داخل ہوئے اور وہاں سے روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کے قصد سے گنگا کے کنارے اپنے خیمے کھڑا کرنے کا حکم دیدیا۔ جب آنولہ میں اس امر کی اطلاع ہوئی تو روہیل کھنڈ اور فرخ آباد کے جملہ سرداروں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اول اپنے اپنے متعلقین کو دامن کوہ کمایوں میں بمقام کاشی پور پہنچا دینا چاہئے اور اس کے بعد دشمن کی مدافعت اور جنگ میں مشغول ہونا چاہئے لہذا بہ عجلت تمام افغان اپنے بال بچوں کو کاشی پور پہنچانے چلے گئے اس اثناء میں یہ معلوم ہوا کہ موسم برسات کے باعث صفدر جنگ فرخ آباد میں قیام کریں گے اور گنگا کو عبور نہ کریں گے۔ اس خبر کو سن کر تمام سرداران روہیل کھنڈ اور فرخ آباد کاشی پور سے آنولہ واپس آ گئے۔ برسات ختم ہوئی تو صفدر جنگ اور مرہٹوں نے دریا عبور کرنے کے لئے کشتیاں اکٹھی کیں اور دو تین جگہ پل بنا لئے۔

صفدر جنگ اور مرہٹوں کا روہیل کھنڈ پر حملہ حافظ الملک سے جنگ

حافظ الملک غنیم کی اس پیش قدمی سے مطلع ہو کر اپنی اور احمد خاں کی فوج کو لے کر آگے بڑھے اور تقریباً پچیس ہزار مرہٹہ فوج سے جو دریا پار کر چکی تھی جنگ قراولی شروع کر دی اور پل کے قریب پہنچکر باقی مرہٹہ فوج کو دریا عبور کرنے سے روک دیا۔ مرہٹوں نے جب دیکھا کہ ان کی بقیہ فوج کا پل عبور کرنا غیر ممکن ہے تو اپنی کشتیاں چار کوس کے فاصلے پر لے گئے اور یہ قصد کیا کہ وہاں سے گذر کر بغیر جنگ و جدل روہیلوں کے صدر مقامات آنولہ اور بریلی پر حملہ کر دیں تاکہ روہیلے اپنے عیال و اموال کی حفاظت کی غرض سے آنولہ اور بریلی کی طرف رخ کریں۔ مرہٹوں کے اس اقدام کی خبر جاسوسوں کے ذریعہ روہیلوں کو ہوئی تو وہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کو مقدم جانکر بہ عجلت تمام خطرہ کے مقامات کی طرف متوجہ ہوئے اور مزید احتیاط کے طور پر اپنی فوج کو بھی باقاعدہ ترتیب دینے لگے، انہوں نے اپنے میمنہ، میسرہ، مقدمہ اور ساقہ لشکر کو مرتب کیا نیز اردو اور

قلب لشکر کو درمیان میں لے کر اپنی جائے قیام سے میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔
حافظ الملک اور احمد خاں کے کوچ کی خبر صفدر جنگ کو ملی تو فوراً دریا عبور کر کے
چالیس ہزار کی جمعیت سے ان کا تعاقب کیا اور اثناء راہ میں افغانوں کو روک کر ان پر متواتر
حملے کئے۔ لیکن افغان منتشر نہ ہوئے اور ان کی دلیری سے دشمن کی کچھ پیش نہ گئی۔ افغانوں کی
اس مضبوطی سے صفدر جنگ اور مرہٹوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ مزید تعاقب سے باز رہے اور
اپنی باقی ماندہ فوج کے انتظار میں میدان جنگ میں خیمے لگا کر مقیم ہو گئے۔ حافظ الملک اور
احمد خاں نے اس روز پانچ کوس کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے ڈالے اور دوسرے دن بدستور سابق
اپنی فوج کو ترتیب دیکر روانہ ہو گئے اور کوچ بہ کوچ کرتے ہوئے آنولہ پہنچ گئے۔ وہاں سے کل
اسباب نقد و جنس اور اہل و عیال کو ہمراہ لے کر باطمینان تمام کیفل اور چلکیا کی طرف چل دئے
وہاں پہنچ کر اپنے عیال و اموال کو محفوظ کیا اور مستحکم مورچے لگائے۔ چلکیا پانچ کوس اونچا کوہ
کمایوں پر ایک موضع تھا جس کے دامن میں ہولناک جنگل تھا۔ اس جنگل میں بکثرت گھنے درختوں
کے علاوہ ندی نالوں کی اس قدر کثرت تھی کہ ان سے کسی فوج کا گذر قریب قریب ناممکن تھا صفدر
جنگ اور ملہار راؤ ہلکر اپنی فوج کے جمع ہو جانے کے بعد جس کی تعداد اس وقت ایک لاکھ تیس
ہزار تھی میدان جنگ میں سات روز قیام کرنے کے بعد افغانی لشکر کے تعاقب میں روانہ ہوئے
اور اثناء راہ میں آنولہ۔ بریلی اور مرادآباد میں اپنے تھانے قائم کرتے ہوئے چلکیا کے نواح
میں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر ایک حصار قائم کیا اور افغانوں کے شب خون کے خوف سے اپنے
لشکر کے گرد توپ خانہ لگا کر چار مہینے اس قلعۂ آتشین کے اندر بحفاظت تمام اپنا وقت صرف
کر دیا۔ اس عرصہ میں دونوں طرف کے بہادر لوگ روزانہ حملے کرتے تھے اور ہر جنگ
میں افغان پیادے فوج کے مخالف سواروں پر غالب آجاتے تھے۔ جب محاصرے نے طول
پکڑا تو افغانوں کے لشکر میں غلہ کی قلت محسوس ہونے لگی جب یہ قلت تکلیف کی حد
تک پہنچی تو حافظ الملک نے غلہ کی بہم رسانی کی بابت الموڑے کے راجہ کو لکھا جس نے

ہزاروں پہاڑیوں کے سروں پر غلہ رکھوا کر افغانی لشکر میں روانہ کر دیا۔ پٹھانوں نے اس غلّہ کو من و سلویٰ تصور کیا اور غلہ کی بہم رسانی سے افغان فوج اس قابل ہو گئی کہ برسوں غنیم کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ لیکن اختلاف آب و ہوا کی وجہ سے ملہار راؤ کے لشکر میں شدت کے ساتھ وبا پھیل گئی۔ اس حادثۂ جاں گزا کے وقوع سے ملہار راؤ محاصرے سے دل برداشتہ ہو گیا اور اس بات کا خواہاں ہوا کہ کسی حیلہ سے اس جنگل سے باہر نکل جائے۔ صفدر جنگ بھی احمد شاہ درانی کی آمد آمد کی خبر سُن کر جو اس وقت لاہور تک آ گئے تھے اس محاصرے سے دل تنگ ہو گئے اور چاہا کہ افغانوں سے صلح کر کے دہلی واپس چلے جائیں۔ جب صفدر جنگ اور ملہار راؤ دونوں مصالحت کے خیال پر متفق ہو گئے تو علی قلی خاں کو سفیر بنا کر حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا اور پیام دیا کہ :۔

"صفدر جنگ کا مقصد اس جنگ سے آپ لوگوں کی بیخ کنی نہیں ہے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے ساتھ اتحاد اور معاونتِ یکدگر کا ایک معاہدہ کر لیں۔ لہٰذا آپ لوگ کیوں محصور ہونے کی تکلیف اٹھا رہے ہیں[1]"

جنگ کے بعد صلح

حافظ الملک اور نواب احمد خاں نے سفیر مذکور سے مصالحت آمیز باتیں کیں اور شرائط صلح کی تکمیل کی غرض سے حافظ الملک اور محمود خاں ابن نواب احمد خاں صفدر جنگ کے کیمپ کو روانہ ہوئے، وہاں پہنچکر ملہار راؤ کے خیمہ میں اترے، ملہار راؤ نے ان کا اعزازنہ واستقبال کیا اور سب اکٹھے ہو کر صفدر جنگ کے ڈیرے میں گئے۔ صفدر جنگ نے اپنے معتمد امراء کو ان کے استقبال کے واسطے بھیجا اور خود بھی خیمہ کے دروازے تک آ کر حافظ الملک اور محمود خاں سے معانقہ کیا اور دونوں کو اپنے قریب مسند پر بٹھا کر محبت آمیز باتیں کرنے لگے۔ ایک پہر تک یہ صحبت جاری رہی۔ بالآخر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ صفدر جنگ کو پچاس

---

[1] گل رحمت

لاکھ روپیہ بطور خرچہ جنگ روہیلوں کی جانب سے ادا کیا جائے اور پانچ لاکھ روپیہ سالانہ شاہی خراج ادا کیا جائے۔ اس کے بعد حافظ الملک اور محمود خاں صفدر جنگ اور ملہار راؤ سے رخصت ہو کر اپنی جائے قیام پر واپس آئے اور نواب احمد خاں اور دوسرے سرداروں کو گفتگوئے مصالحت سے مطلع کیا۔ صفدر جنگ کا مہری عہد نامہ بھی کھول کر دکھایا، تمام لوگ صلح پر رضامند ہو گئے اور عہد نامہ پر دستخط کر دئے۔ دوسرے روز حافظ الملک نے صفدر جنگ سے دوبارہ ملاقات کی اور دستخطی عہد نامہ کو واپس کیا جسے صفدر جنگ نے مرہٹوں کے سپرد کر دیا، تاکہ فوج کشی کے وقت جس قدر رقم کا انہوں نے مرہٹوں سے وعدہ کیا تھا اس کے کچھ حصہ کی اس طرح ادائگی ہو جائے[1]۔ بعد ازاں حافظ الملک نے لشکر کے کوچ کرنے کے بارے میں بات چیت کی۔ صفدر جنگ نے کہا کہ میں کل اس جگہ سے اودھ کو روانہ ہو جاؤں گا اور آپ کو بھی شاہجہاں پور تک اپنے ہمراہ لیجانا چاہتا ہوں تاکہ اس عرصہ میں آپ سے مجالست رہے۔ نواب احمد خاں اور دوسرے سرداران روہیل کھنڈ کو میرے لشکر سے دو تین منزل بعد اپنے اپنے وطنوں کو جانا چاہئے۔ حافظ الملک نے ان باتوں کو منظور کر لیا اور اپنے ڈیرے میں واپس آئے۔ دوسرے روز صبح کو چار سو مردمردانہ کے ساتھ حافظ الملک صفدر جنگ کے لشکر میں پہنچ گئے اور وہاں سے ان کے ہمراہ اودھ کی جانب روانہ ہوئے۔ صفدر جنگ کے کوچ کرنے کے بعد نواب احمد خاں مع بی بی صاحبہ اور دوسرے سرداران روہیل کھنڈ بھی چلکیا سے نکل کر اپنے اپنے مقامات کو روانہ ہو گئے۔

حافظ الملک اور صفدر جنگ کے درمیان تجدید تعلقات

صفدر جنگ دوران سفر میں ہر روز دونوں وقت حافظ الملک کے واسطے مکلّف کھانے بھیجتے تھے اکثر اوقات ساتھ کھانا تناول کرتے اور نہایت گرم جوشی کا برتاؤ کرتے تھے کئی مرتبہ فرمایا کہ:۔

---

[1] اے مینگز اینڈ دی روہیلہ وار

"میں نے ولایت افغان کے لوگوں میں سے کبھی کوئی شخص اس لیاقت اور فہمید کا نہیں دیکھا۔"[۱]

جب شاہجہاں پور پہنچے تو حافظ الملک نے صفدر جنگ سے رخصت طلب کی لیکن صفدر جنگ نے بہ اصرار تمام ان کو چند روز اپنے ساتھ بطور مہمان رکھا اور پہلے سے صد چند زیادہ الطاف و عنایات سے پیش آنے لگے، جب بات کرتے تو حافظ الملک کو لفظ برادر سے مخاطب کرتے۔ چنانچہ اس کے بعد نامہ و پیام ہوئے تو ان میں بھی اسی لقب سے مخاطب کیا۔ صفدر جنگ کا لشکر قفبئہ موہان میں پہنچا تو بہت سی گفت و شنید کے بعد حافظ الملک کو رخصت کیا۔ اور بوقت رخصت خلعت گراں بہا، مالائے مروارید، جیغہ، بیش قیمت سرپیچ، شمشیر و سپر اسپ مع زین نقرہ، فیل مع ساز نقرہ اور زر بفت کی جھول کے عطا کیا۔ ساتھ ہی سند پرگنہ سنبھل وغیرہ احمد شاہ بادشاہ کی طرف سے اور سند جاگیر متعلقہ پرم نگر اپنی جانب سے حافظ الملک کو عنایت کی۔ حافظ الملک ان عنایات سے بہت ممنون و مشکور ہوئے اور صفدر جنگ سے از سر نو تجدید تعلقات کر کے اوائل ۱۷۵۲ء میں روہیل کھنڈ تشریف لے آئے۔

مرہٹوں کے حملہ کی وجہ سے روہیل کھنڈ میں عام تباہی

اس وقت نہایت اہم کام جو ان کے پیش نظر تھا وہ اپنا ملکی نظم و نسق تھا۔ کیونکہ مرہٹوں نے تمام روہیل کھنڈ کو تاخت تاراج کر دیا تھا اور ملک میں عام بربادی پھیلی ہوئی تھی۔ مؤلف عماد السعادت لکھتا ہے کہ:-

"پٹھانوں کی لوٹ میں مرہٹوں کے ہاتھ دو کروڑ روپے لگے۔"

۱۔ گل رحمت

(۱۵)

سرداران روہیلہ پر تقسیم ملک اور حافظ الملک کی سیاسی غلطی

مرہٹوں کی تاخت و تاراج سے روہیلوں پر ایسی تباہی آئی تھی کہ مستقبلِ قریب میں خوش حالی تو کجا حکومت کا خرچ پورا ہونے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی تھی اس لئے مجبوراً حافظ الملک نے بڑے بڑے رسالداروں اور سرداروں پر علاقہ تقسیم کر کے ان کی جائداد قرار دیدیا تاکہ ہر ایک سردار اپنی جائداد کی آمدنی سے اپنی سپاہ متعلقہ کا خرچ چلائے۔

پہلی تقسیم چنانچہ مراد آباد، سنبھل اور کاشی پور وغیرہ دوندے خاں کو دے گئے، جن کے پاس بارہ ہزار سوار و پیادے تھے۔ کوٹ وغیرہ آنولہ کے مضافات بخشی سردار خاں کے سپرد کئے اور اسی طرح تھوڑا تھوڑا حصہ ملک فتح خاں خانساماں، شیخ کبیر اور ملا محسن وغیرہ رسالداروں اور جمعداروں کو ان کی سپاہ کے مصارف کے مطابق دیا گیا۔ باقی تمام ملک حافظ الملک نے اپنے ساتھ کی سپاہ کی تنخواہ دینے اور تمام ریاست کا خرچ چلانے کے لئے اپنے تصرف میں رکھا۔ نواب سعد اللہ خاں اور ان کے تین چھوٹے بھائیوں محمد یار خاں۔ الہ یار خاں اور مرتضیٰ خاں کے ذاتی مصارف کے لئے سات لاکھ روپیہ سالانہ اور ایک معقول جاگیر مقرر کی۔ نواب سعد اللہ خاں اور ان کے بھائیوں کے اس ذاتی مشاہرہ پر چونکہ اخراجات ریاست اور مصارف فوج کا کوئی بار نہ تھا اس لئے وہ سب سے زیادہ نفع میں رہے۔ حافظ الملک کے مذکورۂ بالا عطیات عظمیٰ سے تمام لوگ مطمئن اور خوش و خرم ہو گئے۔ لیکن حافظ الملک کا یہ انتظام ایک زبردست اور ناقابل تلافی سیاسی غلطی تھی جو آگے چل کر زوال حکومت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ کاش حافظ

صاحب نواب علی محمد خاں کی اس وصیت کو نظر انداز نہ فرماتے کہ:۔

"جو لوگ امر حکومت کو چند لوگوں کے سپرد کر دیا کرتے ہیں اپنی جمعیت کی بنا میں خلل اور تزلزل ڈال دیتے ہیں"

چنانچہ آئندہ پیش آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا کہ جس وقت تک حافظ الملک کے معتمد یاران قدیم اور ساتھی ان عطا کردہ جاگیروں پر قابض رہے۔ انہوں نے کبھی حافظ الملک کی اطاعت گزاری اور ان سے اتحاد عمل میں پہلو تہی نہیں کی لیکن جب ان پرانے سرداروں کا انتقال ہو گیا تو ان کے خود سر جانشینوں نے اپنے بوڑھے آقا اور ولی نعمت حافظ الملک کی فرمانبرداری سے سرتابی کی راہ اختیار کر لی اور آزاد و خود مختار ہونے کی تباہ کن کوشش میں اپنی قوم کو تباہ اور اپنے ملک کو طعمۂ اغیار بنا دیا۔

عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی قید سے رہائی۔ دوسری تقسیم

ہم لکھ چکے ہیں کہ احمد شاہ درانی نے ۱۷۴۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا اور ولایت کو واپس ہوتے وقت قلعہ سرہند سے عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں پسران نواب علی محمد خاں کو اپنے ہمراہ قید کر کے قندھار لے گئے تھے اور جب سے یہ لوگ شاہ درانی کے پاس تھے۔ حافظ الملک ہمیشہ ان کی رہائی کے لئے احمد شاہ درانی کی خدمت میں درخواستیں بھیجتے رہے۔ اس سال یعنی اواخر ۱۷۵۲ء میں جب احمد شاہ درانی دوبارہ ہندوستان پر حملہ آور ہو کر لاہور تک آئے تو ان ایام میں حافظ الملک نے اپنی اطاعت گزاری اور عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی رہائی کے بارے میں ایک تازہ درخواست شاہ درانی کی خدمت میں ارسال کی۔ چونکہ شاہ موصوف عنقریب پھر ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور ان کو روہیلوں کی امداد کی ضرورت تھی اس لئے ان کو ممنون و شکر گزار کرنے کے لئے انہوں نے اس مرتبہ حافظ الملک کی درخواست منظور فرمالی اور عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو روہیل کھنڈ واپس جانے کی اجازت دیدی۔

عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی رہائی کی مذکورۂ بالا وجہ بالکل قرین قیاس معلوم

ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں مؤلف فرح بخش کی بیان کردہ یہ وجہ رہائی دور از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ :-

"شاہ درانی نے محض نواب علی خاں کے انتقال کی خبر سن کر بعض مصاحبوں کی سفارش سے ان دونوں بھائیوں کو رخصت کر دیا"

کیونکہ جس وقت عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں عازم ہندوستان ہوئے ہیں تو نواب علی محمد خاں کے انتقال کو تین سال گزر چکے تھے اور اس قدر طویل مدت تک اس واقعہ کی خبر قندھار تک نہ پہنچنا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ شاہ درانی نے نواب علی محمد خاں کے لڑکوں کو محض اس وجہ سے رہائی دی کہ ان کے اس فعل سے روہیلوں سے دوستی کا ایک ذریعہ پیدا ہوتا تھا جس کی انہیں بہت عرصہ سے خواہش تھی۔ چنانچہ ہمیں یاد ہے کہ اپنے پہلے حملہ کے موقع پر بھی احمد شاہ درانی نے نواب علی محمد خاں سے امداد طلب کی تھی اور اس کے بدلے میں وزارت ہندوستان کا وعدہ کیا تھا۔ الغرض عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں دونوں بھائی شہر میں داخل ہوئے تو ان کی آمد کی خبر سن کر حافظ الملک اور نواب سعداللہ خاں ایک معقول لشکر کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ قصبہ امروہہ کے پاس ملاقات ہوئی اور سب لوگ خوشی خوشی ان کو دارالحکومت آنولہ میں لائے۔

عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں آنولہ پہنچے تو عبداللہ خاں جو سب بھائیوں میں بڑے تھے یہ دیکھکر آتش حسد سے بھڑک اٹھے کہ ان کے ایک چھوٹے بھائی نواب سعداللہ خاں باپ کے جانشین بنے ہوئے ہیں۔ حافظ الملک نے ان کے یہ جذبات دیکھکر ان کی نہایت دلداری کی اور ان کے حق میں بہت کچھ مراعات ملحوظ رکھیں، لیکن عبداللہ خاں مطمئن نہ ہوئے اور اپنے ایک مصاحب قطب شاہ کے اغوا سے جو بڑا متفنی شخص تھا اور جو دوران سفر میں پنجاب سے عبداللہ خاں کا رفیق بن گیا تھا۔ ریاست کے لالچ میں ایسی ایسی حرکتیں کرنی شروع کیں جن سے ان کی تمام دوسرے بھائیوں سے ناچاقی ہو گئی۔ آپس کا نزاع روز بروز بڑھنے

لگا، اور دشمنی اس درجہ بڑھی کہ ہر ایک ایک دوسرے کی بے حرمتی کی فکر کرنے لگا۔ حافظ الملک نے یہ کیفیت دیکھ کر بہت کوشش کی کہ سب بھائی اتحاد و اتفاق سے رہیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر ایک روز دوندے خاں، بخشی سردار خاں، فتح خاں خانساماں، عبدالستار خاں، سید احمد شاہ، سید معصوم شاہ، قطب شاہ، بڈو خاں، شیخ کبیر، ملا محسن خاں، بہلول خاں، مبارز خاں، دیوان مان رائے اور راجہ کنور سین بخشی کو اس صورت حال پر مشورہ کرنے کے لئے طلب کیا اور سب لوگوں نے اولاً تو اس امر پر غور کیا کہ سب بھائیوں میں کسی طرح میل ہو جائے اور جہاں تک ہو سکے ریاست تقسیم ہو کر برباد نہ ہو۔ لیکن جب یہ صورت ناقابل عمل ثابت ہوئی تو سب بھائیوں پر ریاست تقسیم کر دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ تقسیم کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ریاست کے تین حصے کر کے ایک ایک حصہ عبداللہ خاں، فیض اللہ خاں اور سعد اللہ خاں کو دیا گیا۔ چونکہ یہ تینوں بھائی اب جوان تھے اس لئے ان بڑے بھائیوں کی سرپرستی میں ان کے ایک ایک ایسے چھوٹے بھائی کو بھی سپرد کیا گیا جو کمسنی کے باعث علیحدہ علیحدہ ریاستیں حاصل کرنے کے لائق نہ تھے۔ اس طریقہ کار پر تمام بھائیوں اور سرداروں کا اتفاق ہو گیا۔ تو حافظ الملک نے بکمال فراخ دلی اور ایثار۔ آنولہ۔ سہونہ۔ بدایوں۔ اوسہت اور کوٹ وغیرہ ۱۳ لاکھ روپیہ کی آمدنی کا علاقہ نواب عبداللہ خاں کو دیا اور مرتضیٰ خاں کو تربیت کے لئے ان کے سپرد کیا۔ بریلی اور اہرات وغیرہ کا علاقہ نواب فیض اللہ خاں کو دیا اور محمد یار خاں کو ان کے ساتھ کیا اور مراد آباد وغیرہ کا تیرہ ۱۳ لاکھ روپیہ کا علاقہ نواب سعد اللہ خاں کو دیا اور صاحبزادہ الہ یار خاں کو ان کا شریک کیا۔ یہ تقسیم اس وقت تمام بھائیوں کی رضامندی سے ہوئی اور سب نے آئندہ اس سے انحراف نہ کرنے کا ایک اقرار نامہ لکھ دیا جس پر تمام سرداروں نے بھی اپنی مہریں ثبت کیں اور دستخط کئے۔[1]

---

[1] فرح بخش۔ منقول از اخبار الصنادید

اس کے بعد نواب سعد اللہ خاں مراد آباد کو روانہ ہو گئے اور وہاں راجہ کنور سین کی عالی شان حویلی میں اترے اور نواب فیض اللہ خاں اور نواب عبد اللہ خاں آنولہ میں نواب علی محمد خاں کے قلعہ میں رہنے لگے۔ نواب سعد اللہ خاں کے مراد آباد چلے جانے اور عبد اللہ خاں کے دار الحکومت آنولہ میں قیام پذیر ہونے کے یہ معنے ہوئے کہ اس موقع پر نواب سعد اللہ خاں اپنے والد کی جانشینی سے بھی دستبردار ہو گئے اور مسند حکومت روہیل کھنڈ نواب عبد اللہ خاں کے لئے خالی کر دی۔

مذکورہ بالا تقسیم اور انتظام حکومت پر حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے تمام مخالف مورخین مثل سر جان اسٹریچی اور مولوی نجم الغنی خاں رام پوری وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ:۔

"حافظ رحمت خاں کو اپنی حکومت اور اقتدار کا برباد کرنا بخوشی خاطر منظور نہ تھا، مگر مجبوراً مصلحت وقت کا لحاظ کرنا ضرور تھا اس واسطے ریاست کی تقسیم جان بوجھ کر اس طریق سے کی گئی کہ انجام کار نقض و فساد برپا ہو اور حکومت آخر کار حافظ صاحب ہی کے ہاتھ میں رہے، یعنی تمام علاقہ کے تین حصے کر کے ایک ایک حصہ دو دو بھائیوں کے قبضہ میں سپرد کیا گیا۔"

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حافظ الملک نے از خود کوشش کر کے عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو احمد شاہ درانی کی قید سے رہائی دلا کر روہیل کھنڈ میں بلایا تھا۔ جو اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ ان بھائیوں کے دل سے خیر طلب تھے اور یہ چاہتے تھے کہ وہ آئیں اور کسی ایک بھائی کی سرداری پر اتفاق کر کے حکومت روہیل کھنڈ میں حصہ لیں۔ ذاتی اقتدار اور ذاتی حکومت کی انہیں نہ اس وقت ہوس تھی جب انہوں نے سرداری کی پگڑی اپنے سر سے اتار کر سعد اللہ خاں کے سر پر رکھدی تھی اور نہ اب تھی جبکہ ان کا آفتاب اقبال نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا اور تمام روہیلہ قوم اور چھوٹے بڑے سردار اُن کے ایک اشارے پر جان دے سکتے تھے۔ تاہم حافظ الملک نے ریاست کو نواب علی محمد خاں کی اولاد پر تقسیم کیا اور اپنے مرحوم

دوست کی اولاد سے اپنے مربیانہ تعلقات اور مخلصانہ محبت کا ثبوت دیدیا۔ رہا یہ امر کہ حافظ الملک نے ملک کے تین ٹکڑے کیوں کئے اور دو دو بھائیوں کو یکجائی ریاست کیوں دی جس سے آئندہ فساد برپا ہوا تو اس کو ان کی ایک نادانستہ سیاسی غلطی سے تو تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن حافظ الملک جیسی وفاشعار ہستی کی کسی بدنیتی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ نواب علی محمد خاں کی اولاد میں نااتفاقی اس تقسیم سے قبل ہی پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے اگر بعد کو بھی آپس میں جنگ ہوئی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ دو دو بھائیوں کو یکجا کرنے کی وجہ بھی ہم لکھ چکے ہیں کہ محض تین بھائیوں کی صغر سنی کی وجہ سے ان کو ایک بڑے بھائی کی سرپرستی میں دینا منظور تھا، افسوس ہے کہ بعض مورخین نے اپنے مخصوص نقطۂ نظر کو تقویت دینے کے لئے حافظ الملک کے بکثرت بے خطا کاموں پر بغیر کسی ثبوت کے بدنیتی کے الزامات تراش دئے ہیں تاکہ ان کے کیرکٹر کا استخفاف ہو اور آئندہ نسلوں کی نظر میں ان کی وہ شخصیت نہ قائم ہوسکے جس کے وہ مستحق تھے لیکن حق دبانے سے نہیں دبتا ہے۔ حق ناشناس مورخین جو چاہیں لکھیں، عوام الناس کی نظر میں اب بھی حافظ الملک کی وہی حیثیت ہے جو اب سے تقریباً دو سو سال پہلے تھی اور سرزمین روہیل کھنڈ میں آج بھی گھر گھر ان کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے[۱]؎

گر نہ بیند بروز شپّرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں میں نااتفاقی حافظ الملک کو قتل کرنے کی کوشش ملک کی تیسری تقسیم

نواب عبداللہ خاں مسند حکومت پر متمکن ہوئے تو تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی سخت گیری اور بدمزاجی سے اپنے متعلقین اور سرداران قوم کے دلوں میں ناسور ڈال دئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اور ان کے شریک ریاست بھائی مرتضیٰ خاں کے رفیق اور مصاحبوں میں آئے دن فساد ہونے لگے۔ شہر کے گلی کوچوں میں ہر روز خانہ جنگیاں ہوتی تھیں اور شہر کا بازار اکثر لوٹ لیا جاتا تھا۔ اسی طرح نواب عبداللہ خاں کو اپنے بھائی نواب

[۱] اخبار الصنادید مطبوعہ ۱۹۱۶ء

فیض اللہ خاں سے قلبی عداوت تھی جو کسی نوع سے ان کے شریک جائداد بھی نہ تھے۔ ایک روز رات کے وقت اپنے ملازموں کو ساتھ لے کر فیض اللہ خاں کے قتل کے ارادے سے ان کے مکان پر چڑھ دوڑے۔ فیض اللہ خاں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سراسیمہ اور پریشان ہو گئے اور دادرسی کے لئے حافظ الملک کی دولت سرا پر آئے۔ اس وقت حافظ الملک نماز تہجد میں مشغول تھے کہ فیض اللہ خاں نے مضطربانہ آواز دی۔ حافظ صاحب نے اپنے ملازم خاص جوگا خاں کو تفتیش حال کے لئے باہر بھیجا۔ جب معلوم ہوا کہ فیض اللہ خاں ہیں تو فوراً اپنے پاس بلا لیا اور ہر قسم کی تسلی و تشفی کر کے ان کو اپنے پاس ٹھہرا لیا۔

نواب عبداللہ خاں حافظ الملک کے بھی دشمن ہو گئے کیونکہ انہوں نے محسوس کیا کہ جب تک حافظ الملک زندہ ہیں اس وقت تک من مانی کارروائیاں کرنے میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ کئی مرتبہ زہر آلودہ کھانا حافظ الملک کے واسطے بھیجا، جس کو انہوں نے ہر مرتبہ علم ہو جانے کی وجہ سے زمین میں دفن کرا دیا۔ جب زہر سے حافظ الملک کو ہلاک کرانے میں کامیابی نہ ہوئی تو ایک روز کچھ لوگوں کو ان کے قتل پر مستعد کر کے اپنے مکان میں پردوں کے پیچھے بٹھا دیا۔ اور حافظ الملک کو کسی امر میں مشورہ کے لئے تنہا اپنے پاس بلایا۔ چونکہ حافظ الملک عبداللہ خاں کی طرف سے بدگمان تھے اس لئے تنہا نہ گئے بلکہ اپنے ہمراہ چند ملازموں کے علاوہ دوندے خاں، عبدالستار خاں اور فتح خاں خانساماں کو بھی لے گئے۔ جب عبداللہ خاں کے صحن خانہ میں پہنچے تو دیکھا کہ چند مسلح لوگ دالان کے پردوں کے پیچھے سے نکل کر گھبراہٹ کی حالت میں بالاخانہ پر جہاں عبداللہ خاں بیٹھے تھے گئے۔ حافظ الملک اس امر کو مشاہدہ کرنے کے بعد عبداللہ خاں سے ملاقات کئے بغیر اپنے مکان کو واپس چلے آئے اور تمام ارکان دولت سے مشورہ کرنے کے بعد عبداللہ خاں کو کہلا بھیجا تھا کہ تمہارا اس ملک میں رہنا چونکہ فتنہ و فساد کا باعث ہے اس لئے یہاں سے چلے جاؤ۔ عبداللہ خاں اپنی حرکت پر نادم و پشیمان ہوئے اور کچھ سوچ سمجھ کر روہیل کھنڈ سے باہر چلے گئے۔ پانچ مہینے تک پریشان و سرگرداں ادھر ادھر پھرتے

رہے۔ آخر کار نواب احمد خاں بنگش والئی فرخ آباد کے پاس چلے گئے اور ان کے سامنے اپنی تقصیرات کا اعتراف کرکے التجا کی کہ وہ حافظ الملک سے ان کی صفائی کرادیں۔ نواب احمد خاں نے مکرر سہ کرر حافظ الملک کو لکھا اور بدقت ان کے "تکدر" مزاج کو رفع کیا حتی کہ حافظ الملک نے عبداللہ خاں کو اپنے پاس طلب کرلیا۔ نواب عبداللہ خاں فرخ آباد سے آنولہ روانہ ہوگئے وہاں پہنچکر انھوں نے حافظ الملک سے ملاقات کی اور اپنی پچھلی خطاؤں پر معذرت خواہ ہوئے حافظ الملک نے ان کی بہت دلجوئی کی اور ضلع بدایوں میں سہسوان اور اجھیانی وغیرہ کی جاگیر عطا کردی۔ عبداللہ خاں سے یہ معاملہ کرنے کے بعد حافظ الملک نے فیض اللہ خاں اور سعداللہ خاں کے معاملات میں بھی تبدیلی کی ضرورت محسوس کی اور فیض اللہ خاں کو شاہ آباد، رام پور اور بریلی میں چھاچھٹ کا علاقہ مرحمت کیا۔ سعداللہ خاں کو جو انہیں سب بھائیوں سے زیادہ عزیز تھے مرادآباد سے دارالحکومت آنولہ میں واپس بلالیا اور ان پر بدستور سابق ان کی پرانی جاگیر اور آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ بحال کردئے۔ یہ تیسری تقسیم ملکی ۱۷۵۴ء میں واقع ہوئی۔

تیسری تقسیم کے بعد حافظ الملک کی آنولہ سے ترک سکونت بریلی کو دارالحکومت بنانا

مذکورہ بالا تقسیم سے قبل حافظ الملک بالخصوص اور دوسرے سرداران روہیلہ بالعموم خاص دارالحکومت آنولہ میں مقیم رہتے تھے، کبھی کبھی اپنی جاگیروں میں تحصیل وغیرہ کی وصولی کی غرض سے چلے جاتے تھے، لیکن اب قریب قریب ہر ایک نے آنولہ کی سکونت ترک کردی چنانچہ عبداللہ خاں اجھیانی میں اور نواب سعداللہ خاں بمقام اتر چھینڈی میں کہ آنولہ سے مشرق کی طرف دو تین کوس پر ہے، دریائے ارل کے کنارے عمارات بنوا کر رہنے لگے، دوندے خان نے اپنی جائے قیام بسولی مقرر کرکے وہاں کے پرانے قلعہ کو درست کرایا جو اب تک موجود ہے بسولی ابتدا میں ایک گاؤں تھا۔ دوندے خاں کی سکونت کی وجہ سے ایک بڑا قصبہ ہوگیا۔ دوندے خاں نے قلعہ کے علاوہ پختہ عمارتیں۔ بازار، مسجدیں اور بہت سے حمام بھی تیار کرائے۔ فتح خاں خانساماں نے اسہت میں ایک قلعہ بنوایا۔ کبھی کبھی بدایوں بھی چلے جاتے

تھے۔ بخشی سردار خاں آنولہ میں مقیم رہے۔ نواب فیض اللہ خاں بریلی میں قلعہ کے دروازے کے پاس عمارتیں بنوا کر رہنے لگے[1] اور کچھ عرصہ کے بعد شاہ آباد چلے گئے۔ حافظ الملک نے بھی بریلی کو اپنا دارالحکومت مقرر کر کے اپنی ایک بیوی اور بڑے لڑکے عنایت خاں کو وہاں کے قلعہ میں مقیم کیا۔ دوسری بیویوں اور اپنے متعلقین کو پیلی بھیت روانہ کر دیا اور پیلی بھیت کا نام حافظ آباد رکھ کر اس میں ایک بہت بڑی محل سرائے، دیوان عام اور دیوان خاص بنوایا اور ایک عالی شان جامع مسجد تعمیر کرائی۔

---

[1] بریلی میں نواب فیض اللہ خاں کے مکانات اب نواب خواجو میاں صاحب مرحوم کے اہلِ خاندان کے پاس ہیں

(۱۶) سیاسیاتِ دہلی میں حافظ الملک کا حصّہ

جس زمانے میں حافظ الملک اپنے مقبوضات کے اندرونی انتظامات میں مشغول تھے دارالسلطنت دہلی میں عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ اس ہنگامہ کی وجہ یہ ہوئی کہ صفدر جنگ روہیل کھنڈ کی مہم سے فارغ ہوکر دہلی پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ جاوید خاں خواجہ سرا نے دربار شاہی میں بڑا اقتدار حاصل کرلیا ہے اور اس پر احمد شاہ بادشاہ اور ان کی والدہ صاحبہ نعمانیہ بے حد مہرباں ہیں چنانچہ صفدر جنگ کے دل میں آتش حسد مشتعل ہوگئی اور انہوں نے جاوید خاں کے تمام احسانات کو فراموش کر کے اس کو ایک روز دعوت کے بہانے سے اپنے مکان پر بلایا اور تہہ خانہ میں لے جاکر قتل کر دیا۔ احمد شاہ بادشاہ صفدر جنگ کے اس فعل سے سخت ناراض و برہم ہوئے اور غازی الدین خاں[1] عماد الملک کو قلمدان وزارت عطا کر دیا صفدر جنگ نے اپنے خلاف بادشاہ کی برہمی مزاج کو روز بروز بڑھتے دیکھ کر شہر میں اپنا رہنا مناسب نہ جانا اور شہر سے باہر خیمے ایستادہ کر کے مصالحت کی کوشش کرنے لگے۔ جب یہ کوشش ناکام ہوئی تو جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ غازی الدین خاں عماد الملک نے بھی مقابلہ کی تیاری کی اور آخر کار لڑائی شروع ہو گئی۔

صفدر جنگ کی بادشاہ سے بغاوت حافظ الملک کا چالیس ہزار فوج لے کر دہلی کی طرف جانا

لیکن چند ہی روز بعد صفدر جنگ نے محسوس کیا کہ افواج بادشاہی سے مقابلہ کر کے فتحیاب ہونا انکی طاقت سے باہر ہے۔ اس لئے ایک خط حافظ الملک کی

---

[1] غازی الدین خاں چین قلیچ خاں آصف جاہ بانی ریاست حیدرآباد دکن کے پوتے تھے ان کا اصلی نام شہاب الدین تھا۔ (مولانا اکبر شاہ خاں)

خدمت میں اس عہد و پیمان کی بناء پر جو حال ہی میں ان کے درمیان ہوا تھا الغرض امداد ارسال کیا۔ حافظ الملک عہد و پیمان کے بہت پابند تھے۔ فوراً بلاپس وپیش چالیس ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہو گئے جب ہاپوڑ کے قریب پہنچے اور ان کی آمد آمد کی خبر دہلی میں مشتہر ہوئی تو بادشاہ نے میر مناقب۔ راجہ دیبی دت اور بسنت خاں خواجہ سرا کے ہاتھ ایک فرمان حافظ الملک کے پاس بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ :۔

"تم ہمیشہ سے بادشاہ دہلی کے مطیع و فرمانبردار رہے ہو اس لئے اب کہ صفدر جنگ نے ہمارے حضور میں سرکشی کی ہے اور گستاخیاں ظاہر کی ہیں۔ تم کو چاہئے کہ ہماری خدمت میں حاضر ہو کر اس کی تنبیہہ عمل میں لاؤ تاکہ اس حسن خدمت کے صلہ میں تم پر ہماری عنایات مبذول ہوں[1]"

حافظ الملک نے اس فرمان شاہی کے پہنچنے پر سفیران بادشاہی کے ہاتھ یہ جواب بھیجا کہ :۔

"ہمارے اور ابو المنصور خاں صفدر جنگ کے درمیان اتفاق باہمی کا میثاق مستحکم ہو گیا ہے ہم اس کو نہیں توڑ سکتے"

اس جواب کے روانہ کرنے کے بعد حافظ الملک نے جواب الجواب موصول ہونے تک اپنی پیش قدمی ملتوی کر دی، چند روز کے بعد دوسرا فرمان شاہی اس مضمون کا صادر ہوا کہ :۔

"اگر تم حضور بادشاہی میں حاضر ہونا نقض عہد سمجھتے ہو تو مناسب یہ ہے کہ اپنی ریاست کو واپس چلے جاؤ اس سبب سے کہ باغی کی شرکت کرنا دین و آئین اہل اسلام کے خلاف ہے"

اس فرمان کے آنے پر حافظ الملک نے بادشاہ کے مقابلہ میں صفدر جنگ کی امداد مناسب

---

[1] گل رحمت

نہ جائیں اپنے ارادے کو فسخ کر دیا اور اس کا عذر صفدر جنگ کو لکھ کر روہیل کھنڈ واپس ہو گئے۔

حافظ الملک سے نجیب خاں کی جدائی اور ان کا عروج

حافظ الملک جس چالیس ہزار فوج کو صفدر جنگ کی امداد کی غرض سے اپنے ہمراہ لائے تھے اس میں نواب دوندے خاں کی فوج کے ایک جمعدار نجیب خاں ولد اصالت خاں عمر خیل نامی بھی سو سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ شامل تھے، جن کے ابتدائی حالات زندگی یہ ہیں کہ وہ اپنے چچا بشارت خاں کے ہمراہ اپنے وطن موضع مانارئی سے جو پشاور سے پچیس کوس کے فاصلہ پر اٹک پار واقع ہے روانہ ہو کر دیگر گیارہ آدمیوں کے ساتھ چند سال قبل وارد ہندوستان ہوئے تھے، نواب علی محمد خاں کو جب دوبارہ دہلی سے سرہند کی صوبہ داری عطا ہوئی تھی تو ان کی فوج میں نجیب خاں بھی تھے جن کی مردانگی اور شجاعت کے جوہر دیکھ کر نواب صاحب کے شریک کار نواب دوندے خاں نے اپنے دستہ فوج میں ان کو جمعداری کے عہدہ پر فائز کیا اور جب کٹھیر (روہیل کھنڈ) واپسی ہوئی تو سو آدمیوں کا افسر مقرر کر کے پرگنہ دارانگر جاگیر میں دیدیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوندے خاں نے نجیب خاں کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی بھی کر دی[1]۔ اور ۱۳ محال ضلع بجنور نیز پرگنہ جلال آباد جاگیر میں دلوا دیا۔ نجیب خاں نے دوندے خاں کی ماتحتی میں حافظ الملک کے ساتھ اکثر لڑائیوں میں حصّہ لیا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی گو دوندے خاں بعض مجبوریوں کے باعث حافظ الملک کی رفاقت میں نہ آسکے تھے۔ لیکن ان کی فوج کا کچھ حصّہ جس میں نجیب خاں بھی شامل تھے ان کے ہمراہ تھا۔

میر مناقب وغیرہ سفیران احمد شاہ بادشاہ کو جب حافظ الملک کی امداد حاصل نہ ہو سکی اور فیصلہ صرف اس بات پر ٹھہرا کہ حافظ الملک اپنے علاقہ کو واپس جائیں تو انہوں نے مخفی طور پر یہ کوشش کی کہ حافظ الملک کی کچھ فوج ہی ان سے علیحدہ ہو کر بادشاہ کی شریک ہو جائے لہٰذا اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے میر مناقب وغیرہ نے افغانوں کے لشکر کے

---

[1] تاریخ نجیب آباد مولفہ مولانا اکبر شاہ خان۔ اس لڑکی کا نام دُر بیگم تھا۔

رسالداروں اور جمعداروں کو طرح طرح کا لالچ دینا شروع کیا۔ لیکن حافظ الملک کے بڑے بڑے تمام رسالدار ثابت قدم رہے اور انھوں نے اپنے سردار کی منشا کے خلاف کوئی کام کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مگر نجیب خاں کا پائے استقلال ڈگمگا گیا۔ انھوں نے بادشاہ کے سفیر سے بہت سا روپیہ لے کر لشکر کے مفلس مگر جنگ جو سپاہیوں کو اپنے سے متفق کر لیا، اور حافظ الملک کی بغیر اجازت ومشورہ دہلی کو روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک نے روہیل کھنڈ پہنچکر دوندے خاں سے نجیب خاں کی اس آزادہ روی کی سخت شکایت کی لیکن دوندے خاں نے بہت سی عذر خواہی کے بعد ان کی طبیعت کو اپنی طرف سے مطمئن کر دیا۔ دہلی پہنچکر نجیب خاں میر مناقب کے توسل سے غازی الدین خاں عماد الملک اور احمد شاہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صفدر جنگ کے مقابلہ میں کئی مورچے ان کے نام مقرر ہوئے جن کو انھوں نے بہت جلد فتح کر لیا۔ چھ مہینے تک جنگ جاری رہی، دوران جنگ میں نجیب خاں کے ہاتھ سے ایسے ایسے معرکے سر ہوئے کہ بادشاہ اور امرائے دربار ان کی قدر و منزلت روز بروز زیادہ کرنے لگے۔ جب جنگ نے طول پکڑا اور صفدر جنگ زیادہ عرصہ تک تاب مقابلہ نہ لا سکے تو حضور شاہی میں معافی تقصیرات کے نجیب خاں ہی کے توسل سے خواہاں ہوئے۔ نجیب خاں نے بکمال لیاقت وہوشیاری اس کام کو انجام دیا اور بادشاہ سے صفدر جنگ کی خطائیں معاف کرا دیں۔ اس حسن خدمت کے صلہ میں بادشاہ نے نجیب خاں کو خطاب نواب نجیب الدولہ اور اضلاع بجنور، سہارنپور اور میرٹھ وغیرہ کی جاگیر سے سرفراز فرمایا۔ نجیب خاں جو اب نواب نجیب الدولہ ہو گئے کچھ عرصہ دہلی میں مقیم رہنے کے بعد اپنی نئی ریاست میں واپس آئے اور انھوں نے اجیت سنگھ ڈگیت کو مار کر ضلع مظفر نگر پر بھی قبضہ

کرلیا۔ اسی سال نواب نجیب الدولہ نے مالنی[1] ندی کے بائیں کنارے پہ ایک عمدہ اور خوش فضا مقام تلاش کر کے شہر نجیب آباد اپنے نام پر آباد کیا۔

بادشاہ سے صلح ہو جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۷۵۴ء[2] میں صفدر جنگ نے ایک دنبل کی تکلیف سے دہلی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے، ان کا مقبرہ جو ایک شاندار عمارت ہے درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ صفدر جنگ کی جگہ ان کے بڑے لڑکے شجاع الدولہ مسند آرائے حکومت اودھ ہوئے۔

بادشاہ دہلی کی معزولی ۱۷۵۴ء میں غازی الدین خاں عماد الملک وزیر سلطنت کو جب امور مملکت میں اختیار کلی حاصل ہو گیا تو انہوں نے احمد شاہ بادشاہ اور ان کی والدہ کو نابینا کر کے قید کر دیا اور عزیز الدین بن معز الدین بن بہادر شاہ بن اورنگ زیب کو قید خانہ سے نکال کر عالمگیر ثانی کے نام سے تخت پر بٹھایا۔ انہیں ایام میں معین الدین عرف میر منو گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوئے اور لاہور کی صوبہ داری جس پر وہ فائز تھے ان کی بیوی مغلانی بیگم کو تفویض ہوئی غازی الدین خاں عماد الملک کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ فوراً شاہزادہ[3] عالی گہر کو ہمراہ لے کر لاہور روانہ ہوئے اور لدھیانہ سے لاہور پہنچ کر میر منو کی بیگم کو قید کر کے قلعہ لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد عماد الملک تیس لاکھ روپیہ کے عوض لاہور کی صوبہ داری آدینہ بیگ

---

[1] یہ وہی مالنی ندی اور وہی موقع ہے جہاں وسوامتر جوگی مع اپنی لڑکی شکنتلا کے جنگل میں زندگی بسر کرتا تھا، شکنتلا نام کا ایک نہایت پرانا ناٹک ہے مشہور ہندی ڈرامہ نویس پنڈت رادھے شیام کتھا واچک بریلوی نے بھی جدید ہندی زبان میں شکنتلا ڈرامہ لکھا ہے، جو سینما کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں مقبولیت عام حاصل کر چکا ہے۔ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر سید ہادی حسن نے اس کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔

[2] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلہ وار

[3] شاہزادہ عالی گہر آئندہ شاہ عالم ثانی کے نام سے موسوم ہوئے۔

خاں کو تفویض کر کے خود مع شاہزادہ دہلی کو واپس آ گئے

احمد شاہ درانی کا تیسرا حملہ آدینہ بیگ خاں کے تسلط کی خبر جس وقت احمد شاہ درانی کو پہنچی تو یہ امران کو سخت ناگوار ہوا کیونکہ انہوں نے میر منو کو اپنی طرف سے لاہور کا صوبہ دار بنایا تھا، چنانچہ یلغار کر کے ۱۷۵۶ء میں لاہور آ پہنچے۔ اور آدینہ بیگ خاں کو بلا مقابلہ وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ لاہور کے قبضہ کے بعد شاہ درانی عماد الملک کو سزا دینے کے لئے دہلی کی طرف روانہ ہوئے اور متواتر کوچ پر کوچ کرتے ہوئے دہلی سے بیس کوس کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے ڈال دئے۔ عماد الملک اس حال سے مطلع ہوئے تو بجز اطاعت کے کوئی چارہ نہ دیکھا اور مجبوراً شاہ درانی کی خدمت میں حاضر ہو گئے، ممکن تھا کہ شاہ موصوف عماد الملک کو قتل کرا دیتے لیکن شاہ ولی خاں اپنے وزیر اعظم اور میر منو مرحوم کی بیوی کی سفارش سے جو عماد الملک کی خوش دامن بھی تھیں قصور معاف کر دیا۔ نجیب خاں بھی امرائے شاہی کے وسیلہ سے حضور شاہی میں باریاب ہو کر مورد نوازش ہوئے۔

حافظ الملک اور شاہ درانی کے تعلقات کی ابتدا جب شاہ درانی کے دہلی میں پہنچنے کی خبر حافظ الملک کو ملی تو انہوں نے نواب سعد اللہ خاں اور شاہ ولی خاں وزیر اعظم کے چچا زاد بھائی یعقوب علی خاں کو جو کچھ عرصہ سے روہیل کھنڈ میں مقیم تھے سفیر بنا کر مع پیشکش لائقہ اور تحفہ جات نادرہ بارگاہ درانی میں روانہ کیا۔ یعقوب علی خاں شاہ ولی خاں کے توسط سے حضور شاہی میں باریاب ہوئے۔ بادشاہ نے پیشکش کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا، اور حافظ الملک کے نام یہ فرمان صادر فرمایا کہ:۔

"عماد الملک کو تھوڑی سی شاہی فوج کے ساتھ صوبہ اودھ کو روانہ کیا جاتا ہے تاکہ شجاع الدولہ سے زر پیشکش وصول کریں، اگر شجاع الدولہ اس کی ادائگی میں تساہل کریں تو آپ عماد الملک کی طلبی پر ان کی مدد کے واسطے پہنچ جائیں۔"

شاہ درّانی کے حکم سے عماد الملک کی شجاع الدولہ پر چڑھائی اور حافظ الملک کے تدبّر سے صلح

اس اثناء میں عماد الملک براہ فرخ آباد اودھ کی سرحد پر پہنچ گئے۔ شجاع الدولہ بھی عماد الملک کے حملہ کی خبر سُن کر جنگ پر آمادہ ہوئے اور لکھنؤ سے اڑسٹھ میل نکل کر مقام سانڈی پالی میں اپنے ڈیرے ڈال دئے۔ چونکہ عماد الملک میں شجاع الدولہ سے تنہا لڑنے کی طاقت نہ تھی اس لئے جنگ شروع کرنے سے پہلے انہوں نے حسب قرارداد حافظ الملک کو مدد کے واسطے طلب کیا اور حافظ الملک تھوڑے عرصہ میں اپنی تمام فوج لے کر عماد الملک کے لشکر میں شامل ہوگئے جس سے جنگ کا نقشہ بالکل تبدیل ہوگیا اور اب شجاع الدولہ کا پلّہ کمزور اور عماد الملک کا پلّہ بھاری ہوگیا جس کا احساس کرکے شجاع الدولہ نے یہ تدبیر کی کہ ایک خط حافظ الملک کے نام لکھا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ:۔

"عماد الملک بہ سبب عداوت قدیم میری بربادی کے درپے ہے اور کسی طرح صلح پر راضی نہیں ہوتا، آپ کہ میرے چچا کی جگہ ہیں کوئی ایسی تدبیر عمل میں لائیے جس سے مصالحت کی شکل پیدا ہو اور شاہ درّانی کا مزاج بھی مجھ سے برہم نہ ہو"

صفدر جنگ کے ساتھ جس قسم کے مراسم رہے تھے ان کو ملحوظ کرکے حافظ الملک نے شجاع الدولہ کو تسلی آمیز جواب لکھا اور مصالحت کی فکر کرنے لگے۔ اسی دوران میں شجاع الدولہ کے وکلاء عماد الملک کے پاس گئے اور حسب مطالبہ شاہ درّانی پیشکش حاضر کرنے کے خواہاں ہوئے عماد الملک جو اس ہنگامہ سے محض شجاع الدولہ کی بربادی کے خواہاں تھے اس قدر روپیہ کے طالب ہوئے کہ اس کا ادا کرنا شجاع الدولہ کے حیطۂ امکان سے باہر تھا اور ساتھ ہی انہوں نے پیش قدمی کرکے جنگ تراولی شروع کردی۔ حافظ الملک کو عماد الملک کا یہ طرز عمل بہت ناگوار گزرا، اور انہوں نے مصالحت کی یہ تدبیر کی کہ نواب سعد اللہ خاں کو جو اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے پوشیدہ طور پر شجاع الدولہ کے ڈیرے میں روانہ کردیا اور عماد الملک سے فرمایا کہ:۔

یہ آپ نے سنا ہوگا کہ نواب سعد اللہ خاں نے از راہ نادانی جوانی کی عمر کا اقتضا ہے شجاع الدولہ
کے ساتھ صلح کر لی ہے اور شجاع الدولہ بھی اپنے حسب مقدور پیشکش ادا کرنے کے واسطے حاضر
ہیں، اور ہم کو بھی شاہ درانی کا یہی حکم ہے کہ اگر شجاع الدولہ ادائے زر پیش کش
میں کوئی عذر کرے اور نوبت جنگ کی پہنچے تو تمہاری مدد کریں۔ لہذا اگر تم ہمارے مشورے
سے شجاع الدولہ کے ساتھ صلح کر لو تو بہتر ہے، ورنہ ہم اپنے ملک کو واپس جاکر حقیقت
حال من وعن حضور شاہ درانی میں بذریعہ تحریر پہنچا دیں گے۔"

چونکہ عماد الملک میں تنہا شجاع الدولہ سے مقابلہ کرنے کی قوت نہ تھی۔ اس لئے صلح پر راضی
ہوگیا، اور حافظ الملک کی معرفت پچاس لاکھ روپیہ زر پیش کش پر مصالحت قرار پاگئی۔ صلح کے
بعد حافظ الملک روہیل کھنڈ کو واپس آکر حضور درانی میں روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ اس عرصہ
میں احمد شاہ درانی نے سورج مل جاٹ کے بعض قلعوں کو مسخر کر کے متھرا کو لٹوایا لیکن لشکر میں
وبا پھیل جانے کے باعث قندھار واپس جانے کا قصد کر لیا۔ دہلی سے روانگی کے وقت عالمگیر
ثانی اور نواب نجیب الدولہ نے شاہ درانی سے تالاب کھنڈ پر ملاقات کر کے عماد الملک کی شکایت
کی جس کی بنا پر عماد الملک کو جو ہنوز فرخ آباد میں احمد خاں بنگش کے ساتھ مقیم تھا عہدۂ
وزارت ہندوستان سے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ نواب نجیب الدولہ کو منصب
امیر الامرائی پر مقرر فرما کر خود قندھار کو روانہ ہوگئے۔ روانگی کے وقت یعقوب علی خاں
سفیر حافظ الملک کو دوبارہ شرف باریابی بخشا اور حافظ الملک کے واسطے ایک خلعت
گراں بہا مع فرمان مرحمت کیا۔ یعقوب علی خاں دہلی سے روانہ ہو کر جب بریلی پہنچے تو حافظ الملک
نے فرمان شاہی کا استقبال کر کے خلعت شاہی زیب تن فرمایا اور حضور شاہ میں حاضری
کا ارادہ ترک کر دیا۔

جب احمد شاہ درانی ہندوستان سے چلے گئے تو نجیب الدولہ بطور وزیر اعظم بادشاہ دہلی
مہمات دہلی کی انجام دہی میں مصروف ہوگئے۔ اس خبر کو سن کر غازی الدین خاں نے

نجیب الدولہ کی بربادی پر کمر باندھی اور جاٹوں اور احمد خاں بنگش کی فوج لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ ساتھ ہی رگھوناتھ راؤ عرف رگھوبا اور ملہار راؤ ہلکر سرداران مرہٹہ کو بھی ایک کثیر فوج کے ساتھ اپنی مدد کے واسطے طلب کر لیا اور سب نے ملکر دہلی پر چڑھائی کردی۔ عالمگیر ثانی اور نجیب الدولہ کو دہلی میں محصور ہونا پڑا اور پینتالیس روز تک توپ و تفنگ کے ذریعہ مدافعانہ جنگ کرتے رہے۔ آخر کار مرہٹوں نے ایک کثیر رقم نجیب الدولہ سے حاصل کر کے خفیہ طور پر صلح کر لی اور بموجب قرارداد صلح نجیب الدولہ کو یہ موقع دیدیا کہ وہ اپنا مال و متاع لے کر دہلی سے سہارن پور کو روانہ ہو جائیں۔ غازی الدین خاں دہلی میں داخل ہو گیا اور بادشاہ کو اسے دوبارہ خلعت وزارت دینا پڑا۔ غازی الدین خاں کے خوف سے شاہزادہ عالی گہر ولی عہد سلطنت نواب نجیب الدولہ کے پاس دہلی سے چلے آئے اور ان کے ہمراہ آٹھ مہینے تک قیام کر کے براہ مرادآباد و بریلی بنگال کو روانہ ہو گئے۔

شاہزادہ عالی گہر[1] کا ورود بریلی دہلی کے اخبار کے ذریعہ جب حافظ الملک کو یہ اطلاع ہوئی کہ شاہزادہ عالی گہر بریلی سے گزریں گے تو اس وقت وہ خود دامن کوہ میں تھے اس لئے اپنے بڑے لڑکے عنایت خاں کو جو بریلی میں مقیم تھے لکھا کہ شاہزادے کے وہاں پہنچنے کے وقت استقبال کر کے بطرز مناسب حال سلاطین لوازم مہمانداری بجا لائیں۔ چنانچہ جب شاہزادہ عالی گہر بریلی کے قریب پہنچے تو عنایت خاں نے پیشوائی کی اور رسم آداب و کورنش بجا لا کر خاص شہر میں ان کو لائے اور دیوان مان[2] رائے کی آراستہ و پیراستہ حویلی میں اتارا۔ شاہزادے صاحب اپنے

---

[1] شاہزادہ عالی گہر بعد کو شاہ عالم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ سخن گوئی سے بہرہ ور تھا۔ آفتاب تخلص تھا چار دیوان اردو میں چھوڑے جن میں صرف ایک موجود ہے۔

[2] دیوان مان رائے کی حویلی محلہ کٹرہ مان رائے، کے نام سے بریلی میں موجود ہے۔ قدیم عمارت سے صرف ایک خوبصورت پھاٹک لب سڑک قلعہ باقی ہے۔

دوران قیام بریلی میں شاہ دانا ولی[1] کے مزار پر بھی فاتحہ خوانی کی غرض سے تشریف لے گئے جب بریلی سے رخصت ہونے لگے تو عنایت خاں نے چوبیس گھوڑے، ایک ہاتھی، چار ہزار روپیہ نقد، خیمے، ظروف، سامان باربرداری اور دیگر اسباب ضروری حافظ الملک کی طرف سے پیش کیا۔ نیز کچھ نقد و جنس اپنی طرف سے بھی نذر کر کے تین کوس تک ہمراہ رکاب جا کر واپس آئے۔

مرہٹوں کا نجیب الدولہ پر حملہ جنگ سکرتال

غازی الدین خاں نے دوبارہ وزارت ملہار راؤ اور رگھوناتھ راؤ مرہٹہ سرداروں کی امداد سے حاصل کی تھی اس لئے جب وہ دہلی میں داخل ہوئے تو مرہٹے بھی ان کے ساتھ تھے جنھوں نے وہاں اپنا خوب اثر جمایا۔ دہلی سے فرصت پا کر مرہٹوں نے پنجاب پر حملہ کیا اور ابدالی گورنر کو مع اس کی سکھ فوج کے شکست دیکر مئی ۱۷۵۸ء میں دریائے اٹک تک تمام پنجاب پر اپنا قبضہ کرلیا اس وقت ہندوستان میں اٹک سے کٹک تک مرہٹوں ہی کا ڈنکا بجتا تھا۔ اپنے دوست مرہٹوں کی مذکورہ طاقت کو دیکھ کر غازی الدین خاں نے موقع کو غنیمت جانا اور جس طرح صفدر جنگ نے فرخ آباد اور روہیل کھنڈ کو تباہ کرایا تھا اسی طرح انھوں نے نجیب الدولہ کا پورا پورا استیصال کرنے کی غرض سے مرہٹوں سے امداد طلب کی۔ مرہٹے پہلے ہی سے سارا ہندوستان فتح کرنے کی فکر کر رہے تھے، نجیب الدولہ، حافظ ملک اور شجاع الدولہ وغیرہ کی ریاستیں باقی رہ گئی تھیں اس لئے انھوں نے غازی الدین خاں کی تحریکِ امداد کا خیر مقدم کیا۔ اور رگھوبا کا نائب دتا سندھیا

---

[1] شاہ دانا ولی کا مقبرہ بریلی میں شہر کہنہ میں واقع ہے، نہایت صاحب کرامت اور زبردست بزرگ مانے جاتے ہیں مقبرہ اور اس کے متعلق مسجد اچھی حالت میں ہے۔ جمعرات کے روز بڑی رونق ہوتی ہے اور قریب ہی شاہدانہ نام کا ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ شاہ دانا ولی کا مقبرہ مکند رائے نے تعمیر کرایا تھا اسی راجہ مکند رائے نے بریلی میں مسلمانوں کی جامع مسجد ۱۰۶۶ھ میں بنوائی تھی۔ (مؤلف)

سوا لاکھ فوج کے ساتھ نجیب الدولہ پر حملہ آور ہو گیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے ایک سردار گوبند رائے پنڈت کو حکم دیا کہ وہ گنگا اتر کر روہیلوں کے علاقہ کو لوٹ لے۔ چنانچہ گوبند رائے نے امروہہ تک تمام ملک کو لوٹ لیا۔ ایک ہزار تین سو گاؤں جلا دیئے اور نجیب الدولہ کی رسد بالکل بند کر دی۔ نجیب الدولہ نے بھی اس حملہ کی خبر سن کر نجیب آباد سے روانہ ہو کر مقام سکرتال ضلع مظفر نگر میں اپنے مورچے لگائے اور مرہٹوں سے مدافعانہ جنگ میں مشغول ہو گئے۔

حافظ الملک سے نواب نجیب الدولہ کی طلب امداد

لیکن تنہا اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھکر انہوں نے ایک خط تو احمد شاہ درانی کو لکھا کہ یہ وقت مدد کا ہے ورنہ ہندوستان سے مسلمانوں کا نام ونشان گم ہونے والا ہے اور ایک خط حافظ الملک کو لکھا جس میں مرقوم تھا کہ :۔

"عماد الملک غازی الدین خاں نے چند لاکھ روپیہ دے کر دتا سندھیا وغیرہ سرداران مرہٹہ کو دے کر ان کی فوج کو جو تعداد میں مور و ملخ سے زیادہ ہے، دکن سے طلب کیا ہے اور میری بربادی کے درپے ہے چونکہ میں فوج مرہٹہ کے ساتھ میدان جنگ میں لڑائی کی طاقت نہیں رکھتا ہوں، لہذا سکرتال میں مورچہ لگا کر آپ کی مدد پہنچنے تک دفع الوقتی کر رہا ہوں۔"

اس خط کے پہنچنے پر حافظ الملک کافی فوج کے ساتھ فوراً سکرتال کی طرف روانہ ہو گئے ساتھ ہی انہوں نے شجاع الدولہ کو بھی اس جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی اور لکھا کہ اگر مرہٹے نجیب الدولہ اور ہم پر فتحیاب ہو گئے تو وہ آپ کے ملک پر بھی چڑھائی کریں گے اس لئے ؏

علاجِ واقعہ پیش از وقوع باید کرد

شجاع الدولہ نے بکمال دور اندیشی حافظ الملک کی اس دعوت کو قبول کیا عین موسم برسات میں لکھنؤ سے چل کر شاہ آباد پہنچ گئے اور دریا کی طغیانی کم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

جب طغیانی کم ہوئی تو اس اثنا میں دتا سندھیا نے شجاع الدولہ کے شریک جنگ ہونے کے ارادے سے اطلاع پائی اور بیس ہزار فوج کے ساتھ گوبند پنڈت کو دریا عبور کر کے شجاع الدولہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چاند پور کے قریب شجاع الدولہ نے اپنی گوشائیوں کی فوج سے گوبند پنڈت کا مقابلہ کیا اور اس کو شکست فاش دے کر دریا کو عبور کر لیا اور حافظ الملک کی فوج کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حافظ الملک مع شجاع الدولہ مقام حسن پور پہنچے جہاں ہرکاروں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ سکرتال کے قریب مرہٹوں نے پل بنا لیا ہے اور عبور کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس خبر کو سن کر حافظ الملک نے بخشی سردار خاں کو چار ہزار فوج کے ساتھ ہراول کے طور پر اور دو اور رسالداروں کو فوج ہراول کے چنداول کے طور پر لشکر سے پہلے روانہ کیا اور حکم دیا کہ بڑے لشکر کے پہنچنے تک سکرتال کے مقابل دریائے گنگ کے کنارے پڑاؤ ڈال دیں۔ بخشی سردار خاں نے مطابق حکم عمل کیا، لیکن چونکہ دشمن کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی اس لئے بخشی مذکور کو محصور ہو کر جنگ میں مشغول ہونا پڑا۔ بخشی جی کے محصور ہونے کی خبر فوج چنداول کے رسالداروں کو ملی تو فوراً مدد کو دوڑ آئے اور مرہٹوں کی فوج پر حملہ کر دیا اس امدادی فوج کے آنے سے مرہٹوں کو بھاگنا پڑا اور گنگا پار اتر گئے۔ حافظ الملک کو ان حالات کی اطلاع ملی تو گنگا کے کنارے پہنچے اور سکرتال کے مقابل خیمہ ڈال کر دریا کو پار کرنے کی فکر کرنے لگے۔ جب مرہٹوں نے حافظ الملک اور شجاع الدولہ کی فوجوں کے نجیب الدولہ کے شریک ہو جانے کا امکان دیکھا تو ایک مرتبہ اور اپنی تمام فوج کو اکٹھا کر کے حافظ الملک سے مقابلہ کی غرض سے دریا سے اتار دیا۔ اس فوج کی تعداد اس قدر کثیر تھی کہ اس سے مقابلہ کر کے فتحیاب ہونے کی تمام امید حافظ الملک اور شجاع الدولہ کو منقطع ہو گئی۔ اس نازک موقع پر تائید آسمانی ان کے شامل حال ہوئی اور احمد شاہ درانی کی اس سرزمین پر آمد کا غلغلہ بلند ہوا، محصورین سکرتال اور حافظ الملک کے لشکروں میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور دتا پٹیل وغیرہ سرداران مرہٹہ کے اس خبر کو سننے سے ہوش اڑ گئے، چنانچہ سکرتال کے محاصرہ

اور حافظ الملک وغیرہ سے لڑنے کے ارادے سے دست کش ہو گئے اور شاہ درانی کو روکنے کے لئے لاہور کی طرف کوچ کر دیا۔

عالمگیر ثانی کا قتل غازی الدین خاں عماد الملک مرہٹوں سے علیحدہ ہو کر دہلی واپس آ گئے اور اس خیال سے کہ احمد شاہ درانی کے آنے پر بادشاہ عالمگیر ثانی میری تمام بد کرداریوں کی ان سے شکایت کریں گے، اور نجیب الدولہ کو دوبارہ عروج نصیب ہو گا۔ اس نے انتظام الدولہ خانخاناں اور بادشاہ کو قتل کر دینے کی دل میں ٹھان لی۔ اس زمانہ میں بیچارہ بیکس بادشاہ عالمگیر ثانی سلطنت کے کاموں سے ہاتھ اٹھا کر خلوت نشینی میں بسر اوقات کر رہا تھا فقراء پر اعتقاد تھا۔ ایک روز غازی الدین خاں کے شریک سازش مہدی علی خاں نے بادشاہ سے آ کر عرض کیا کہ ایک قابل زیارت درویش کامل فیروز شاہ کے کوٹلہ میں وارد ہوئے ہیں، ان کے کشف و کرامات کی تعریف بیان سے باہر ہے۔ بھولا بھالا بادشاہ مہدی علی خاں کی افترا پردازی سے بے خبر تھا تنہا فقیر با کرامت کی زیارت کو روانہ ہو گیا جب پہلے دروازہ پر پہنچا تو مہدی علی خاں نے تلوار ہاتھ سے لے لی پردہ اٹھا کر اندر لے گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ مرزا بابر بادشاہ کا داماد ہمراہ تھا۔ اس نے تلوار کھینچ کر ایک آدمی کو زخمی کیا مگر اس کو چند آدمیوں نے مغلوب کر کے اور بادشاہ کے محافہ میں بٹھا کر سلیم گڑھ کے قلعہ کو روانہ کر دیا۔ بادشاہ اندر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ موت کے فرشتوں سے مقابلہ ہے۔ چار ازبک ننگی تلواریں لے کر بادشاہ پر پل پڑے۔ سر کو تن سے جدا کر دیا اور تن بے سر کو جمنا کے ریت پر پھینک دیا۔ بدمعاشوں نے لاش پر یہ ظلم کیا کہ اس کے کپڑے اتار کر لے گئے کئی روز بعد بادشاہ کی لاش ہمایوں کے مقبرہ میں دفن ہوئی۔

تاریخ ہندوستان کا یہ دردناک واقعہ نومبر ۱۷۵۹ء کو واقع ہوا۔[1] عالمگیر ثانی کے قتل کے

---

[1] تاریخ ہندوستان مولفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب

بعد غازی الدین خاں نے شہنشاہ اورنگ زیب کے ایک پوتے کو تخت پر بٹھا کر شاہجہاں ثانی کا خطاب دیا، مگر اس بادشاہ کو کسی نے بادشاہ نہ مانا کیونکہ شاہزادہ عالی گہر ولی عہد سلطنت بقید حیات اطراف بنگال میں موجود تھا۔ غازی الدین خاں نے چند روز دہلی میں ٹھہر کر احمد شاہ درّانی کے مقابلہ میں مرہٹوں کے فتحیاب ہونے کا انتظار کیا، لیکن جب یہ سنا کہ شاہ درّانی کے اٹک سے اترتے ہی مرہٹے پنجاب چھوڑ کر بھاگ گئے، تو خود بھی نہایت خوف و ہراس کے عالم میں سورج مل کے پاس جاکر پناہ گزین ہو گیا۔

احمد شاہ درّانی کا چوتھا حملہ اس اثنا میں نواب نجیب الدولہ کو شاہ درّانی کے پنجاب پر قابض ہو جانے کی خبر متحقق ہو گئی تو ان کے استقبال کے لئے روانہ ہوئے، حافظ الملک بخشی سردار خاں وغیرہ کو روہیل کھنڈ کی حفاظت کی غرض سے روانہ کر کے تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہیں مقیم رہے اور شجاع الدولہ اودھ کو واپس ہو گئے۔ جب حافظ الملک نے سنا کہ شاہ درّانی نے جمنا کو عبور کر لیا تو خود بھی گنگا کو عبور کر کے دوآبہ میں حضور شاہی میں باریاب ہوئے اور گوناگوں عنایاتِ خسروانہ سے سرفراز ہوئے۔ نجیب الدولہ اور حافظ الملک کے حاضر ہونے کے بعد احمد شاہ درّانی دہلی کی طرف روانہ ہوئے اور وزیر آباد کے قریب دریائے جمنا کو عبور کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ خبر سن کر دتا پٹیل اور اس کا بھتیجا جھنکوجی ایک فوج کثیر کے ساتھ دریا کے اس پار میدان باؤلی میں جو دار الخلافہ دہلی سے بہت قریب ہے صف آرا ہوئے۔ بادشاہ نے دریا کے کنارے پہنچ کر حکم دیا کہ توپ خانہ کے اونٹوں کو ساحلِ دریا پر بٹھا کر گولوں کی باڑھ سر کریں۔ اس حکم کے پانے پر ابدالیوں نے ایسی شدید گولہ باری کی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مرہٹہ فوج گرد برد ہو گئی۔ ساتھ ہی ایسا اتفاق ہوا کہ ایک گولہ خاص دتا پٹیل کے سر پر گرا جس سے اس کا فوراً کام تمام ہو گیا۔ سردار کے مارے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس وقت شاہ درانی نے حکم دیا کہ سواران ولایتی ایک ایک پیادے کو حافظ الملک اور نجیب الدولہ کی فوج سے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر

دریا عبور کریں اور دہلی تک مفرورین کا تعاقب کریں۔ چنانچہ سواران ولایتی نے اپنے گھوڑوں کو تیرا کر دریا کو عبور کیا اور مرہٹوں کو دہلی تک قتل وغارت کرتے ہوئے چلے گئے۔ دوسرے روز شاہ درانی۔ نجیب الدولہ اور حافظ الملک با فتح و نصرت شہر دہلی میں داخل ہوئے۔ اس فتح کی غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ تاریخ لکھی ہے۔

کرد سلطانِ عصر درّانی ∴ قتلِ دنا بہ تیغ دشمنِ کاہ

گفت تاریخ این ظفر آزاد ∴ نصرتِ بادشاہ عالی جاہ

شاہ درّانی نے دہلی میں داخل ہو کر وہاں کے نظم و نسق کو درست کیا۔ شاہجہاں ثانی ہی کو بالفعل تخت سلطنت پر متمکن رہنے دیا اور اپنی طرف سے یعقوب علی خان بہمن زائی کو قلعہ دار مقرر کیا۔ بعدازاں شاہ درّانی نے سنا کہ جھنکوجی نے روہیل کھنڈ کا رخ کیا ہے لہذا حافظ الملک کو اپنے ولایتی لشکر کی حفاظت و نگرانی پر چھوڑ کر خود ایک فوج جرار کے ہمراہ بطور یلغار مرہٹوں کی تنبیہہ کی غرض سے روانہ ہوئے اور مقام نارنول کے قریب پہنچ کر مرہٹوں کو شکست فاش دی اسی وقت بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ ملہار راؤ ہلکر سکندرہ تک آ گیا ہے اور سورج مل جاٹ سے موافقت پیدا کر رہا ہے تاکہ دونوں ملکر ابدالیوں کو اٹک کے پار بھگا دیں۔ اس خبر کے ملتے ہی شاہ درّانی نے شاہ پسند خاں اور شاہ قلندر خاں اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ ہلکر کے لشکر پر حملہ کر دیں، یہ دونوں سردار پندرہ ہزار فوج کے ساتھ ستر میل کا سفر طے کر کے ہلکر کے سر پر پہنچ گئے اور اس کے لشکر میں ایسا ہلڑ مچایا کہ

"وہ صرف تین سو سواروں کو جو گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے ساتھ لے کر بھاگ گیا"[1]

باقی اس کا لشکر مارا گیا یا قید ہوا اور تمام اسباب ابدالیوں کے ہاتھ لگا۔ ہلکر کو بھی شکست

---

[1] تاریخ ہندوستان مولفہ مولوی ذکاءاللہ

ہو گئی تو شاہ درانی نے سورج مل جاٹ کی تنبیہہ کا ارادہ کیا اور کوچ پر کوچ کر کے سورج مل کے مقبوضات کول وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور چونکہ موسم برسات سر پر آ گیا تھا اس لئے اپنی چھاؤنی کول ہی میں ڈال دی۔

حافظ الملک کا شاہ درانی کے حکم سے سورج مل سے زر پیش کش وصول کرنا

پندرہ روز کے بعد حافظ الملک بھی ولائتی لشکر اور اس کے خیمہ و خرگاہ کے ساتھ حضور شاہی میں پہنچ گئے اور شاہ درانی کے حسب الحکم زر پیش کش سورج مل سے وصول کرنے کے لئے کول سے بھرت پور روانہ ہوئے۔ سورج مل کے پاس چونکہ بہ تعداد کثیر قواعد داں فوج اور بہت سے مضبوط قلعے تھے اس لئے زر پیش کش کی ادائگی میں لیت و لعل کیا لیکن حافظ الملک نے کلمات نصیحت آمیز اور خوف و رجا کے الفاظ میں اس کو سمجھا بجھا کر ہموار کر لیا۔ بہت سا روپیہ اس سے وصول کر لیا اور حضور شاہی میں آ کر مورد تحسین و آفرین ہوئے ؎

کار ما راست کند عاقل کامل سخن ؛ کہ بصد لشکر جرار میسر نشود

دربار شاہ درانی میں حافظ الملک کی قدر و منزلت

چنانچہ اسی قسم کی خدمات شائستہ سے شاہ گوہر شناس کی نگاہ میں ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی جاتی تھی حتیٰ کہ محفل شاہی میں انیس و جلیس بن گئے۔ اکثر رات کے وقت باشاہ کے خوان نعمت پر خاصہ تناول فرماتے تھے اور دیوان خاص میں بادشاہ کے حضور میں بیٹھتے تھے۔ یہ مرتبہ سوائے اشرف الوزراء شاہ ولی خاں کے کسی دوسرے ولائتی یا ہندوستان کے امیر و وزیر کو حضور شاہ میں حاصل نہ تھا۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ پچھلی مرتبہ احمد شاہ درانی کی واپسی ولایت کے بعد احمد خاں بنگش نے

لہ گل رحمت

نواب نجیب الدولہ کی تخریب اور عالمگیر ثانی کی معزولی میں غازی الدین خاں عماد الملک کی امداد کی تھی۔ اسی طرح شجاع الدولہ احمد شاہ ابدالی کے قیام ہندوستان کو عارضی سمجھکر مرہٹوں سے زیادہ دشمنی کرنی نہیں چاہتے تھے اور اس لئے جنگ سکرتال کے بعد مرہٹوں سے انہوں نے دوبارہ سازباز کر لیا تھا۔ اور ان سے نامہ و پیام کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ یہ واقعات احمد شاہ درانی کے علم میں بھی آ گئے تھے اس لئے انہوں نے مرہٹوں اور جاٹوں سے فراغت پانے کے بعد یہ چاہا کہ احمد خاں بنگش اور شجاع الدولہ سے آئندہ موافقت یا مخالفت کا مسئلہ صاف کرلیں۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے فرامین شاہی جاری ہوئے۔

حافظ الملک کی وساطت سے نواب احمد خاں بنگش کی شاہ درانی سے موافقت

احمد خاں بنگش کو جب فرمان اطاعت پہنچا تو وہ حافظ الملک کو شرف ملازمت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا کر اکتوبر ۱۷۶۰ء میں لشکر شاہی میں آئے جو اس وقت انوپ شہر میں تھا۔ حافظ الملک کی وساطت سے حضور شاہی میں حاضر ہوئے اور بادشاہ نے ان پر بہت کچھ عنایات مبذول کیں۔ شجاع الدولہ سے معاملہ کرنے کی خدمت نواب نجیب الدولہ کے سپرد کی گئی۔ اور وہ براہ اٹاوہ قنوج پہنچ گئے۔ شجاع الدولہ اُن سے ملاقات کرنے کے لئے مہدی پور مضافات ملانوہ تک آئے اور بعد استحکام عہد و پیمان اپنے لڑکے مرزا امانی کو اودھ میں اپنا نائب مقرر کرکے دس ہزار فوج کے ساتھ نجیب الدولہ کے ہمراہ حضور شاہ میں حاضر ہو گئے۔ جب بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو وہ احمد خاں کی طرح شجاع الدولہ سے بھی بہت مہربانی سے پیش آئے اور ان کو مع فوج اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔ اس طرح شمالی ہند کے تمام بڑے حکمران اواخر ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ درانی سے متفق ہو گئے۔ اور سب نے مل کر یہ تہیہ کیا کہ شاہ موصوف کی

قیادت سے فائدہ اٹھاکر جس طرح بھی ہو ہندوستان جنت نشان کو مرہٹوں کے وجود سے پاک کردیں اور اس سرزمین کے رہنے والے مسلمانوں اور دوسرے مظلوموں کو ان کی آئے دن کی لوٹ کھسوٹ اور تاخت و تاراج سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دیں۔

۱۷
جنگ پانی پت میں حافظ الملک کی شرکت

جس وقت دتاجی کے قتل اور ہلکر کی بربادی کی خبر دکن میں بالاجی پیشوا کو پہنچی تو اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ احمد شاہ درانی سے انتقام نہ لے گا اور خاندان بابر کا خاتمہ کرکے تخت دہلی پر قبضہ نہ کرلے گا چین سے نہ بیٹھے گا۔ اس زمانہ میں پیشوا کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا اور اس کی سرداری میں مرہٹوں کی عملداری کو جو وسعت حاصل تھی وہ نہ کبھی اس سے پہلے ہوئی اور نہ اس کے بعد حاصل ہوئی اس کی شمالی سرحد اٹک اور ہمالیہ کے پہاڑ تھے اور جنوبی حد جزیرہ نمائے دکن کے پچھلے سرے تک یعنی سمندر تک تھی۔ جو جو ملک ان حدود کے درمیان خارج از حکومت تھے وہ باجگذار تھے۔ اب وہ صرف لٹیرے ہی نہیں رہے تھے بلکہ ان میں شان شاہانہ بھی پائی جاتی تھی، بڑی بڑی عمدہ تنخواہ کے سپہ سالار تھے اور فرنگی افسروں کی تربیت کردہ دس ہزار قواعدداں سپاہ ان کے پاس تھی[1]۔

دتا کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بالاجی باجی راؤ نے عین موسم برسات میں اپنے چچازاد بھائی سداشیو راؤ بھاؤ اور اپنے لڑکے بسواس راؤ کو بڑے کروفر کے ساتھ مع تمام دوسرے مشہور سرداران مرہٹہ کے شمالی ہند کو روانہ کیا۔ لشکر کے ساتھ فرنگستانی طرز پر قواعدداں سپاہ بکارآزمودہ اور بہت بڑا توپ خانہ بھی تھا جس کا افسر بسی فرانسیسی کا شاگرد رشید ابراہیم

---

[1] تاریخ ہندوستان۔ مولوی ذکاءاللہ جلد پنجم۔

گاردی تھا جب یہ لشکر اس شان و شوکت سے اکبر آباد میں پہنچا تو سورج مل جاٹ ہلکر کی وساطت سے تیس ہزار سوار لے کر شریک ہو گیا۔ اثنائے راہ میں بکثرت راجپوتوں کی فوجیں بھی شامل ہوتی گئیں۔ متھرا میں عماد الملک نے بھاؤ کی رفاقت اختیار کی اور یہ سب اکٹھے ہو کر جھنکو اور ملہار راؤ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ چونکہ موسم برسات میں جمنا پار کرنا اور احمد شاہ درانی سے لڑنا مشکل تھا، اس لئے بھاؤ نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے دہلی پر قبضہ کر لینا چاہئے چنانچہ مرہٹے دہلی میں داخل ہوئے اور قلعہ پر حملہ کر دیا۔ یعقوب علی خان بہمن زائی قلعہ دار نے مقابلہ کیا اور کچھ مرہٹے خضری دروازہ توڑ کر قلعہ میں داخل ہوئے تو درانیوں نے ان کو مار کر نکال دیا پھر ابراہیم گاردی نے جھروکہ کی طرف سے توپ کے گولے مار کر دیوان خاص اور رنگ محل کو کئی جگہ سے توڑ پھوڑ دیا آخر کار یعقوب علی خاں زیادہ عرصہ تک تاب مقاومت نہ لا سکا اور قلعہ کو مرہٹوں کے حوالے کر کے خود شاہ درانی کے پاس چلا گیا۔ مرہٹوں نے قلعہ میں داخل ہو کر خوب لوٹ مار مچائی حتیٰ کہ دیوان خاص کی نقرئی چھت کو بھی ادھڑوا لیا۔ قدم شریف اور حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں جو سونے چاندی کا اسباب تھا وہ بھی لے لیا۔ اسی طرح مرہٹوں نے برسات کا موسم دہلی میں گزارا۔ جب برسات ختم ہوئی تو وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا، اس وقت بھاؤ نے چاہا کہ بسواس راؤ پسر بالاجی راؤ پیشوا کو تخت دہلی پر بٹھا دے، بھاؤ اپنے ساتھ ایک بہت بڑا پتھر کا بت بھی لایا تھا۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ بسواس راؤ کی تخت نشینی کے دن اُس بت کو جامع مسجد دہلی میں نصب کیا جائے گا[1] چنانچہ تاریخ احمد میں مرقوم ہے:۔

فرط غرور و نخوت بر زبان بھاؤ و دیگر سرداران مرہٹہ گزشت کہ بعد از فتح جنگ بادشاہ و قتل سرداران افاغنہ و انہدام بنیان مسلمانان و بسواس راؤ بادشاہ ہندوستان خواہیم ساخت و این بت سنگینی کلاں را کہ ہمراہ ماست در جامع مسجد گذشتہ معبد قوم ہنود خواہیم

---

[1] تاریخ احمد صفحہ ۱۲ بحوالہ نواب نجیب الدولہ و جنگ پانی پت از مفتی انتظام اللہ شہابی

گردانید و بجائے بانگ نماز آواز ناقوس بلند خواہم نمود"

مگر لوگوں نے صلاح دی کہ پہلے شاہ درّانی کے مخمصے سے فرصت پالینی چاہئے۔ بھاؤ نے اس صلاح کو پسند کیا اور شاہجہان ثانی کو معزول کر کے مرزا جواں بخت خلف شاہ عالم عالی گہر کو تخت پر بٹھا دیا اور شجاع الدولہ کو غائبانہ وزیر مقرر کیا تاکہ احمد شاہ درّانی ان سے بدگمان ہو جائیں، بھاؤ کی ان حرکات سے سورج مل ناراض ہو گیا[1] اور اپنے قلعہ بلب گڑھ میں تماشہ دیکھنے کے لئے جا بیٹھا۔ دہلی کے انتظام سے مطمئن ہونے کے بعد مرہٹے پہلے کنج پورہ کی طرف متوجہ ہوئے جہاں عبد الصمد خاں ابدالی اور مومن خاں۔ احمد شاہ درانی کی طرف سے تھانہ دار تھے اور شاہی لشکر کو رسد پہنچاتے تھے۔ کنج پورہ کا اصلی زمیندار نجابت خاں تھا اور مرہٹوں سے سازباز رکھتا تھا اس نے صمد خاں وغیرہ کو میدان میں لڑنے کی ترغیب دی اور خود کنج پورہ کا حصار کر کے قلعہ داری میں مصروف ہو گیا عبد الصمد خاں کے پاس اگرچہ فوج تھوڑی تھی لیکن وہ نجابت خاں کے اغوا سے بڑی بے جگری سے قلعہ سے باہر نکل کر افواج مرہٹہ پر حملہ آور ہو گیا۔ حریف کی فوج کثیر التعداد تھی اس لئے اس کو پسپا ہونا پڑا اور وہ جنگ کرتا ہوا قلعہ کے دروازے پر واپس آگیا۔ نجابت خاں غدار نے قلعہ کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور فصیل قلعہ سے توپوں کی باڑھ مارنے لگا۔ عبد الصمد خاں بیچارہ مجبوراً قلعہ سے دور ہٹ گیا۔ زندگی سے مایوس ہو کر مرہٹوں ہی کی فوج پر حملہ آور ہو گیا اور داد شجاعت دے کر مع اپنے ہمراہیوں کے قتل ہو گیا۔ اس واقعہ کی خبر احمد شاہ درّانی کو پہنچی تو ان کا قہر و غضب جوش میں آگیا اور سرداران ہندوستان کو حکم دیا کہ بہت جلد اپنی اپنی فوجیں طلب کر لیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام امراء کی فوجیں آکر لشکر شاہی سے مل گئیں۔ جب فوجوں کی ترتیب ہو گئی اور سامان سفر مہیا ہو گیا تو شاہ درّانی نے مرہٹوں کے لشکر کی طرف کوچ کیا۔[2] اس وقت

---

[1] ہسٹری آف دی مرہٹاز گرانٹ ڈف   [2] گل رحمت

بادشاہ کے ساتھ ولایتی اور ہندوستانی فوج کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سوار و پیادہ تھی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ تقریباً بتیس ہزار سوار جرار شاہ درانی کے ساتھ تھے جو کابل سے آئے تھے اور اسیقدر سوار و پیادے حافظ الملک اور ان کے رسالداروں کے ہمراہ تھے۔ پندرہ ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت نواب نجیب الدولہ کی تھی، تقریباً بیس ہزار فوج شجاع الدولہ کے ساتھ آئی تھی اور چھ ہزار پیادہ و سوار احمد خاں بنگش اپنے ہمراہ لائے تھے۔ شاہ درانی اس تمام فوج کے ساتھ روانہ ہوئے اور متواتر منزل بمنزل دریائے گنگ کے کنارے پہنچے چونکہ دریا پایاب نہ تھا اس لئے انہوں نے حافظ الملک اور احمد خاں بنگش، شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ اور اپنی فوج کے عبور کے لئے تین پل تیار کرنے کا حکم دیا۔ پل تیار ہو گئے تو کل لشکر بغیر کسی مزاحمت کے دریا پار ہو گیا، بھاؤ وغیرہ سرداران مرہٹہ کو شاہ درانی کے دریا اترنے کی اطلاع ملی۔ تو اپنی زبردست فوج کے ساتھ جو تین لاکھ سوار و پیادہ[1] سے زیادہ تھی، کنج پورہ سے روانہ ہو کر پانی پت پہنچ گئے اور شہر کو اپنے پس پشت کر کے جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ اسی طرح احمد شاہ درانی کی فوج لشکر مرہٹہ سے چند کوس کے فاصلہ پر میدان پانی پت میں خیمہ انداز ہوئی، پہلے ہی دن سے دونوں لشکروں کے ہراولوں میں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں شروع ہو گئیں اور ہر ایک جھڑپ میں شاہی فوج مرہٹوں پر غالب ہو جایا کرتی تھی۔ اس صورت حال کا مشاہدہ کر کے بھاؤ وغیرہ کو سواران ولائتی کی چابک دستی سے اپنی شکست کا اندیشہ پیدا ہو گیا اور آپس میں مشورہ کیا کہ کچھ عرصہ تک کسی بڑی لڑائی کو ملتوی کر کے پہلے شاہی لشکر کی رسد روکنا چاہیے، یہ ارادہ کر کے مرہٹوں نے اپنے لشکر کے چاروں طرف پچاس فیٹ چوڑی اور بارہ فیٹ گہری ایک خندق کھدوا کر ابراہیم گاردی

---

[1] گل رحمت اور تاریخ نجیب آباد مؤلفہ مولانا اکبر شاہ خاں میں مرہٹوں کی فوج کی تعداد چار پانچ لاکھ کے درمیان لکھی ہے۔ نواح پانی پت کے عوام الناس یہ مشہور کرتے ہیں کہ پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے نولاکھ نیزے تھے۔

کو اس کے قلعہ شکن توپ خانہ کے ساتھ خندق کی حفاظت پر متعین کیا[1]۔ اس کام سے فارغ ہو کر چار پانچ جانباز سرداران مرہٹہ لشکر شاہی کی رسد روکنے کی دوڑ دھوپ میں مشغول ہوئے مرہٹوں کی دیکھا دیکھی احمد شاہ درّانی نے بھی جنگل کے پیڑ کٹوا کر اپنے لشکر کے گرد ایک حصار تیار کرا لیا اور ہندوستانی امرا کو لشکر غنیم کے ہراولوں کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا حکم دے کر چند ولایتی سرداروں کو اپنے لشکر کے لئے غلہ کی فراہمی اور مرہٹوں کی رسد روکنے کے لئے روانہ کر دیا اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کے لشکر میں غلہ کا ایک دانہ تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ پشت لشکر سے آلا جاٹ زمیندار سرہند کچھ عرصہ تک ضرور غلّہ بھیجتا رہا، مگر درّانی اس پر بھی جا گرے اور مرہٹوں کا قافیہ تنگ کر دیا۔

روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کے حملہ کا اندیشہ اور اس کی روک تھام

مرہٹوں کو جب یہ یقین ہو گیا کہ بادشاہی لشکر میں رسد روہیل کھنڈ سے آتی ہے تو بھاؤ نے گوبند پنت بندیلے کو لکھا کہ وہ اس کے روکنے کا انتظام کرے۔ گوبند پنت حسب الحکم پچیس ہزار فوج کی جمعیت ساتھ لے کر دریائے جمنا کے کنارے پہنچ گیا اور غلّہ کی جو رسد روہیل کھنڈ سے دوآبہ میں سے ہو کر گذرتی تھی اس کا راستہ مسدود کر دیا حتی کہ اس رسد کے نہ پہنچنے کے باعث لشکر شاہی میں غلہ کی اس قدر گرانی ہو گئی کہ رفتہ رفتہ ہر جنس روپیہ کی ایک سیر ملنے لگی۔ رسد کے روکنے کی بیرونی کوششوں سے فارغ ہو کر گوبند پنت کو اندرون روہیل کھنڈ پر بھی حملہ کرنے کا خیال پیدا ہوا[2] اس خبر کو سن کر حافظ الملک حضور احمد شاہ درانی میں تشریف لے گئے اور جملہ حال بیان کیا۔

اسی وقت کریم داد خاں اور شاہ ولی خاں وزیر اعظم کا بھتیجا حاجی عطائی خاں چھ ہزار ولایتی افغانوں کے ساتھ افغانستان سے حضور شاہی میں حاضر ہوا تھا۔ شاہ درانی نے دونوں سرداروں کو حکم دیا کہ گوبند پنت کا سر فوراً ہمارے حضور میں حاضر کریں اور چند

---

[1] ہسٹری آف دی مرہٹاز۔ گرانٹ ڈف۔ [2] گل رحمت

ہندوستانیوں کو ان کی رہنمائی کے لئے ساتھ کر دیا۔ یہ دونوں سردار جنہوں نے ابھی اپنے
گھوڑوں کی پیٹھ سے زین تک نہیں اتاری تھی اسی طرح اپنے چھ ہزار ولائتی سواروں کو ساتھ
لے کر ڈیڑھ پہر دن رہے غازی نگر کی طرف روانہ ہو گئے، جو لشکرگاہ سے چالیس کوس کے
فاصلے پر تھا۔ اس لشکر نے اول شاہدرہ میں شنکر راؤ قلعہ دار دہلی کے نائب کو قتل کیا پھر
غازی نگر میں مرہٹوں کی ایک بھاری جمعیت کو شکست دی۔ بعد ازاں علی الصبا ح
جلال آباد میں جہاں گوبند پنت مقیم تھا پہنچ گئے اور مرہٹوں پر ٹوٹ پڑے، لشکر غنیم پر
ایسے ایسے سخت حملے کئے کہ اس کے دھوئیں اڑا دئے اور گوبند پنڈ کا سر کاٹ کر مع بے شمار
مال غنیمت "آنا فانا" میں مظفر و منصور واپس ہو گئے۔ بغیر کسی پل یا کشتی کے دریا کو عبور کیا اور
اسی روز پہر دن باقی رہا تھا کہ لشکر شاہی میں حاضر ہو کر گوبند پنت اور اس کے ہمراہیوں کے
سر بادشاہ کے قدموں پر ڈال دئے۔ یہ لوگ عجب سواران چابک دست تھے کہ چوبیس
گھنٹے کی قلیل مدت میں اسی کوس کی مسافت آمد و رفت طے کی، دو بار دریائے جمنا
کو عبور کر کے دو چھوٹی چھوٹی لڑائیاں جیتیں اور ایک بڑا معرکہ سر کر کے بہت کچھ مال غنیمت
کے ساتھ صحیح و سلامت واپس آ گئے۔[1]

رسد کے از سر نو کھل جانے کے بعد احمد شاہ درانی نے اپنی کامیابی کا سب سے بڑا
ذریعہ یہ سمجھا کہ بڑی لڑائی زیادہ سے زیادہ دیر میں شروع ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ جب محاصرے
کو بہت دن گذر گئے تو مرہٹوں کے لشکر میں علاوہ رسد کی تنگی کے غلاظت اور نجاست بھی روز
بروز بڑھنے لگی[2] جس سے تنگ آ کر بھاؤ وغیرہ نے شجاع الدولہ کے ذریعہ کئی مرتبہ
شاہ درانی سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی کی، مگر ہر مرتبہ نواب نجیب الدولہ آڑے آ گئے

---

[1] سیر المتاخرین

[2] ہسٹری آف مرہٹاز۔ گرانٹ ڈف

اور صلح پر رضامند نہ ہوئے، ان کا یہ قول تھا کہ احمد شاہ درّانی کے چلے جانے کے بعد مرہٹے ہمارا نام ونشان نہ چھوڑیں گے اور ہم میں سے ہر ایک کو تباہ کر دیں گے۔ پس اس وقت سوا اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ یا تو مرہٹوں کو شکست دیکر ان کو تباہ کر دیں، یا خود مرجائیں[۱]۔ اس زمانہ میں احمد شاہ درّانی نے خندق کے سامنے ایک سرخ خیمہ کھڑا کرالیا تھا۔ جس میں نماز اشراق پڑھتے اور شام کا کھانا کھاتے تھے، دن بھر گھوڑے پر سوار ہوکر فوج کے پہروں کو مختلف مقامات پر دیکھتے بھالتے تھے اور ہر روز پچاس ساٹھ میل سے کم نہ چلتے تھے۔ رات کا یہ عمل تھا کہ پانچ ہزار سواروں کا ایک پکٹ دشمن کی جانب جس قدر قریب ممکن ہوتا لگادیتے تھے اور خود لشکر کے گرد پھرتے رہتے تھے[۲]۔

عنایت خاں کا جنگ میں شریک ہونا

انہیں ایام میں حافظ الملک کے بڑے بیٹے عنایت خاں جن کی عمر عام روایات کے مطابق اس وقت صرف سولہ سال کی تھی اور جن کو حافظ صاحب اپنے نائب کے طور پر بریلی چھوڑ آئے تھے، پانی پت کے واقعات سن کر بے چین وبیتاب ہو گئے اور شجاعت کے ننگ وناموس نے ان کو آمادہ کیا کہ جس طرح بھی ہو اپنے آپ کو تاریخ ہندوستان کی اس عظیم الشان جنگ میں شریک کریں اور تفاخر کونین اور آبروئے دارین حاصل کریں، چنانچہ اس ارادے کو اپنے دل میں مستحکم کرکے بخشی سردار خاں فتح خاں خانساماں اور دیوان پہاڑ سنگھ وغیرہ کی سخت ممانعت اور راستوں کے شدید خطرات کے باوصف دوسو مخصوص فدائیوں کے ہمراہ قدم جرأت اور گام شجاعت اٹھا کر پانی پت کو روانہ ہو گئے اور بہ تعجیل تمام خطرات راہ اور مشکلات منازل طے کرکے عین میدان جنگ میں اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں پہنچ گئے، حافظ الملک نے عنایت خاں کی اس جبارت پر بہ مقتضائے دور اندیشی بظاہر ان کو کلمات عتاب آمیز سے مخاطب کیا۔ گو

---

[۱] تاریخ نجیب آباد مؤلفہ مولانا اکبر شاہ خاں [۲] تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولوی ذکاءاللہ صاحب۔

بہ باطن اپنے فرزند دلبند کے دیدار بہجت آثار سے بہت خوش ہوئے۔ دوسرے روز حافظ الملک عنایت خاں کو شاہ درانی کی ملاقات سے شرف اندوز کرانے کے لئے دربار شاہی میں لے گئے۔ پہلی بات جو بادشاہ نے اپنی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمائی تھی یہ تھی کہ:-

"اے عنایت خاں تو اپنے پدر والاشان کو دیکھنے کے واسطے آیا ہے یا افغانوں کی شرم وآبرو بچانے کے لئے"

عنایت خاں نے جواب دیا کہ

"اگرچہ پدر بزرگوار کے دیدار مہر انوار کی تمنا خاطر نشین تھی لیکن اصل آرزو جو اس امر کی محرک ہوئی وہ افغانوں کی شرم وآبرو تھی"[1]

بادشاہ شجاعت پسند نے اس جواب کو سنا تو نہایت محظوظ ہوئے اور بہت تحسین وآفرین کرنے کے بعد ایک خلعت گراں بہا اور شمشیر واسپ مرحمت فرماکر عنایت خاں کو حکم دیا کہ برابر حضور معلیٰ میں حاضر ہوتا رہے، اس روز سے عنایت خاں ہمیشہ جناب سلطنت مآب کی خدمت میں پہنچکر باریاب ہوتے اور نوازش ہائے گوناگوں سے سرفرازی پاتے رہتے تھے۔

مرہٹوں سے افغانان روہیل کھنڈ کی جھڑپ اور عنایت خاں کی دلیری

اس وقت عام حالت یہ تھی کہ مرہٹوں نے فوج درانی کی جانب سے پیش قدمی کا انتظار اب ترک کردیا تھا اور انہوں نے ملہار راؤ ہلکر اور بھاؤ وغیرہ سرداروں کی قیادت میں ۲۹ نومبر اور ۲۳ دسمبر ۱۷۶۰ء کو شاہ ولی خاں وزیر اعظم پر دو شدید حملے کئے، ایک حملے میں وزیر کے گرفتار ہوجانے تک کا امکان ہوگیا تھا، لیکن خود وزیر اور نجیب الدولہ کی دلیری سے دونوں حملوں میں مرہٹوں کو شکست ہوگئی[2]۔ انہیں حالات میں ایک روز شب کو فتح خاں برادر ابراہیم خاں گاردی نے حافظ الملک کے مورچہ پر شب خون مارا، لیکن افغانان روہیل کھنڈ بروقت بیدار ہوگئے اس لئے کچھ زیادہ نقصان

---

[1] گلستان رحمت [2] ہسٹری آف دی مرہٹاز۔ گرانٹ ڈف۔

نہ ہوا، صبح تک تلوار چلتی رہی اور مرہٹوں کو شکست کھا کر واپس ہونا پڑا، افواج مرہٹہ کی ان دست درازیوں کے باوجود احمد شاہ درانی نے اپنے طریقۂ عمل میں تبدیلی نہیں کی اور اپنی جانب سے مرہٹوں پر کچھ اور مزید عرصہ تک حملہ کرنے کی رائے پر بڑے استقلال سے قایم رہے۔

لیکن نوجوان طبیعتوں میں حزم و احتیاط اور استقلال کا مادہ کہاں۔ ان کی طبائع پر تو جوش و خروش کا غلبہ ہوتا ہے، ہر روز ایک نئے ہنگامہ کی تلاش اور کوئی نیا کام کرنے کی دھن ہوتی ہے۔ لہذا عنایت خاں نے اس روز روز کی سرد محفل سے تنگ آ کر ایک دن اپنے ساتھ کے سپاہیوں اور نجیب الدولہ کے لشکر کے کچھ نوجوانوں کو جمع کر کے حافظ الملک یا بادشاہ سے اجازت حاصل کئے بغیر خندق پھاند کر لشکر مرہٹہ پر حملہ کر دیا۔ صدہا مرہٹوں کو جو بالکل بے خبری میں تھے مار کر ان کے بازار میں سیر کرنے لگے جب گھیر گھار ہوئی تو وہاں سے بھاگ کر توپ خانہ کا رخ کیا اور وہاں پہنچکر طبل بجانا اور افغانی گانا شروع کر دیا، یہ لوگ اسی حال میں تھے کہ افغانوں کی یورش کی خبر سن کر چالیس پچاس ہزار مرہٹے ان پر ٹوٹ پڑے۔ یہ بھی تعداد میں کئی ہزار تھے، خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی ایک ایک افغانی نے دس دس کو مارا لیکن بالآخر مغلوب ہوئے اور صرف پانچ سو زخموں سے چور ہو کر مرہٹوں کے لشکر سے باہر جان بچا کر نکل سکے جب اپنے لشکر میں آئے تو ان لوگوں کی عجیب ہیئت کذائی تھی، از سر تا پا زخموں کے نشان تھے، خون میں نہائے ہوئے اور گرد آلود تھے، لیکن لطف یہ ہے کہ اس حال میں بھی رقص کناں تھے اور وفور جوش میں قومی ترانے گا رہے تھے۔ ان بہادروں کا گذر شجاع الدولہ کے خیمہ کے پاس ہوا تو وہ ان کو دیکھ کر محو حیرت ہو گئے اور کہا واہ آفرین آپ کی جرأت و بہادری پر اور یہ قطعہ پڑھا[1]

---

[1] تاریخ افغانستان موسوم بہ نقش سلیمانی مولفہ نواب سلیمان خان

سعدیا روز ازل حسن بہ ترکاں دادند ⁂ عقل و دانش ہمہ با مردم یوناں دادند
خوبی و ناز و کرشمہ ہمہ با مردم ہند ⁂ جرأت و خودسری و جہل بہ افغاں دادند

حافظ الملک کی والدہ کے انتقال کا اثر ان کی شرکت جنگ پر

اس واقعہ کے چند ہی روز بعد حافظ الملک کی خدمت میں یہ خبر پہنچی کہ مریم مکانی رابعہ زمانی یعنی حافظ الملک کی والدہ ماجدہ نے حافظ آباد (پیلی بھیت) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ احمد شاہ درّانی نے اس سانحہ جانکاہ کو سن کر اپنے دربار کے تمام سرداروں کو اسی روز مراسم تعزیت ادا کرنے کی غرض سے حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا اور شاہ ولی خاں وزیر اعظم نے اپنے بادشاہ والاجاہ کی طرف سے سخنان تسلی آمیز و تشفی انگیز ارشاد فرمائے۔ اسی طرح تمام ہندوستانی امرا بھی حافظ الملک کے پاس آکر شریک غم ہوئے۔ تیسرے روز شاہ درّانی نے حافظ الملک کو اپنے حضور میں طلب فرما کر خلعت تعزیت عنایت کیا اور بہت سے سخنان نصیحت آئین ارشاد فرمائے، دربار شاہی سے واپس آکر حافظ الملک نے اپنی والدہ مرحومہ مغفورہ کی روح پر ایصال ثواب کی غرض سے بہت کچھ صدقہ و خیرات کیا، لیکن کثرت غموم و ہموم کا ان کے دل پر ایسا غلبہ ہوا کہ جسم پر گرانی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ چند روز تو طبیعت کو سنبھالے رہے اور حسب معمول گھوڑے کی سواری اور مورچوں کی خبر داری کرتے رہے، لیکن آخر کار تپ محرقہ میں مبتلا ہو گئے اور درد سر اس حد کو پہنچا کہ سرسام ہو گیا، تین روز کے بعد تپ میں تخفیف ظاہر ہوئی لیکن درد سر میں کمی نہ ہوئی کمزوری بھی حد درجہ کی ہو گئی۔ اسی دوران علالت میں ۷ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کا معرکہ عظیم پیش آیا جس میں حافظ الملک شریک نہ ہو سکے ان کی جگہ عنایت خاں، دوندے خاں اور فیض اللہ خاں نے کام کیا[1]

فیصلہ کن جنگ، عنایت خاں اور دیگر سرداروں کی جانبازی و بہادری

۶ جنوری ۱۷۶۱ء کو تمام سرداران مرہٹہ نے باہم مشورہ کیا اور ایک بڑی لڑائی کو آئندہ ٹالنے میں سوائے

---

[1] گلستان رحمت

اپنی پریشانی اور خرابی کے کچھ فائدہ نہ سمجھکر کھلے میدان میں نکل کر جنگ کرنے کا ارادہ کردیا۔ تمام سرداروں نے پان کا بیڑا کھا کر لڑتے مرنے پر قسم کھائی اور سارے لشکر میں حکم سنادیا گیا کہ کل صبح کو لڑائی ہے، پٹھانوں کی قلت تعداد اور اپنی کثرت کو دیکھکر مرہٹوں کو بجا طور پر یہ امید ہونی چاہیے تھی کہ ان کی ہی فتح ہوگی لیکن نہ معلوم کیوں لشکر مرہٹہ کے قائد اعظم بھاؤ کے دل پر حسرت و یاس کا ہجوم تھا اس لئے اس نے آدھی رات کے وقت کاشی راؤ کے ذریعہ خاص اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک خط شجاع الدولہ کے پاس بھیجا جس میں لکھا تھا کہ :-

"اب پیالہ لبالب ہے، ایک بوند کی اس میں سمائی نہیں، اگر بن پڑے تو فوراً کچھ کیجئے۔"

خط کے ساتھ ہی شجاع الدولہ کو اپنے ہرکاروں سے یہ خبر ملی کہ مرہٹے حصار سے نکل کر میدان کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس خبر اور خط کو لے کر شجاع الدولہ سیدھے احمد شاہ درّانی کے خیمہ میں گئے اس وقت بادشاہ سو رہے تھے اور ان کا گھوڑا کسا کسایا بالکل تیار خیمہ کے باہر کھڑا ہوا تھا، شجاع الدولہ نے ان کو بیدار کرا کر مرہٹوں کے میدان جنگ میں روانہ ہونے کی خبر سنائی بادشاہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر شجاع الدولہ کے ساتھ دشمن کی طرف آہستہ آہستہ روانہ ہوئے اپنے کیمپ سے باہر آئے تو ایک ملازم کے ہاتھ میں حقہ تھا جس کو وہ پیتے جاتے تھے انہوں نے بچشم خود مرہٹوں کو میدان میں جمع ہوتے دیکھکر شجاع الدولہ سے فرمایا کہ: "آپکی اطلاع صحیح ہے" اور اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ اس وقت ایک پہر رات باقی تھی جس کو دونوں لشکروں نے اپنی اپنی تیاری میں بسر کیا[1]

کٹی رات تدبیر و سامان میں ؛ سحر ہوگئی آن کی آن میں

---

[1] ہسٹری آف دی مرہٹاز۔ گرانٹ ڈف۔

نواب نجیب الدوله بهادر

علی الصباح، جنوری ۱۷۶۱ء کو سدا شیو راؤ بھاؤ[1] نے فوج کی ترتیب مکمل کر کے بہ کمال جاہ وحشم ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی فوج کو لشکر درانی کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ ابراہیم خاں گاردی کو بے شمار توپ خانہ اور قریب قریب تمام پیادہ لشکر کے ساتھ آگے رکھا۔ باقی بڑے بڑے سرداروں کو میمنہ، میسرہ اور قلب لشکر میں متعین کیا۔ تھوڑی دیر میں سب سے پہلے ابراہیم خاں گاردی نے حافظ الملک کے مورچوں کی جانب ہنگامہ آرائی شروع کی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ امرائے ہندوستان کو جس روز سے حضور شاہ سے مورچہ بندی کا حکم صادر ہوا تھا سب سرداروں نے باہمی صلاح ومشورہ سے مورچوں کی تقسیم آپس میں اس طرح کر لی تھی کہ شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ، ملہار راؤ ہلکر اور جھنکو کے مقابل۔ اور حافظ الملک اور احمد خاں بنگش وغیرہ ابراہیم خاں گاردی اور چند دیگر سرداران مرہٹہ کے مورچوں کے مقابل متعین ہوئے۔ مورچوں کی اسی تقسیم کی بناء پر جب ابراہیم خاں گاردی نے اپنے توپ خانہ کے ساتھ جنبش کی تو وہ اوّل اوّل حافظ الملک ہی کے مورچوں کی طرف متوجہ ہوا اور بیک وقت اپنی توپوں کے منہ کھلوا کر آتشین گولے برسانا شروع کر دئے۔ حافظ الملک کی جانب سے عنایت خاں، دوندے خاں اور فیض اللہ خاں وغیرہ ان کے مورچوں کی قیادت کر رہے تھے۔ یہ لوگ بھی مردانہ جنگ میں کوشش کرنے لگے۔ اور ابراہیم خاں گاردی کے قریب تر پہنچنے کے انتظار میں توپوں کی زد سے مقتولین ومجروحین کی کچھ پروا نہ کر کے نہایت ثبات واستقلال کے ساتھ میدان میں قدم جمائے رہے۔ ابراہیم خاں گاردی فن گولہ اندازی میں گویا سحر سامری کا عامل تھا۔ توپ وگولہ کے قلعہ آتشین کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور افغانوں کو پلک مارنے اور قدم اٹھانے کی فرصت نہ دی۔ چنانچہ ہزاروں افغانان روہیل کھنڈ کشتہ

---

[1] باجی راؤ پیشوا کے بھائی چمناجی آپا کا لڑکا تھا جب وہ دس برس کا تھا تو باپ کا انتقال ہو گیا اس کے مزاج میں بے جا غرور اور جسارت بہت تھی۔ (”ہندوستان کی حالت برطانوی تسلط کے قریب“)

—— (٭) ——

ومجروح ہوئے، اور اس پُر آشوب وقت میں سراسیمہ و پریشان ہو کر پسپا ہونے لگے اور احمد خاں بنگش سے جو گولوں کی زد سے کچھ ہٹے ہوئے متعین تھے جا ملے، نواب احمد خاں نے ان لوگوں کو طعن وتشنیع کر کے اپنے ہمراہ لیا اور عنایت خاں کی کمک پر جو ہراول لشکر[1] تھے روانہ ہوئے۔ ابھی عنایت خاں کے لشکر میں پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ اس عرصہ میں عنایت خاں نے اپنے لشکر کی پریشانی دیکھ کر بہ سرعت تمام بڑی دلیری او شجاعت کے ساتھ فوجِ غنیم پر حملہ کر دیا ان کے ہمراہیوں میں سے جو لوگ توپ وتفنگ کے صف شکن صدمات سے زندہ بچ سکے انہوں نے شمشیر وخنجر سے ایسی مردانہ کوشش کی کہ ابراہیم خاں گاردی کی صفوں کو منتشر ہو کر اور توپ خانہ چھوڑ کر شکست کھانی پڑی عنایت خاں اس کے توپ خانہ پر متصرف ہو گئے اور اسی توپ خانہ کو ان کے ہمراہی افغانوں نے دشمن پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ بھاؤ وغیرہ جو ابراہیم خاں کی پشت پر کھڑے ہوئے حالات جنگ کا مشاہدہ کر رہے تھے ابراہیم خاں کی مدد کو آ گئے اور اسی ہزار سواروں کے ساتھ افغانوں کے سر پر جو ابھی دم بھی نہ لینے پائے تھے ٹوٹ پڑے یہ حملہ افغانوں پر ایسا شدید تھا کہ ہر چند انہوں نے مدافعت میں کوشش کی ہزاروں سواران مرہٹہ کو گھوڑوں پر سے اتار اتار کے قتل بھی کیا، لیکن پھر بھی ان کی جماعت کو منتشر ہونا پڑا۔ تاہم عنایت خاں کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی اور وہ دوندے خاں، فیض اللہ خاں، شیخ کبیر اور سید معصوم شاہ وغیرہ جانبازاور نامور رسالداران روہیل کھنڈ کے ساتھ مدافعت ومحاربت میں مشغول رہے۔ اس نازک موقع پر نواب احمد خاں بنگش نے بڑا کام کیا، تمام بھاگے ہوئے افغانوں کی دلدہی کر کے اور اپنے ہمراہ لا کر عنایت خاں کی کمک کو پہنچ گئے جس سے عنایت خاں اور ان کے ہمراہیوں کے سروں سے فوری موت ٹل گئی اور وہ تھوڑی

---

[1] گل رحمت

دیدہ اور دل کھول کر شمشیر زنی کر کے ان لوگوں نے ایسے ایسے عدیم المثال کارہائے رستمانہ انجام دیئے کہ سارا میدان جنگ اللہ اکبر اور عنایت خاں زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ لیکن اس بہادری کے باوصف فوج غنیم کی کثرت سے کچھ پیش نہ گئی اور افغانوں کا معاملہ مشکل میں پڑ گیا۔ اس وقت شاہ درانی ولایتی فوج کے ہمراہ ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہوئے میدان جنگ کی کیفیت دیکھ رہے تھے۔ جب افغانان روہیل کھنڈ کی ضعیف الحالی ملاحظہ کی تو میدان جنگ سے نظر ہٹا کر اپنے قریب کے ولایتی سرداروں پر ایک نگاہ ڈالی۔ حاجی عطائی خاں سامنے کھڑے تھے۔ حکم دیا:۔

"برو کمک عنایت خاں بکن"!

حاجی عطائی خاں حکم پاتے ہی فوراً اپنے چھ ہزار سواروں کے ساتھ فوج افغان اور لشکر مرہٹہ کے درمیان داخل ہو گئے۔ پہلے ایک فیر بندوقوں کا کیا جس سے فوج غنیم میں انتشار پیدا ہوا پھر شمشیر زنی شروع کی اور آناً فاناً میں گروہ مخالف میں تہلکہ ڈال دیا۔ اسی کشت و خوں میں حاجی عطائی خاں مارے گئے۔ حاجی عطائی خاں احمد شاہ درانی کی فوج میں ایک نوعمر، خوبصورت نہایت جری، مستقل مزاج، صادق القول اور انتہا سے زائد بہادر شخص تھے۔ حاجی عطائی خاں کے بعد شاہ درانی نے شاہ پسند خاں کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا وہ بھی بہت کچھ دادِ شجاعت دیکر قتل ہوئے۔ جس وقت یہ واقعات روہیلوں کے مورچہ پر پیش آرہے تھے نواب نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کے مورچہ کی یہ کیفیت تھی کہ اس پر جہادا جی سندھیا اور ملہار راؤ ہلکر دونوں نے حملہ کیا تھا، مگر نجیب الدولہ کی فوج نے بڑے استقلال و بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے ملہار راؤ کو تو شروع ہی لڑائی میں بھگا دیا۔ اور جہادا جی سندھیا بھی بعد جنگ و پیکار بسیار راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ نواب نجیب الدولہ دست بہ شمشیر ہو کر اور خدا پر بھروسہ کر کے مع اپنے جاں نثار وفاداروں کے مرہٹوں کی فوج پر جا پڑے۔ بھاؤ اور بشواس راؤ نے اس جانب شکست ہوتی دیکھ کر بیس ہزار تازہ دم فوج کو حملہ کرنے کا

حکم دیا اس وقت نواب نجیب الدولہ اور ان کی فوج نے سینہ سپر ہو کر خوب حق مردانگی ادا کیا، تمام میدان اور زمین و آسمان تاریک نظر آتے تھے۔ خاک ہوا میں اس قدر اڑی تھی کہ آفتاب نظروں سے غائب تھا۔ زمین پر خون کے ندی نالے بہہ رہے تھے گویا غبار ابر خونبار تھا جس میں تلواریں مثل بجلی کے چمک رہی تھیں بڑے کشت وخون کے بعد مرہٹوں کو شکست ہوئی اور نجیب آباد کے پٹھانوں نے دس کوس تک ان کا تعاقب کیا۔[1]

حاجی عطائی خاں اور شاہ پسند خاں کی ولایتی فوج نے بھی جس نے اپنے سرداروں کے مارے جانے سے میدان نہیں چھوڑا تھا جوش انتقام میں لشکر مرہٹہ کے خیموں میں آگ لگادی اور ان کو تاخت و تاراج کر دیا۔ بھاؤ وغیرہ بڑے بڑے سرداران مرہٹہ اپنے ڈیرے خیموں کی تاخت و تاراج کی خبر سن کر سراسیمہ و مضطرب ہو گئے۔ وہ ابھی اسی فکر میں تھے کہ شاہ درانی نے اپنے غلاموں کے ایک دستے کو حکم دیا کہ ان لوگوں پر جو ایک جگہ کھڑے ہوئے کمکی فوجیں بھیجنے کی تجویزیں کر رہے ہیں، ایک فیر بندوقوں کا کریں اس کے بعد تلواریں نکال کر دشمن کو قتل کرنا شروع کر دیں۔ غلاموں کا دستہ حسب الحکم حملہ کر کے گھس گیا اور جہاں بھاؤ، وسواس راؤ۔ رگھوناتھ راؤ۔ شمشیر بہادر اور جھنکو وغیرہ بکثرت سرداران مرہٹہ کھڑے ہوئے تھے پہنچکر بندوقیں چھوڑ دیں۔ بتائید الٰہی و اقبال شاہی مرہٹوں کے قریب قریب تمام نامور سردار مع بھاؤ ہدف تیر تقدیر بن گئے اور ہاتھیوں کی عماریوں میں بندوقوں سے گولیاں کھا کھا کر گر گئے۔[2] اس وقت ایک طرف سے فوج درانی شمشیر بکف مرہٹوں کے

---

[1] تاریخ نجیب آباد۔ مولفہ مولانا اکبر شاہ خاں [2] تاریخ افغانستان موسوم بہ نقش سلیمانی کے مولف لکھتے ہیں کہ بھاؤ کا قتل عنایت خاں کے ہاتھ سے ہوا چنانچہ ان کی تحریر ہے:۔

"عنایت خاں نے اسی دار و گیر میں بعد جنگ و جدال بسیار اپنے آپ کو اس گروہ میں کہ جس کا بھاؤ افسر تھا قریب اس کے پہنچایا بھاؤ نے اولاً نیزہ عنایت خاں پر مارا۔ عنایت خاں نے از راہ چالاکی و چستی اپنے آپ کو نیزے کی انی سے بچا کر برچھا اس کا بقوت تمام ہاتھ سے پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ بھاؤ پشت اسپ سے"

قتل پر پل پڑی اور دوسری طرف افغانان روہیل کھنڈ جو کمک کے منتظر تھے فوج شاہی کے ہمراہ دشمنوں کے قتل میں مصروف ہوئے، کشتوں کے پشتے لگ گئے اور مرہٹہ فوج اپنے سرداروں کے قتل ہونے سے حیران و پریشان ہو کر میدان جنگ سے منہ موڑ کر مائل بہ فرار ہو گئی۔ اس حال کو مشاہدہ کر کے احمد شاہ درانی نے حکم دیا کہ مفرورین کا دہلی تک تعاقب کیا جائے اور جس مرہٹہ کو جہاں پاویں قتل کریں۔ اسی اثناء میں حافظ الملک بھی پالکی میں سوار ہو کر میدان جنگ میں تشریف لائے اور عنایت خاں اور فیض اللہ خاں وغیرہ سرداران روہیل کھنڈ کو بخیریت و سلامت پا کر نہایت مسرور و محظوظ ہوئے۔ عنایت خاں کا یہ حال تھا کہ زخموں سے چور تھے لیکن تلوار ہنوز ہاتھ میں تھی کیونکہ شمشیر زنی سے ہاتھ ورم کر گیا تھا اور اس میں اس قدر خون جم گیا تھا کہ تلوار کا قبضہ چپک کر رہ گیا تھا[۱]۔ ولایتی فوج اور امرائے ہندوستانی کی سپاہ مرہٹوں کا تعاقب کرتی ہوئی دہلی تک گئی جو وہاں سے تین دن کی راہ پر تھی۔ میدان پانی پت میں اور اس تین روز کے عرصہ میں دو لاکھ سے زاید مرہٹے مارے گئے باقی زخمی ہوئے اور کل لشکر میں سے صرف ایک چوتھائی جان بچا کر بھاگ سکے[۲]۔ جو دو تین سردار

---

[۵] اکھڑ کر فرش زمین پر گرا سے

زشمشیر عنایت خاں وراں جنگ ؛؛ اجل گفتا سر بھاؤ تماشہ

عنایت خاں نے سبکدستی سے سر اس کا کاٹ کر اور طبل فتح بجوا کر معاودت کی۔ زاں بعد عنایت خاں نے حاضر ہو کر سر بھاؤ احمد شاہ درانی کو پیش کش کیا۔"

[۱] عنایت خاں سو مشہور ہیں، ان کے ہاتھ اس قدر لانبے تھے کہ گھٹنوں سے بھی نیچے تھے جس کے باعث تلوار چلانے میں وہ اپنے زمانہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

[۲] ہسٹری آف دی مرہٹاز۔ گرانٹ ڈف۔ پانی پت کی یہ لڑائی مہابھارت کے بعد سب سے بڑی لڑائی خیال کی جاتی ہے۔

بہ ہزار خرابی اپنی جان بچا سکے ان میں ملہار راؤ ہلکر اور جہانکوجی سندھیا بھی شامل تھے ملہار راؤ سابقہ احسانات کی وجہ سے نجیب الدولہ کی چشم پوشی سے بچ گیا۔ سندھیا پر یہ واقعہ گزرا کہ ایک ولایتی سوار نے ساٹھ کوس تک اس کا تعاقب کر کے پاؤں میں گولی کی ضرب ماری۔ جب وہ زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا تو صرف اس کا سازو سامان لے لیا جان سے نہیں مارا۔ لڑائی کے بعد تمام سرداران افغانی کو جھنکو کی بہت تلاش تھی کہ مارا گیا یا فرار ہوا۔ جھنکو کا یہ حشر ہوا کہ عام بھگدڑ میں وہ بھی ایک تیز رو گھوڑے پر تنہا بھاگا ہوا جا رہا تھا کہ اس کے زیورات طلائی اور اس کی جواہرات سے جڑی ہوئی تاج نما کلاہ پر ہمراہیان عنایت خاں میں سے ایک افغان کی نظر پڑی۔ کلاہ کے لالچ میں فوراً اپنا گھوڑا جھنکو کے پیچھے ڈال دیا جھنکو نے جو دیکھا کہ سوار بہ ارادہ قتل تعاقب کئے چلا آتا ہے بخوف جان اپنے گھوڑے کو اور تیز کر دیا لیکن سوار کو طمع کلاہ نے باز نہ رکھا پیچھا ہی کئے چلا گیا تیس کوس پر آ کر افغان بلائے ناگہانی اور قابض ارواح کی طرح جھنکو کے سر پر نازل ہو گیا۔ پہلے ایک ہاتھ تلوار کا مارا تو اس سے جھنکو کے گھوڑے کی گردن کے دو ٹکڑے ہو گئے جس کی وجہ سے جھنکو زمین پر گر پڑا دوسرے ہاتھ میں افغان نے اس کا سر کاٹ لیا اور کلاہ و زیور وغیرہ کے ساتھ سر کو لے کر شادکام اپنے لشکر کی طرف واپس آیا، قریب کرنال پہنچا تو کلاہ کو گوبر کے ایک ڈھیر میں چھپا کر جھنکو کے سر کو عنایت خاں کے روبرو لا کر پیش کر دیا۔ عنایت خاں نے کہا:۔

"خان۔ جھنکو کا سر تم کاٹ لائے اور اس کی کلاہ کون لے گیا!"

چونکہ یہ لوگ راست بازی میں مشہور تھے۔ افغان نے کہا۔

"اس کی کلاہ کو ہم نے گوبر میں چھپا دیا ہے وہ بہت اچھی ہے آپ لے گا ہمیں نہیں دے گا!"

عنایت خاں نے کہا نہیں تم کلاہ لے آؤ ہم تمہیں بہت سی اشرفیاں دیں گے۔ افغان جلد واپس گیا اور کلاہ لا کر پانچسو اشرفیوں کے عوض عنایت خاں کو حوالہ کر دی۔ اسی روز عنایت خاں

نے جھنکو کا سر شاہ درّانی کو نذر کیا جس کو دیکھ بادشاہ بہت خوش ہوئے اور عنایت خاں کی پیٹھ ٹھونک کر فرمایا کہ ؎

اے فتح بنام تو نہادم مبارکباد ! آفریں بر تو و رحمت خدا بر پدر تو

شاہ درّانی کے حکم سے مرہٹوں کا لشکر لوٹا گیا تو سوا کھانے کے سامان کے ہر قسم کا اسباب موجود تھا، خیمے اور بازار ہر طرح کے مال سے بھرے ہوئے تھے۔ سیر المتاخرین میں مرقوم ہے کہ جواہرات، نقد و جنس اور توپ خانہ کے علاوہ اس معرکہ میں افغانوں کو دو لاکھ بیل گئی ہزار اونٹ، پانچسو ہاتھی اور پچاس ہزار گھوڑے ہاتھ لگے۔ جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ میدان جنگ کے بھاگے ہوئے مرہٹے ایسے مفلوک الحال تھے کہ ان میں سے بیس ہزار بمدت تک برہنہ بھیک مانگتے پھرے۔ آخر کار سورج مل جاٹ نے ہر ایک کو ایک ایک کمبل اور دو دو روپے دے کر دکن کو روانہ کیا۔ دوسرے راجپوت سرداروں نے بھی یہی سلوک کیا اور بارہ ہزار مرہٹوں کو شجاع الدولہ نے دو دو روپے دلا دئے جو کالپی کی طرف چلے گئے۔ مرہٹوں کو ایسی بھاری شکست کبھی پیش نہ آئی تھی۔ اس شکست کی ملک کے طول و عرض میں شہرت ہوگئی تمام مرہٹہ قوم میں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی اور ایک عام مایوسی چھاگئی۔ بالاجی پیشوا بھی اس صدمہ سے چند روز کے بعد مر گیا اور اس کی موت کے ساتھ ہی مرہٹوں کا آفتاب اقبال بھی ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ برعکس اس کے احمد شاہ درانی کو ایک ایسی فتح عظیم حاصل ہوئی کہ جس کو عظیم ترین فتوحات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ غلام علی آزاد نے اس فتح کی یہ تاریخ نظم کی ہے۔

شاہ بھاؤ را پس از تا بکشت ؛ کرد در آغاز و در انجام فتح
صور نائی خامہ تاریخش نواخت ؛ شاہ درّانی نمودہ باز فتح
۱۱۷۴ھ

۱؎ تاریخ سلیمانی

یہ جنگ عظیم ۷ رجنوری ۱۷۶۱ء مطابق ۶ رجمادی الآخر ۱۱۷۴ھ کو بدھ کے دن واقع ہوئی تھی ایک ہندی تاریخ کہنے والے نے بھی حسب ذیل تاریخ کہی ہے :-

گیارہ سو چوہتر میں دن بدھ پڑا جو چھارہ؟ چھٹی جمادی الثانی کو شہ جنیا بھاؤ مارا

واقعات بعد از جنگ

چونکہ اس جنگ میں ابراہیم خاں گاردی کے ہاتھ سے افغانان روہیل کھنڈ پر بہت تباہی آئی تھی اس وجہ سے احمد شاہ درانی نے تاریخ فتح سے اس کی تلاش پیش نظر رکھی۔ چند روز کے بعد خبر داروں نے اطلاع دی کہ وہ افغانان روہیل کھنڈ کے پاس مقید ہے۔ شاہ درانی نے اس کا حال حافظ الملک سے دریافت کیا انہوں نے بہ تقاضائے رحم دلی اول اول انکار کیا۔ بادشاہ نے قسم کھانے کے واسطے فرمایا تب حافظ الملک نے مجبور ہو کر اقرار کر لیا اور ابراہیم خاں کو حضور شاہ میں روانہ کر دیا لیکن اس کے لڑکے کو مخفی طور پر رہا کر دیا۔ چونکہ شاہ درانی اس سے قبل کئی مرتبہ ابراہیم خاں گاردی کو پیغام اطاعت دے چکے تھے اور اس نے ہر مرتبہ اپنے آقا مرہٹوں کے خلاف بے وفائی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے بادشاہ نے افغانوں کے خون کے بدلے میں اسے قتل کرا دیا[1]۔ غازی الدین خاں عماد الملک جو اس بڑی لڑائی کا بانی مبانی تھا اس کا دوران جنگ میں کہیں ذکر ہی نہیں آیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ابتدا ہی میں اس نے مرہٹوں کی آنے والی تباہی کو تاڑ لیا اور میدان جنگ سے کھسک گیا۔ کچھ دنوں سورج مل جاٹ کے ساتھ بھرت پور میں رہا پھر دکن چلا گیا اور بیس سال تک بھٹیں بدلے مارا مارا پھرا کیا اس آوارہ گردی میں کوئی کام ایسا نہ کیا جس سے تاریخ میں اس کا ذکر آتا ۱۷۹۰ء میں انگریزی پولیس نے گرفتار کیا تو اس کا حال معلوم ہوا اور گورنر جنرل کے حکم سے مکہ معظمہ بھیج دیا گیا آخر عمر میں اس نے پھر ہندوستان آکر احمد شاہ ابدالی کے جانشین تیمور شاہ سے اخلاص پیدا

---

[1] گل رحمت

کیا اور ملتان کے صوبہ دار سے یارانہ جوڑا۔ یہاں آکر پیام موت نہ آجاتا تو ضرور کوئی نہ کوئی نیا فساد کھڑا کرتا۔[1]

احمد شاہ درانی کی مراجعت قندھار حافظ الملک کی سفارش پر شجاع الدولہ سے بدگمانی کا ارتفاع

جنگ کے بعد احمد شاہ درانی نے تقریباً ایک ہفتہ تک میدان پانی پت میں ٹھہر کر اپنا سامان سفر درست کیا جب سب انتظامات مکمل ہو گئے تو دہلی کی طرف کوچ کیا اور بڑے جاہ وحشم کے ساتھ مع جملہ امرائے ہند شہر میں داخل ہوئے، قبل روانگی قندھار تمام سرداران افغانان کو آپس میں متحد و متفق رہنے کی نصیحت کی لیکن وہ شجاع الدولہ کے طرز عمل سے مطمئن نہیں تھے اس لئے ایک روز تخلیہ میں حافظ الملک سے ارشاد کیا

"میرا ارادہ ہے کہ شجاع الدولہ کو اپنے ہمراہ ولایت کو لے جاؤں اور اپنے امراء دربار کے زمرہ میں منسلک کروں تاکہ سلطنت ہند میں قوم افغان کے سرداروں کے سوا دوسرا کوئی نہ رہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ کس وقت اس شخص کے ہاتھ سے تم لوگوں پر بلا نازل ہو"

حافظ الملک نے جو شجاع الدولہ کو اپنا ہمدرد و معاون سمجھتے تھے فرمایا کہ:-

میرے اور صفدر جنگ کے درمیان جو مراسم یک جہتی قائم ہو گئے تھے وہ زبان زد عالم ہیں اور شجاع الدولہ نے بھی اس وقت تک ہماری موافقت سے سرتابی نہیں کی ہے، اگر جہاں پناہ اس کو ولایت لے جائیں گے تو اس احقر کی تمام ملک میں بدنامی ہو جائے گی کہ ایک شخص غیر جو ہمارے درمیان باقی رہ گیا تھا اس کو بھی ملک ہندوستان سے خارج کر دیا۔[2]

---

[1] تاریخ ہندوستان مولفہ مولوی ذکاء اللہ جلد نہم [2] یہ واقعہ گل رحمت۔ گلستان رحمت اور تاریخ افغانستان موسوم بہ نقش سلیمانی میں مذکور ہے۔

بادشاہ نے طوعاً و کرہاً حافظ الملک کی اس سفارش کو قبول کرلیا اور شجاع الدولہ کو تاکید اکید فرمائی کہ شاہ عالم بادشاہ کی جو اپنے باپ عالمگیر ثانی کے شہید ہونے سے قبل بنگال کی طرف چلے گئے تھے فرمانبرداری کریں۔ بعد ازاں شاہ درّانی نے شاہ عالم بادشاہ کی وزارت کا عہدہ شجاع الدولہ کو سپرد کیا اور شاہ عالم کے لڑکے مرزا جواں بخت کو نائب السلطنت مقرر کر کے نواب نجیب الدولہ کو منصب امیر الامرائی پر فائز کیا اور حکم دیا کہ شاہزادے کے ساتھ دہلی میں مقیم رہیں۔ نواب احمد خاں بنگش کو منصب بخشی گری پر ممتاز کیا اور حافظ الملک کو اپنی جانب سے بادشاہ ہندوستان کے پاس وکیل مطلق یا مختار کل مقرر فرمایا۔ اسی طرح تمام دوسرے امراء کو مناصب و خلعت ہائے سرفرازی عطا کئے، چونکہ جنگ پانی پت میں عنایت خاں اور دوندے خاں سے جد وجہد بے قیاس اور عدیم المثال بہادری ظہور میں آئی تھی اس لئے سرکار اٹاوہ عنایت خاں کو اور شکوہ آباد دوندے خاں کو بطور انعام عطا فرمایا گیا۔ جاگیر کے علاوہ عنایت خاں کو منصب ہفت ہزاری خلعت و اسپ خطاب نوابی اور نوبت وعلم بھی مرحمت کئے گئے۔ اس غیر معمولی سرفرازی کے وقت عنایت خاں نے اپنی عمر کے اکیسویں سال میں قدم رکھا تھا۔ قطعہ

پر طاؤس در اوراق مصاحف دیدم ؛ گفتم این منزلت از قدر تو می بینم بیش

گفت خاموش کہ ہر کس کہ جمالے دارد ؛ ہر کجا پائے نہد سر نگذارندش پیش

مذکورہ بالا عطیات سے ہر شخص کو مطمئن اور شادکام کرنے کے بعد ۱۶ شعبان ۱۱۷۴ھ کو اپنی فتح سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھائے بغیر شاہ درّانی معاودت فرمائے قندھار ہو گئے۔ کاش اس موقع پر احمد شاہ درّانی بابر کی طرح تخت دہلی پر خود قبضہ کر لیتے تو ہندوستان میں دو تین صدی کے لئے اور ایک طاقتور اسلامی خاندان کی حکومت قائم ہو جاتی لیکن جس قوم پر ادبار و زوال آنے والا ہوتا ہے اس کی تقدیریں اسی طرح بن بن کر بگڑ جاتی ہیں ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

جنگ پانی پت کے بعد حافظ الملک کی بریلی کو واپسی

احمد شاہ درانی کے قندھار روانہ ہونے کے بعد شجاع الدولہ اور نواب احمد خاں بنگش اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے اور نجیب الدولہ شاہزادہ جواں بخت کے حضور میں دہلی ہی میں مقیم ہو گئے۔ حافظ الملک بھی دوسرے امرار روہیل کھنڈ کے ہمراہ نہایت شان و شوکت کے ساتھ عازم بریلی ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچے تو بخشی سردار خاں، فتح خاں خانساماں وغیرہ رسالداروں کے علاوہ قضات۔ سادات۔ علماء و فضلاء اور ہزارہا اہالیان شہر نے حاضر خدمت ہو کر مراسم تہنیت و مبارکباد ادا کئے اور وہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔

قصیدۂ ہفت بند گذرانیدۂ محمد عالم

اس عام مسرت و شادمانی کے موقع پر حافظ الملک کے وابستۂ دولت شاعر محمد عالم نے ایک قصیدۂ ہفت بند پیش خدمت کیا جو درجِ ذیل ہے:-

لوحش اللہ آں نگار ناز پرور میرسد	نو بہارِ سرو و شمشاد و صنوبر میرسد
رنگ مرکز دیدۂ صیقلگر آئینہ شد	عارضش از سبزۂ خط باصفا تر میرسد
بے سخن آں لعل نوشینِ حلاوت پرورش	گر بگیر دخردہ بر قند مکرر میرسد
نازپرور عشوہ گر دلبر زخود ہر بے خبر	باہمہ خوبی بلا شوخ و ستمگر میرسد
کاشکے وحی الٰہی سازوش خاطر نشیں	ہم بوجدان خودش عرض مکرر میرسد
کای ترحم از شہیدانِ بخون غلطیدہ ات	عالمی از ترکِ حشمت خاک بر سر میرسد
پر ضروری ہم نگر داست این قدر جور و جفا	ہیچ میدانی کہ امیں عدل پرور میرسد
گوہرِ تاجِ نوازش خان کیخسرو کلاہ	مرحبا با شوکتِ صد چوں سکندر میرسد

جز بمدحش لب کشادن چون بمعنے ریختن — بے ثنائش از نفس در سینہ نشتر میرسد
مہر تاباں در حریم خاص روئے انورش — گر نویسد خویش را از ذرہ کمتر میرسد
آں ہوادار وصی مصطفےٰ کز روی قدر — ذات پاکش نسخہ ناموس اکبر میرسد
گاہ مدح آں حکیم طور اعجاز سخن — شمع فکرم از تجلی شعلہ افسر میرسد
از چراغ عمر خصیم تیرہ روز او مپرس — روغنش از تفتہ ریگ دشت محشر میرسد
می برد سرمایہ صد بحر و کاں بے انتظار — بر در دریا نوالش ہر کہ مضطر میرسد
بے تکلف بے تصنع خان معنے آفریں — آفریں صد آفریں بافر دیگر میرسد

از قدوم نو بہار آرا اے خان جم شکوہ
گشتہ یک لخت زمرد پائے تا سر دشت و کوہ

ای منم گر شاہد مقصد نشان آوردہ ام — رو نمائش یک جہاں نقد رواں آوردہ ام
ابر نیساں چوں نباشد حلقہ در گوش دلم — از ثنائے سر ورے لب درفشاں آوردہ ام
جلوۂ طاؤس جنت گر ندیدستی ببیں — طبع را از فکر مدحش آں چناں آوردہ ام
گر نہ وصف خط مشکینش رقم کردم چرا — زلف سطر نامہ را عنبر فشاں آوردہ ام
سر بسر گیہا چرا بر چرخ نفروشم کہ من — رو بدر گاہ خدیو خردہ داں آوردہ ام
چہرۂ کالائے دانش بود در گرد کساد — از سحاب ہمتش سیل رواں آوردہ ام
چوں نباشم سرو آزاد گلستان سخن — در ثنائش ہمچو سوسن دہ زباں آوردہ ام
ہر کسے آوردہ آوردی بقدر حال خویش — من دعائے دولتت را ارمغاں آوردہ ام
سخت میخواہم کہ باشم عرضہ خواں انتخاب — یا ز حد بیروں نہادم ترجماں آوردہ ام
نے غلط ایں ما کہ گفتم نیست چندا نے بعید — ہرچہ از اسباب صوری می تواں آوردہ ام
ہست معنے میرزا جو یا کہ سر فطرت ست — ہم معرف ہم مزکی ہم ضماں آوردہ ام

آرزوئے عرضہ خوانی از دلم سر می زند
یا علی یا بخت یا طالع مدد خواہم مدد

آمد آں سر کردۂ صاحب کمالاں مرحبا
قوتِ دل فرحتِ تن راحتِ جاں مرحبا

جوہرِ آئینۂ فطرت سکندر بارگاہ
آں کہ می زیبد جم و دارا اش دربان مرحبا

موسمِ کم قدریٔ اربابِ معنیٰ رفت وقت
آمد آمد قبلہ گاہِ نکتہ سنجاں مرحبا

جود را نازم کہ می زیبد تکلف یکطرف
ہمتش را حاتم طی میر ساماں مرحبا

لفظِ وصفِ فکرِ رنگینش جاری بر زباں
می کند مستغنیت از بیرۂ پاں مرحبا

میزبانِ روئے مہر آراش چوں گستر د خواں
ماہ نوشد کامیاب از یک لب ناں مرحبا

عدل را نازم کہ دیگر از پریشانی اثر
نیست جز در حلقۂ گیسوئے خوباں مرحبا

اے محاسب جمع کن تضعیفِ شطرنجِ کبیر
آں قدر ہا خیر مقدم گو دو چنداں مرحبا

در امارت در ایالت در فضیلت در سخا
آمدہ ضرب المثل صد شکر یزداں مرحبا

آفت عین الکمال از دولت او دور باد
ہر کہ بدخواہش الٰہی تا ابد رنجور باد

خلوتِ دل با تجلی چہرہ در درخشندگی ست
غیرتِ صد مہر عالمتاب در درخشندگی ست

خاطرِ پیر و جواں چوں غاطر مستاں خوش نشست
جانفزا موجِ ہوا چوں ابر بے باریدگیست

نشاء ایں مایۂ فرحت شناسی کز کجاست
فیضِ رنگین مقدمِ صبحِ بہارِ زندگیست

خانِ عالی مرتبت نوابِ گردوں منزلت
آنکہ پا انداز بخششِ یک جہاں فرخندگیست

آنکہ غواصِ محیطِ گوہر مدحش نشد
بے تکلف غوطہ خوار لجۂ شرمندگیست

برق جولاں او ہم آواز کجا با واز کجا
جبہہ اش در زیر داغِ خجلتِ واماندگیست

نقدِ قلبِ جاں نثارِ مقدمِ او می برم
وا دریغا تا کجا ہا خجلت و شرمندگیست

چوں حریفِ باختہ در ششدرِ حیرت فتد
ہر کہ در ایامِ عدلش بر سر مایندگیست

اے خوش آں کو بندۂ خاکِ درِ نواب شد
مایۂ آزادیٔ آزادگاں ایں بندگیست

جز بمدحش لب کشایم من معاذاللہ دروغ
کردہ ام با خود مقرر ایں چنیں تا زندگیست

چشم بد دور از شکوہ عدل و انصاف و کرم | دستگیر بے کساں در حالتِ درماندگیست
ہے چہ میپرسی ز خصم بزجگر نامش مبر | تیر رفتے ترکش بے غیرتے ترسندگیست

در تولای شہ مرداں وصی مصطفےؐ

درجہاں مثلے ندارد ہمچو بوذر مرحبا

آمدہ نواب عالی شاں بساماں دگر | خطۂ جنت نشاں شد باغ رضوان دگر
جبہۂ دارد درخشاں زمہر خاوری | از دل و دستش چگویم ابر نیساں دگر
در دلم شد جلوہ پیرایا درنگیں مقدمش | گشتہ ہر جزو تنم جزو گلستان دگر
ہمت ملک بخش او نازم کہ بر خرد و بزرگ | می کند ہر روز لازم شکر احسانِ دگر
تا قدم زد آں فلاطون فطرت و بقراط ہوش | خطۂ جنت نشاں گردید یونانِ دگر
قصر جاہش از کجا و قصر گردوں از کجا | آمدہ ایں با شکوہ و رفعت و شان دگر
ہر سپہر فطرت و دانش تکلف بر طرف | آمدہ رائے منیرش مہر تابانِ دگر
گرچہ لطفش آشکارا بر کہ و مہ شامل ست | دیدمش با نکتہ سنجاں لطف پنہان دگر
روز روشن شد شب قدرے دو چار اہل ہوس | چوں نیاید بر جست مردم ثنا خوان دگر
آسماں گو داغ شو از رشک کامہ روئے کار | از کف دریا نوالش ابر باران دگر
نیک خواہت خصم جاہت باد دائم بے گزاف | آں گل باغ صفا ایں ریگ میدان دگر

آمدہ نواب ما با فرِ دیگر مژدہ باد

داد گر جواد عادل نکتہ بیر و رفردہ باد

آمدہ نواب خاں نکتہ داں وقت وقت | نغمہ شکر الٰہی اے زبان وقت وقت
میرسد گستاخ ظالم عادلی مشکل پسند | گر باستقبال خواہی کفت جان وقت وقت
خضر وقتے میرسد اے گلشن کشمیر ما | گر کنی دریوزہ عمر جاوداں وقت وقت
فیضہا دارد شنایہ طلوع آں صبح خود | گر بمدحش می شوی رطب اللساں وقت وقت

هرچه از غث و ثمین فکر داری زود باش
پیش خانِ نکته پرور بگذراں وقتست وقت

هرچه می خواهد دلت از خانِ احسانش طلب
خوش کریم افتاده الحق میزباں وقتست وقت

اے بیا گستاخ ظالم شوخ ناپروا بیا
در ہمایوں محفل نواب خاں وقتست وقت

ماجرائے چوں درائی سرگذشتِ حالِ خویش
پیش خانِ نکته داں از بر بخواں وقتست وقت

جو درے صاحب زماں تقریبِ عرضِ مطلبے
کار فرما خود تو ہم نطق و بیاں وقتست وقت

تیغ ناموس چوں چہا کرد ست بر ما بے کساں
ہاں بحالِ صاحب بکن خاطر نشاں وقتست وقت

اے حکیم خان عالیشاں فلاطونِ زماں
گر کنی گستاخ مارا عرض خواں وقتست وقت

اے ندیمِ محفل نواب خانِ نکته داں
آرزو دارم کنی گستاخ مارا عرضه خواں

آمده گلدسته بند باغ احساں مژده باد
می شود از مقدمش دلہا گلستاں مژده باد

دانش و بینش بذاتِ پاکِ او جمع آمده
سر بر آورده دو جہر از یک گریباں مژده باد

کشتِ بختِ عالمی سرسبز خواہد شد دگر
از قدومِ آبروئے ابر نیساں مژده باد

قبلۂ ارباب معنی کعبۂ اہل سخن
آمده خوش با شکوهِ صد چو سحباں مژده باد

سیل تند عدل او چوں جلوۂ مستانه کرد
خانۂ ظلم و ستم گردید ویراں مژده باد

از بہارِ مقدم آں سرو گلزارِ کرم
کرده سر در صحن بستاں عندلیباں مژده باد

از شمیمِ گلشن خلقش به ہمراه صبا
آمده صد کاروانِ عنبر و یاں مژده باد

جود دریا پیکرش دست بخشش بر کشاد
عقده ہا مارا می شود از کارِ ہمیاں مژده باد

مرہم لطف و کرم آورده دستِ رحمتش
از برائے سینه ریشاں دردمنداں مژده باد

تا بگوش ظلم خورده شورِ آمد آمدش
رفت در ملک عدم افتاں و خیزاں مژده باد

وقت وقتِ عدل و داد و فضل فضلِ عشرتست
عمر غم دورِ ستم آمد بپایاں مژده باد

صبح آرام وطن از مشرق خواہش دمید
رفت از عالم بروں شامِ غریباں مژده باد

ابر احسان دوستدار ساقی کوثر رسید | آمد آمد دور دور مے پرستاں مژدہ باد
عرض حاجت نیست حاجت در گرامی خدمتش | آمدہ رائے منیرش روح وجداں مژدہ باد

مرحبا کز یمن مدح سرور ہمت بلند
شد محیط روم و شام آوازۂ ایں ہفت بند

(؞)

تاریخ قدوم نواب سخنور مآب مدظلہ السامی[1]

للہ الحمد کہ والا گہرے | آمد از حضرت شاہنشاہی
آنکہ آوازۂ جود و کرمش | خوب بگرفتہ زمہ تا ماہی
از پے سال قدومش کہ بود | مایہ شوکت والا جاہی
من سراپا شدہ فکر تاریخ | کہ خبر یافت بریں آگاہی

سر برآورد بہ تعجیل و بگفت
آمدہ نائب ظل اللٰہی

۱۰ ۶۱ ۱
۱۱۷۴ھ

[1] یہ قصیدہ اور قطعہ تاریخ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے کتاب خانہ حبیب گنج کے قلمی ذخیرہ میں محفوظ تھا، جس کو اس مرحوم نے از راہ شفقت بزرگانہ مولوی معین الدین صاحب افضل گڑھی ناظم کتاب خانہ سے نقل کرا کر مولف کو مرحمت فرمایا۔ افسوس ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود شاعر شیریں مقال محمد عالم کے حالات نہ معلوم ہو سکے۔

حافظ الملک کا پیلی بھیت میں ورود

چند روز بریلی میں قیام کے بعد اواخر ۱۷۶۱ء میں حافظ الملک پیلی بھیت تشریف لے گئے اوّل اپنی والدہ[1] کی قبر پر گئے۔ ان کی روح پر فتوح پر فاتحہ پڑھ کر نقد وجنس بے شمار بطریق خیرات اہل استحقاق کو عطا کیا اور حکم دیا کہ ہر روز اسی قدر روپیہ کا کھانا تیار ہو کر فقرا وصلحا اور علما کو بھیجا جاتا رہے۔ قرآن خوانی کے لئے چند حفاظ کے بھی وظیفے مقرر ہوئے۔ چنانچہ حافظ الملک کی حین حیات تک یہ طریقہ جاری رہا۔ فاتحہ اور دعا طلب رحمت وآمرزش اور مراسم خیرات وغیرہ ادا کرنے کے بعد دولت سرا میں داخل ہوئے۔ آئندہ کے لئے حافظ الملک نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جب کسی سفر یا مہم سے بخیریت واپس آتے تو سب سے پہلے قبر مذکور پر حاضر ہوتے اور ادائے نذر وسلام سے سعادت اندوز دارین ہوتے۔ جب کبھی اس امر کا موقعہ نہ ملتا اور والدہ کی جائے سکونت خالی نظر پڑتی تو بہت رقت طاری ہوتی اور مضطربانہ سب کام چھوڑ کر ان کی قبر پر پہنچنے کی کوشش کرتے جس سے سکون قلب نصیب ہو جاتا تھا۔

پیلی بھیت میں آئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور والدہ کی وفات کا غم فراموش نہ ہوا تھا کہ منجھلے صاحبزادہ ہمت خاں کے انتقال کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ حافظ الملک ان حادثات کے پیش آنے پر بھی اپنے ملک کے بہبود و ترقی کے کاموں سے غافل نہ رہے اور چند مہینے آرام کرنے کے بعد ان کی کوششیں تسخیر اٹاوہ اور شکوہ آباد کی طرف مبذول ہو گئیں

---

[1] حافظ الملک کی والدہ کا انتقال ۱۷۶۱ء میں بمقام پیلی بھیت ہوا تھا اور وہیں دفن ہوئیں۔ ہمت خاں کا مدفن بھی پیلی بھیت میں ہے لیکن قبروں کا صحیح نشان نہیں معلوم ہوا۔

(۱۸)

تسخیر اٹاوہ وشکوہ آباد

اٹاوہ اور شکوہ آباد کے یہ وہی علاقے تھے جن کو شاہ درانی نے قندھار جاتے وقت عنایت خاں اور دوندے خاں کو عطا کیا تھا اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے اس باب کے عنوان کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا جائے کہ جب یہ علاقے بطور عطیات مل چکے تھے تو اب ان کی تسخیر کی ضرورت کیوں پڑی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں بادشاہ کی جانب سے کسی حصۂ ملک کو عطا کرنے کے یہ معنے سمجھے جاتے تھے کہ گویا فتح کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ کیونکہ وہ خود دینے والے کے قبضہ میں نہ ہوتا تھا اور اس کا حاصل کرنا خالی از دقت نہ تھا چنانچہ ۱۱۶۲ھ میں حافظ الملک کے حکم سے ملا محسن خاں دس ہزار فوج کے ساتھ اٹاوہ وغیرہ کی فتح کے لئے روانہ ہوئے۔ ملا محسن جب اٹاوہ کے قریب پہنچے تو بالا پنڈت اور کشنا جو گوبند پنت کے قتل کے بعد سے اٹاوہ پر متصرف تھے۔ اپنی تمام فوج کے ساتھ شہر سے برآمد ہو کر حملہ آور افغانوں کے سدِ راہ ہو گئے۔ ملا محسن خاں نے ان کا مقابلہ کیا۔ ایک سخت لڑائی واقع ہوئی جس میں بہت کچھ کشت و خون کے بعد پنڈت مذکور کو میدان چھوڑ کر رام گڑھ کی طرف بھاگنا پڑا۔

بالا پنڈت کے فرار کے بعد ملا محسن خاں نے قلعہ اٹاوہ کا محاصرہ کیا جو تھوڑی سی جد و جہد کے بعد فتح ہو گیا۔ بعد ازاں ملا محسن خاں اطراف و جوانب کے سرکش زمینداروں کی سزا دہی میں مصروف ہوئے اور انہوں نے چار پانچ خام قلعوں کو منہدم کر کے ہر جگہ اپنے تھانے قائم کئے۔ لیکن چند زمینداروں نے پھر بھی اپنے ہمراہیوں کی کثرت اور جنگلوں میں جائے پناہ ہونے کے باعث اطاعت قبول نہیں کی۔ اس لئے ان لوگوں کی تنبیہہ کے واسطے

ملا مذکور نے مزید کمک کی درخواست کی اور حافظ الملک نے شیخ کبیر کو پانچ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ شیخ کبیر اور ملا محسن خاں نے مل کر قدم قدم پر فتوحات حاصل کرنا شروع کر دیں اور بہت جلد اٹاوہ اور شکوہ آباد فتح کر کے ان مقامات پر اپنا قبضہ کر لیا۔

---

(۱۹)
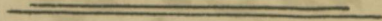
ایک طوائف کا قضیہ۔ شجاع الدولہ، شاہ عالم بادشاہ اور نجیب الدولہ کی فرخ آباد پر فوج کشی۔ حافظ الملک کی مداخلت سے صلح

جولائی ۱۷۶۳ء میں امراؤ گر گوشائیں[1] لکھنؤ کی ایک طوائف بتیہ نامی کو جس سے شجاع الدولہ کا تعلق تھا اور جس پر وہ دل و جان سے فریفتہ تھے لے بھاگا اور بارہ ہزار ناگوں کو ساتھ لے کر فرخ آباد میں چلا آیا[2]۔ شجاع الدولہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو ایک غضب آمیز خط نواب احمد خاں بنگش کو لکھا کہ:-

"ہمارے چور کو اپنے یہاں سے نکال دو اگر ایسا نہ کرو گے تو حق دوستی کے خلاف ہوگا اور اس سے فتنہ بھڑک اٹھے گا۔"[3]

---

[1] امراؤ گر گوشائیں، ہمت گر گوشائیں کا چیلہ تھا۔ نواب نجف خاں کی طرف سے پرگنہ اترولی ضلع علی گڑھ کا ناظم مقرر ہوا تھا۔ نواب صفدر جنگ کے انتقال کے بعد ان کی فوج میں گوشائیں بکثرت ملازم ہوئے۔ سچ پوچھئے تو ملازم کیا تھے اپنے آپ کو کرتا دھرتا سمجھتے تھے۔ ان کے سردار اسا ندر گر۔ انوپ گر اور ہمت بہادر بہت مشہور تھے (شروانی نامہ مرتبہ عباس خاں شروانی)

[2] تاریخ فرخ آباد مولفہ ولیم ارون۔

[3] تاریخ اودھ مولفہ مولوی نجم الغنی خاں

نواب احمد خاں بنگش بھی پٹھان تھے اور ایک اصلی پٹھان کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ صادق القول ہونے کے علاوہ اپنے مہمان کی خواہ وہ اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو اپنی جان سے زیادہ حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ بقول مؤلف حیاتِ افغانی پٹھانوں میں یہ مثل مشہور تھی کہ :-

"غلیظ اور ناپاک سور بھی گھر میں آجائے تو اس کو پناہ دو۔"

لہٰذا نواب احمد خاں نے شجاع الدولہ کو جواب دیا کہ :-

"میں سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا ہوں جو کچھ آپ کے دل میں ہو کیجئے میں امراؤ گر کو بلانے نہیں گیا تھا وہ از خود میرے علاقہ میں پناہ گزین ہوا ہے اور پناہ لینے والے کو میں کبھی دور نہیں کر سکتا۔"

ساتھ ہی احمد خاں نے امراؤ گر سے کہا کہ :-

"اگر سو شجاع الدولہ پیدا ہوں تو تم کو میرے یہاں سے نہیں نکال سکتے ویسے تم خود جانا چاہو تو کسی نے تمہارے پیر میں زنجیر نہیں ڈالی ہے۔"

شجاع الدولہ نواب احمد خاں کی طرف سے مذکورۂ بالا جواب پاکر بہت رنجیدہ ہوئے اور ایک ماہ بعد ایک کثیر لشکر کے ساتھ فرخ آباد پر چڑھائی کر دی۔ ان کے ہمراہ شاہ عالم بادشاہ بھی تھے جو نوابان بنگال اور انگریزوں کے ہاتھ سے کئی بار شکست کھانے کے بعد آج کل اودھ میں مقیم تھے۔ شجاع الدولہ نے نجیب الدولہ کو بھی جو جنگ پانی پت کے بعد ان کے پگڑی بدل بھائی ہو گئے تھے اس جنگ میں دعوت شرکت دی اور وہ دہلی سے روانہ ہو کر فرخ آباد سے دس کوس کے فاصلہ پر خدا گنج تک آگئے۔[1] نواب احمد خاں جب ان واقعات سے مطلع ہوئے تو انہوں نے ایک خط حافظ الملک کے پاس اس

---

[1] تاریخ فرخ آباد مولفہ ولیم ارون

مضمون کا بھیجا کہ :۔

"شجاع الدولہ شاہ عالم بادشاہ کو ہمراہ لے کر فرخ آباد کو تاخت و تاراج کرنے کے قصد سے اس طرف کا عازم ہے اور نجیب الدولہ بھی اس امر میں اس سے موافقت کرکے پے درپے کوچ کرتا ہوا چلا آرہا ہے اگر آپ اس جگہ آکر میرے شریک ہو جائیں گے تو یقین ہے کہ انجام بخیر ہوگا۔[1]"

ان ایام میں حافظ الملک پرگنہ مہر آباد میں مقیم تھے کہ ناگاہ انہوں نے شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ کے فرخ آباد پر حملہ کرنے کی خبر سنی۔ ساتھ ہی انہیں نواب احمد خاں کا مندرجہ بالا خط ملا۔ حافظ الملک جو ہمیشہ احمد خاں کی طرفداری کو مقدم رکھتے تھے۔ فوراً مہر آباد سے جلال آباد اور وہاں سے فتح گڑھ کو روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک نے شیخ کبیر کو بھی حکم بھیجا کہ اٹاوہ سے اپنی کل فوج لے کر فی الفور کالی ندی کی طرف روانہ ہوں اور خدا گنج کے نیچے مقام کریں۔ فتح گڑھ سے فرخ آباد کا تین کوس کا فاصلہ تھا۔ یہاں پہنچکر حافظ الملک نے بہ مشورۂ نواب احمد خاں ایک ایک خط نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کو لکھا کہ :۔

"احمد خاں کی تباہی و بربادی کا قصد آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ مناسب یہی ہے کہ آپ لوگ اس خیال سے درگزر کریں ورنہ مجھکو بھی اس کا شریک متصور کریں۔"

حافظ الملک کے فرخ آباد پہنچنے اور احمد خاں کے شریک ہونے کی خبر نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ نے سنی تو اول الذکر خدا گنج میں اور آخر الذکر سرائے خواجہ بہلول میں ٹھہر گئے اور دونوں امراء نے حافظ الملک کو لکھا کہ :۔

---

[1] گل رحمت۔

"احمد خاں کے ملک میں سے ایک ثلث ہم سے لینا قبول کیجئے اور اس کی شرکت سے دستبردار ہو کر اپنے ملک کو واپس جائیے۔"

حافظ الملک نے صاف جواب لکھدیا کہ:-

مجھ سے ایسا ہونا ناممکن ہے۔"[1]

نجیب الدولہ نے جب دیکھا کہ حافظ الملک کسی طرح احمد خاں کی مشارکت ترک نہیں کرتے تو جنگ شروع ہونے سے پہلے انہوں نے حافظ الملک سے ملاقات کرنی چاہی اور فتح گڑھ روانہ ہونے کا قصد کیا۔ چنانچہ پہلے ایک پیغام شیخ کبیر کو جو ایک میل کے فاصلہ پر خیمہ زن ہو کر سدِ راہ تھے بھیجا کہ:-

"میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں"

شیخ کبیر نے جواب دیا:-

میری تمہاری شمشیر بدست ملاقات ہوگی، شجاع الدولہ کی مدد کو آئے ہو اور ہم سے ملاقات کی تمنا رکھتے ہو؟[2]

چار پانچ روز کے بعد نجیب الدولہ اپنی سپاہ کو لے کر فرخ آباد کی طرف بڑھے یہ سن کر شیخ کبیر نے انہیں پیغام بھیجا کہ:-

"خبردار آگے نہ بڑھنا میں تمہاری کچھ مدارات کرنے والا ہوں۔"

نواب نجیب الدولہ نے جواب دیا کہ:-

"میں لڑنے نہیں آیا ہوں صرف حافظ الملک سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔"

شیخ کبیر نے جواب دیا کہ:-

---

[1] گل رحمت [2] تاریخ فرخ آباد مولفہ ولیم ارون۔

"اس صورت میں تم کو اجازت ہے مگر بے فوج جاؤ"[1]

نجیب الدولہ اپنی فوج چھوڑ کر آگے بڑھے اور تنہا فتح گڑھ پہنچکر حافظ الملک سے ملاقات کی۔ دورانِ ملاقات میں نجیب الدولہ کو ان کے خسر دوندے خاں نے سخت ملامت کی اور کہا کہ :۔

"تم نے کیوں قوم افغان کے خلاف شجاع الدولہ کی رفاقت اختیار کی"

انہوں نے جواب دیا کہ :۔

"جب مرہٹوں نے سکرتال میں مجھ پر حملہ کیا تھا اس وقت شجاع الدولہ نے بڑے نازک حال میں میری مدد کی تھی"

غرض اسی قسم کی باتوں میں تمام رات مشورہ میں گزری اور صبح کے وقت نجیب الدولہ بہت کچھ عذر خواہی کر کے صلح پر راضی ہو گئے۔ انہوں نے حافظ الملک کو یہ بھی مشورہ دیا کہ چونکہ شاہ عالم بادشاہ شجاع الدولہ کے ہمراہ ہیں اس لئے آپ کو صلح کی درخواست ان کی خدمت میں خود حاضر ہو کر پیش کرنی چاہئے یہ کام کئے بغیر آپ اپنے ملک کو واپس نہ جائیں۔

حافظ الملک نے اس رائے کو پسند کیا اور نواب نجیب الدولہ کو پہلے سے روانہ کر کے خود بھی ان کے پیچھے اپنی تمام ہمراہی فوج کے ساتھ سرائے خواجہ بہلول کی طرف روانہ ہوئے اور بادشاہ کی شرف ملازمت سے سرفراز ہوئے۔ صلح کی گفتگو ہوئی اور حافظ الملک کے پاس خاطر سے شجاع الدولہ نے فرخ آباد پر حملہ کرنے کا ارادہ فسخ کر دیا۔ چند روز کے بعد شجاع الدولہ اور شاہ عالم اودھ کو اور نجیب الدولہ دہلی کو واپس ہو گئے۔ واپسی کے وقت بادشاہ نے حافظ الملک سے مصالح امور ملکی و مالی میں بہت کچھ مشورے کئے اور

---

[1] تاریخ فرخ آباد مؤلفہ ولیم اِرون

خلعت و شمشیر وغیرہ سے ان کو سرفراز فرمایا۔ حافظ الملک نے عنایت خاں کو بھی شجاع الدولہ کے ہمراہ رخصت کیا تاکہ نواب احمد خاں کے علاقہ میں سے جن جن مقامات سے ان کا قبضہ جاتا رہا تھا ان پر نواب موصوف کے تھانے قائم کر دیں[1]۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد حافظ الملک اپنے دوست نواب احمد خاں سے رخصت ہو کر اٹاوہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس زمانہ میں جمنا کے اس پار کامیت کے زمینداروں نے بہت فساد برپا کر رکھا تھا۔ اس لئے حافظ الملک نے اٹاوہ پہنچکر ان کی سرکوبی کے لئے کچھ فوج روانہ کی اور عنایت خاں کو بھی جو شجاع الدولہ کے ہمراہ لکھنؤ پہنچ گئے تھے لکھا کہ وہاں سے لوٹ کر کامیت کو روانہ ہوں۔ عنایت خاں حسب الحکم کامیت پہنچ گئے، اور اپنے لشکر کے پیادہ سپاہیوں کو قلعہ کامیت پر جو نہایت مضبوط اور مستحکم تھا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ افغانوں نے یکبارگی حملہ کیا، قلعہ کے اوپر چڑھ گئے اور عنایت خاں کے حکم سے جو بہت سخت مزاج تھے محصورین کا بڑی بے دردی سے قتل عام کیا، ایک متنفس کو زندہ نہ چھوڑا اور قلعہ کو بھی خاک میں ملا دیا۔ اس لڑائی میں لاتعداد محصورین کے علاوہ ایک سو چونتیس افغان مارے گئے۔ دوسرے روز عنایت خاں یہاں سے اٹاوہ کو حافظ الملک کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔

---

[1] گل رحمت

(۲۰)

۱۷۶۳ء کے چند متفرق واقعات

نواب سعد اللہ خاں کی وفات

حافظ الملک ابھی اٹاوہ ہی کے انتظام میں مصروف تھے کہ نواب سعد اللہ خاں نے مدقوق و مسلول ہو کر آنولہ میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ستائیس سال تھی۔ نواب علی محمد خاں کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ مرحوم نہایت حسین و جمیل۔ شجاع۔ سخی اور اعلیٰ درجہ کے شہسوار تھے۔ دوپہر میں چالیس پچاس کوس کی مسافت طے کر لیتے تھے اور تکان بالکل معلوم نہ ہوتی تھی۔ عمارتیں بنوانے کا شوق تھا۔ اترچھینڈی کا قلعہ ان کی یادگار ہے۔ جو انہوں نے ناتمام چھوڑا۔ گانے کے بہت دلدادہ تھے۔ فیروز خاں۔ جھدی سین اور کریم سین وغیرہ اس زمانہ کے مشہور گویئے ملازم تھے۔ خود بھی بہت خوش گلو تھے اور نہایت خوب گاتے تھے۔ حافظ الملک کا بہت ادب و لحاظ کرتے تھے اور حافظ الملک کو بھی ان سے قلبی محبّت تھی۔ چنانچہ جب ان کی جوانمرگی کی اطلاع پہنچی تو بڑا صدمہ کیا اور فی الفور بغرض تعزیت اٹاوہ سے آنولہ تشریف لائے۔

بریلی میں آتشزدگی اور زلزلہ

نواب سعد اللہ خاں کی سال وفات یعنی ۱۷۶۳ء میں ۷، رمضان جمعرات کے روز سرزمین بریلی پر قہر الٰہی نازل ہوا ایک ایسی آگ لگی کہ آدھا شہر جلکر خاک ہو گیا اور چودہ سو آدمی مر گئے، ہزاروں خانماں برباد وں کا ذکر ہی کیا ہے۔ اس حادثہ کے دو سال بعد ایک ہولناک کالی آندھی اور زلزلہ آیا جس کے صدمہ سے بہت سی عالیشان عمارتیں گر کر تباہ ہو گئیں۔ زلزلہ کے

باعث جا بجا زمین شق ہو گئی تھی۔ حوض اور تالابوں کا پانی اڑ اڑ کر سوکھی زمینوں پر جا گرا اور تالاب بالکل خشک ہو گئے، اس زلزلہ کا صدمہ اودھ تک محسوس ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا شدید اور سخت زلزلہ دو تین سو برس پہلے تک سننے میں نہ آیا تھا۔ حافظ الملک نے اپنی رعایا کی اس تباہی و بربادی میں لاکھوں روپیہ سے امداد کی اور کوشش کر کے چند ہی سال میں جلے ہوئے مکانات و عمارات کو از سر نو تعمیر کرا دیا۔[1]

عنایت خاں کی ایک نامناسب حرکت اور ریاست رامپور کی بنیاد

حافظ الملک کی خواہش سے فیض اللہ خاں بریلی میں رہتے تھے اور ان کے مکان پر نوبت بجتی تھی۔ عنایت خاں کا بھی جو ایک بہادر، جوشیلے مگر سخت کوتاہ نظر شخص تھے یہیں بریلی میں قیام تھا۔ ان کو جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ درّانی نے خطاب نوابی اور نوبت و علم دیا تو ایک ہی شہر میں دو نوبتوں کا بجنا انہیں بہت ناگوار ہونے لگا اور یہ خیال کر کے کہ "دہ درویش در گلیمے بخسپند و دو پادشاہ در اقلیمے نہ گنجند" ایک روز اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ فیض اللہ خاں کی نوبت بند کر دیں اور نقاروں کو پھاڑ ڈالیں۔ عنایت خاں کے ملازموں نے حکم کی تعمیل کی لیکن ان کی اس حرکت سے فیض اللہ خاں نے سخت توہین محسوس کی اور ان کے رنج و قلق کی کوئی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ فریاد و شکایت لے کر پیلی بھیت حافظ الملک کے پاس گئے۔ حافظ الملک نے فرمایا کہ :-

"ہاں وہ جوانا مرگ ایسا ہی خود سر ہو گیا ہے"[1]

اور فیض اللہ خاں کی بہت کچھ دلدہی کر کے انہیں آئندہ رامپور میں رہنے اور نوبت وغیرہ

---

[1] تاریخ افغانستان موسوم بہ نقش سلیمانی۔

بجوانے کی اجازت دے دی چنانچہ فیض اللہ خاں رخصت ہو کر رام پور آ گئے لیکن ان کے دل کی کدورت دور نہ ہوئی اور اس وقت سے اپنی ایک علیحدہ اور آزاد ریاست کی بناء ڈالنے کی دھن میں مناسب موقع اور وقت کی تلاش میں رہنے لگے۔

(۲۱) حافظ الملک کا دورِ حکومت نواب سعد اللہ خاں کے بعد

بعد وفات نواب سعد اللہ خاں سرداران روہیل کھنڈ نے نواب علی محمد خاں کے کسی دوسرے لڑکے کو اپنا والی تسلیم نہیں کیا اور حسب وصیت نواب صاحب مرحوم جس کو ہم بالتفصیل لکھ چکے ہیں آئندہ کے لئے صرف حافظ الملک کی سرداری میں رہنا قبول کیا حافظ الملک نے بھی سرداران قوم کی اس متفقہ خواہش کو بہ تقاضائے مصالح ملکی اس وقت منظور کرنے میں کوئی عذر نہ کیا اور ایسا کرنے میں وہ بہمہ اعتبار حق بجانب بھی تھے کیونکہ ان کا وہ وعدہ اب ختم ہوتا تھا جو انہوں نے اپنے مرحوم دوست نواب علی محمد خاں سے کیا تھا اور جس کے الفاظ حسب ذیل تھے :۔

> "جب اس بزرگ کو آپ نے میرے حوالے کیا تو میں اس لڑکے (سعد اللہ خاں) کو سرداری کے واسطے اختیار کرتا ہوں اور اس کو نواب بناتا ہوں[۱]"

سعد اللہ خاں کے علاوہ نواب علی محمد خاں کی کسی دوسری اولاد کو اپنا سردار بنانے کا حافظ الملک نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اس لئے اب ان کا اپنی قوم کی متفقہ خواہش پر مسندِ حکومت پر بلا شرکت غیرے متمکن ہونا ہر طرح جائز تھا۔ اس زمانہ میں روہیلے چونکہ حنفی المذہب انتہائی دیندار اور پکے مسلمان تھے اس لئے ان میں سردار کا انتخاب بھی بجز خاص حالات کے بالکل اسی قاعدہ کے تحت عمل میں آتا تھا جو ابتداء عروج اسلام سے خلافت کے انتخاب کے

---

[۱] گلستان رحمت۔

متعلق رائج چلا آتا تھا اور جس طرح بعد کو حضرت امیر معاویہؓ نے قیصر و کسریٰ کی تقلید میں خلافت کو وراثتی طرز حکومت میں تبدیل کر لیا۔ اسی طرح وقت کے گذرنے پر روہیلوں میں سردار کے تقرر کا پرانا طریقہ متروک ہو گیا اور سرداری ایک خاص خاندان کا پیدائشی حق سمجھی جانے لگی۔ درحقیقت یہی وہ آخر الذکر غلط نظریہ ہے جس کی بنا پر حافظ الملک کے مخالف مورخین نے ان کو غاصب ہونے کا الزام دیا درانحالیکہ اس نظریہ کو اگر نواب علی محمد خاں کے مسئلہ مسند نشینی میں بھی پیش نظر رکھا جائے تو وہ بھی غاصب ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ جس وقت نواب علی محمد خاں کا انتخاب عمل میں آیا تو اس وقت داؤد خاں کا ایک پسر صلبی محمد خاں نامی موجود تھا اور جس کو بہ سبب صغر سنی و ناتجربہ کاری سرداران قوم نے نظر انداز کر دیا تھا[1]، مگر حق یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی غاصب نہ تھا اور دونوں کو صف اہلیت وقابلیت کی بنا پر عروج حاصل ہوا تھا تاریخ روہیل کھنڈ کی ان عظیم المرتبت شخصیتوں نے محض اپنے اپنے قوت بازو سے شہر پر شہر فتح کئے اور حکمرانی و سرداری کی داد دی۔ ان کی سرداری کی بنیاد ہرگز ہرگز نہ تو غاصبانہ اور نہ کسی کی حق تلفی پر مبنی بتائی جا سکتی ہے ؎

ملک بہ میراث نہ گیرد کسے ؛ تا نہ زند تیغ دو دستی بسے

حافظ الملک کی حکومت کا یہ دور تاریخ روہیل کھنڈ کا اہم ترین زمانہ سمجھا جاتا ہے جس میں روہیلہ قوم عروج و ترقی کی اس معراج پر پہنچ گئی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ عروج کا زمانہ سنہ ۱۷۶۸ء تک کا ہے کیونکہ جنگ پانی پت کے بعد اندرون ملک میں ہر طرح امن و امان کے ماسوا سرزمین روہیل کھنڈ مسلسل سات سال تک بیرونی حملوں سے محفوظ و مامون رہی۔ مرہٹوں کی طاقت کچل گئی تھی اور وہ اس وقت دکن میں آپس ہی میں لڑبھڑ کر اپنی رہی سہی طاقت کو فنا کر رہے تھے۔ روہیل کھنڈ کی سرحدوں پر جو دوسرے حکمراں مثل شجاع الدولہ،

---

[1] اخبار الصنادید۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۸ء صفحہ ۸۹ و ۹۶

نواب احمد خاں بنگش اور نواب نجیب الدولہ موجود تھے، وہ سب کے سب حافظ الملک کی حسن تدبیر اور زور شمشیر کے معترف تھے، اور ان کے ساتھ ضوابط و مراسم اتحادی قائم رکھنے میں اپنی بہتری اور بھلائی سمجھتے تھے۔ اس وقت روہیلوں کی حکومت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں بریلی۔ پیلی بھیت۔ سنبھل۔ مراد آباد، امروہہ شاہجہاں پور۔ رامپور۔ شاہ آباد۔ بدایوں۔ آنولہ۔ نانک مت۔ سہسوان۔ اجھیانی۔ بسولی بلی، نواح لسولی۔ ٹھاکر دوارہ۔ چومحلہ، رٹھیر۔ اٹاوہ۔ شکوہ آباد۔ مین پوری اور دوسرے بکثرت متفرق دیہات و پرگناہ وغیرہ تا دامن کوہ شرقی خیر آباد تک شامل تھے جن کی آمدنی اس زمانہ میں ایک کروڑ بتیس لاکھ روپیہ تھی۔

---

(۲۲)

قاسم علی خاں نواب مُرشد آباد کی مُصیبت میں شجاع الدولہ کی تحریک پر حافظ الملک کی حمایت

جس زمانہ میں روہیل کھنڈ میں حافظ الملک کی حکومت ایک طرف شکوہ آباد تک اور دوسری جانب خیر آباد تک وسعت پذیر ہو چکی تھی صوبہ بنگال میں ایک ایسا انقلاب برپا تھا جس کے تباہ کن عالمگیر اثرات عنقریب سارے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے تھے سیاسیات ہند میں پورے . . . . طور پر انگریزوں کی دخل اندازی شروع ہو گئی تھی اور انہوں نے تجارت کے پردہ سے نکل کر اب علی الاعلان ملک گیری کے اکھاڑے میں کود نے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ۱۷۵۶ء میں نواب الہ وردی خاں صوبہ دار بنگال کے انتقال سے اس وقت تک چھ سات سال کی قلیل مدت میں ہندوستانی غداروں کی مدد سے انگریز تین نوابوں کو مسند حکومت سے ہٹا چکے تھے۔ اور نوابوں کے اس عزل و نصب کے ذریعہ نہ صرف بنگال کی تمام و کمال تجارت اور کروڑوں روپیہ نقد نذرانہ ان کے قبضہ میں جا چکا تھا بلکہ بڑی بڑی جاگیریں بھی ان کے زیر تصرف آ گئی تھیں۔ انگریزوں کے ہاتھ سے معزول شدہ نوابوں میں ایک میر قاسم علی خاں عالی جاہ تھے جنہوں نے نہایت بہادری اور پامردی سے اپنے ملک کو اغیار کی دستبرد سے بچانے کے لئے ایک آخری جان توڑ کوشش کی لیکن ملکی غداروں نے ان کو بھی نہ پنپنے دیا اور تمام تدبیروں کو خاک میں ملا کر ان کو ملک بدر

ہونے پر مجبور کر دیا[1] مظلوم و مغلوب قاسم علی خاں ۲۸ر دسمبر ۱۷۶۳ء کو اپنے ملک کی مغربی سرحد دریائے کرم ناسا کو عبور کر کے اودھ میں داخل ہوئے اور شجاع الدولہ کی خدمت میں آ کر انگریزوں کے خلاف اپنی اور اپنے ملک کی تباہی و بربادی کی فریاد کی۔ ابتداءً تو شجاع الدولہ نے امداد میں لیت و لعل سے کام لیا۔ لیکن جب قاسم علی خاں کا اصرار حد سے سوا ہوا تو شاہ عالم بادشاہ کو ساتھ لے کر جو ہنوز اودھ میں مقیم تھے انگریزوں کو سزا دینے اور قاسم علی خاں کو دوبارہ مسند نشین کرانے کے ارادے سے بنگال پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اپنے اس ارادے میں شریک کرنے کے لئے شجاع الدولہ نے ایک خط حافظ الملک کو بھی لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

"صاحبان انگریز نے ان دنوں قاسم علی خاں صوبہ دار بنگال کو شکست دیدی ہے اور تمام ملک پر متصرف ہو گئے ہیں۔ قاسم علی خاں مدد کی امید پر میرے پاس چلے آئے ہیں۔ چونکہ ہمارا آپ کا معاملہ واحد ہے لہذا امید ہے کہ آپ مناسب فوج ہماری مدد کو روانہ کریں گے"[2]

جنگ پٹنہ میں عنایت خاں کی شرکت

حافظ الملک ان دنوں موسم برسات پیلی بھیت میں گذار رہے تھے۔ یہ خط موصول ہونے پر انہوں نے عنایت خاں کو چھ ہزار آزمودہ کار سوار و پیادہ فوج کے ساتھ روانہ کیا اس فوج کے سرداروں میں خان محمد خاں و میر باز خاں (جو حافظ صاحب کے ہمشیر زادے تھے) محمد مستقیم خاں پسر شیخ کبیر، میر بابر، سیف الدین خاں پسران بر مول خاں اور رحمت خاں وغیرہ رسالدار تھے۔ جب عنایت خاں الہ آباد کے قریب پہنچے تو شجاع الدولہ نے راجہ بینی بہادر کو

---

[1] واقعات کی تفصیل کے لئے دیکھو ہندوستان کی تاریخ "ورائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا" مولفہ میجر بی۔ ڈی۔ باسو جلد اول۔

[2] گل رحمت۔

استقبال کے واسطے روانہ کیا دو کوس آگے بڑھ کر عنایت خاں سے خود بھی ملاقات کی اور اپنے خیمہ میں لاکر بڑی گرم جوشی سے مراسم مہمانداری ادا کئے۔ بعد ازاں شجاع الدولہ۔ شاہ عالم بادشاہ قاسم علی خاں اور عنایت خاں نے بہت بڑے لشکر کے ساتھ بنارس کی طرف کوچ کیا۔

ناگوں اور روہیلوں کا فساد اثنائے راہ میں اتفاقاً عنایت خاں کے لشکر کے افغانوں میں سے ایک شخص نے گائے ذبح کردی اور چاہتا تھا کہ گائے کی ران گھوڑے پر رکھ کر اپنے لشکر میں لے جائے کہ شجاع الدولہ کی فوج کے ناگوں نے اس پٹھان پر حملہ کردیا اور اس کا گھوڑا زخمی کردیا قریب تھا کہ مارا جائے یہ خبر سن کر دوسرے پٹھان مدد کو پہنچ گئے اور اپنے ساتھی کو بچالیا۔ عنایت خاں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اپنے پٹھانوں کو حکم دیدیا کہ ناگے جہاں ملیں ان کو قتل کیا جائے۔ دوسرے روز صبح کو افغانوں نے چارسو ناگوں کو ایک گاؤں کی لوٹ کھسوٹ میں مشغول دیکھا۔ ان کا محاصرہ کرلیا اور ان کو قتل کرنا شروع کردیا؟ ناگوں نے بھی حتی الوسع مقابلہ کیا لیکن آخرکار مغلوب ہوکر بھاگ گئے اس لڑائی میں افغانوں کے ہاتھ سے ڈھائی سو ناگے قتل ہوئے۔ بارہ افغانی بھی زخمی ہوئے اور بلیں مارے گئے۔ اس واقعہ کی خبر شجاع الدولہ کے مدار المہام راجہ بینی بہادر کو پہنچی تو فوراً عنایت خاں کے ڈیرے پر آیا اور بہت معذرت کی۔ دوسرے روز خود شجاع الدولہ ناگوں اور ان کے سرداروں کو ہمراہ لے کر عنایت خاں کے پاس آئے اور انتہا درجہ کی دلجوئی کرکے یہ طے کیا کہ ناگوں کا پڑاؤ افغانوں کے لشکر سے ایک منزل پیچھے رہا کرے گا[1]۔

عنایت خاں کے توسل سے راجہ بلونت سنگھ کی کمک شجاع الدولہ کا لشکر جب بنارس میں داخل ہوا تو اس مقام کے راجہ بلونت سنگھ نامی نے اپنے سفیر نورالحسن بلگرامی کو عنایت خاں کے پاس بھیجا اور یہ خواہش کی کہ۔

---

[1] تاریخ اودھ مولفہ مولوی نجم الغنی خاں۔

"میں نے گو صفدر جنگ اور شجاع الدولہ کو زرِ خراج ہمیشہ دیا ہے لیکن کبھی ملاقات نہیں کی ہے[له]، اس لئے آپ کہ ہندوستان میں احمد شاہ درانی کے وکیل مطلق کے نائب ہیں میری شجاع الدولہ سے ملاقات کرا دیجئے۔"

عنایت خاں نے اس پیام کا شجاع الدولہ سے ذکر کیا اور بخوبی اطمینان کر کے ان سے راجہ کی ملاقات کرا دی۔ بعد ملاقات راجہ بھی دو تین ہزار فوج کے ساتھ شجاع الدولہ کے ساتھ شریک ہو گیا۔

جنگ پٹنہ کی ابتدا

شجاع الدولہ کی فوج اسی ہزار تھی جب اس لشکر نے دریائے کرم ناسا کو عبور کیا تو میجر کارنک نے اپنی فوج کی کمی کے باعث دریا سے ہٹ کر پٹنہ میں پناہ لی اور شہر میں نئے مورچے درست کر کے مستعد جنگ ہوا۔ شجاع الدولہ بھی پٹنہ سے چار کوس کے فاصلہ پر مقام پُھل ویا میں خیمہ افگن ہوئے۔ انگریزی فوج کے افسر میجر کارنک کی قاسم علی خاں سے سخت دشمنی تھی اس لئے اس نے جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلم سرداروں میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کی تاکہ اس کی قلیل فوج مسلمانوں کی کثیر فوج پر ان کے آپس کے نفاق کے باعث غالب آ جائے۔ سیر المتاخرین کا مولف سید غلام حسین جو اس معرکہ میں شجاع الدولہ کے ساتھ تھا انگریزوں کے اس مقصد کی تکمیل میں آلہ کار تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

میں نے اپنے آپ کو انگریزوں سے وابستہ کرنے کا تہیہ کیا جن سے اس عرصہ میں مجھے

له ملاقات نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ جب سے پرتھوی پت زمیندار پرتاپ گڑھ صفدر جنگ کے حکم سے مارا گیا راجہ بلونت یہ کہا کرتا تھا کہ جناب عالی خدا کے برابر ہیں جو کوئی خدا کے پاس جاتا ہے واپس نہیں آتا ہے۔ بلکہ رام نگر کی بنیاد اسی راجہ بلونت سنگھ نے رکھی تھی اور قلعہ بجے گڑھ میں جو نہایت دشوار گزار پہاڑ پر تھا اپنا خزانہ رکھتا تھا جس کو لوگ کروڑوں روپیہ سے متجاوز بتاتے تھے۔

انسیت ہو گئی تھی۔ میر ان سے کچھ تعلق بھی پیدا ہو گیا تھا۔ بالخصوص ڈاکٹر فلرٹن اور میرے درمیان کچھ خط و کتابت بھی رہی تھی جس کے ذریعہ سے اس نے مجھے اطلاع دی تھی کہ بادشاہ (شاہ عالم) دل سے انگریز پارٹی کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس نے مجھے صلاح دی تھی کہ مجھ کو اپنے اور بادشاہ کے بہت جلد انگریزی کیمپ میں پہنچنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ اس خبر سے میں نے اپنے والد کو مطلع کیا اور ایک ایسے معاملہ میں جس سے ہمارے خاندان کا استحکام ہوا اور وہ انگریز قوم کے شکریہ کا مورد ہو سکے پیش قدمی کرنے پر اصرار کیا۔۔۔۔[1]"

مندرجہ بالا تحریر میں جس طرح انگریزوں سے بادشاہ کی ساز باز کا پتہ چلتا ہے اسی طرح بلاشبہ دوسرے سرداروں نے بھی سازش کی ہوگی۔ لہذا ان حالات میں جنگ کا نتیجہ ظاہر[2] ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب شجاع الدولہ میر قاسم علی خاں اور عنایت خاں وغیرہ کا لشکر خاص پٹنہ کے قریب پہنچا تو انگریزوں نے گولہ اندازی شروع کی۔ شجاع الدولہ کی طرف سے بھی توپیں اور گرابیں سر ہوئیں لیکن شجاع الدولہ کی فوج جو میدان میں تھی پے در پے گولہ باری کے سبب سے قائم نہ رہ سکی۔ بعضوں نے درختوں پر چڑھ کر پناہ لی اور بعضے پرانے کھنڈرات میں چھپ گئے۔ عنایت خاں جو لوگوں کی زد پر تھے اپنی جمعیت کے ہمراہ انگریزوں کے مورچہ کے قریب، ایک نشیبی جگہ میں گھوڑے سے اتر کر جنگ کرنے لگے اور سواران مغلیہ کے حملہ کا انتظار کرنے لگے۔ زوال کے وقت بینی بہادر نے بہت جد و جہد کے ساتھ انگریزی مورچوں پر حملہ کیا اور خندق کے قریب پہنچ گیا مگر اس کی فوج مقتول و مجروح ہو کر بھاگ گئی۔ اس کے بعد ناگوں نے حملہ کر کے اپنے آپ کو خندق تک پہنچایا۔ لیکن وہ بھی

---

[1] سیر المتاخرین جلد دوم

[2] "رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا" جلد دوم صفحہ ۳۹۲

طمانچہ سم آتشین منہ پہ کھا کر پیٹھ پھیر گئے۔ مغلیہ فوج نے جو تعداد میں بہت زیادہ تھی اور عنایت خاں سے قریب تر تھی مطلق ہمت و شجاعت نہ دکھائی۔ عنایت خاں برابر کہلا کر بھیجتے رہے کہ ایک طرف سے سواران مغلیہ حملہ کریں اور ایک طرف سے میں یورش کروں اور اتفاق ہمدگر کے ساتھ انگریزی فوج پر گر کر ان کو تلوار پر رکھ لیں۔ شجاع الدولہ نے بھی اس امر میں کوشش بلیغ کی لیکن فوج مغلیہ کے سرداروں سے سرمو پیش نہ گئی اور جنگ سے دست کش ہو کر جوں کے توں میدان جنگ سے واپس چلے گئے۔ شجاع الدولہ نے یہ حال دیکھ کر عنایت خاں کے پاس آ کر کہا کہ اب پھلواریا کو واپس ہی چلنا مناسب ہے۔ مجبوراً عنایت خاں حسب صواب دید شجاع الدولہ پہر دن باقی رہے اپنی جگہ سے چل کر اور چند توپوں کو جنہیں مغل لوگ بسبب گرانی میدان میں چھوڑ گئے تھے اپنے ہمراہ لے کر پھلواریا واپس آئے۔ اس وقت میر محمد خاں با تبر توپ کا گولہ کھا کر مارا گیا اور مستقیم خاں زخمی ہوا لیکن عنایت خاں دوسرے رسالداروں کے ساتھ بخیریت تمام قریب ایک پہر رات گئے پھلواریا میں داخل ہوئے۔ دوسرے روز شجاع الدولہ نے دوبارہ لڑائی کی تیاری کرنی چاہی لیکن کامیابی کی امید نہ دیکھکر واپسی کا حکم دیدیا اور بکسر میں لشکر کی چھاؤنی قرار دی، پٹنہ کی لڑائی میں میر قاسم شجاع الدولہ اور بادشاہ کی فوج کی شکست ایک حد تک مہاراجہ کلیان چند پسر راجہ شتاب رائے کی غداری کے باعث ہوئی۔ یہ شخص گو شجاع الدولہ کی ملازمت میں تھا لیکن برابر اپنے آقا کے لشکر کی تعداد فوج اور ان کی نقل و حرکت وغیرہ کے متعلق ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کو خبریں دیا کرتا تھا[1]۔

اسی طرح شجاع الدولہ کے لشکر کے ایک اور غدار افسر زین العابدین نے ایک خط میجر منرو مقیم کلکتہ کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

---

[1] فٹ نوٹ صفحہ ۳۹۲ "رائز آف دی کرسچین پادران انڈیا"

"اسد خاں بہادر کے ذریعہ آپ کا محبت آمیز خط موصول ہو کر باعث سرفرازی ہوا جس میں آپ نے مجھ سے یہ خواہش کی ہے کی کہ میں جس قدر تعداد میں ممکن ہو اتنے عمدہ اور شہسوار مغلوں اور تورانیوں کے ساتھ آپ کا شریک ہو جاؤں"[1]

اس قسم کی سازشوں اور خفیہ ریشہ دوانیوں سے تنگ آ کر بکسر سے عنایت خاں رخصت ہو کر روہیل کھنڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت میر قاسم علی خاں نے پانچ زنجیر فیل، چند عدد جواہر قیمتی اور پارچہ ہائے ریشمی و زردوزی و دیگر نفائس بنگالہ تحفہ کے طور پر حافظ الملک کے واسطے عنایت خاں کے حوالے کئے۔[2]

بکسر کی جنگ میں نواب قاسم علی خاں شکست کھا کر حافظ الملک کی پناہ میں

عنایت خاں کے روہیل کھنڈ واپس ہونے کے بعد ۲۳ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو شجاع الدولہ اور ان کے ساتھیوں کی انگریزوں سے بمقام بکسر جنگ ہوئی جس میں اسی قسم کے حالات کی بناء پر جو جنگ پٹنہ میں پیش آئے تھے شجاع الدولہ کو دوبارہ شکست فاش ہوئی۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ شاہ عالم بادشاہ نے تو از خود اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور شجاع الدولہ کے انگریزوں سے اس شرط پر مجبوراً صلح کے نامہ و پیام ہونے لگے کہ میر قاسم علی خاں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ قریب تھا کہ قاسم علی خاں گرفتار کر لئے جائیں کہ وہ بروقت مطلع ہو کر ایک تیز رفتار ہاتھی پر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ پہلے اپنے اہل و عیال کے پاس الہ آباد آئے جنہیں شجاع الدولہ کے آدمیوں نے لوٹ کر قید کر لیا تھا[3] اور

---

[1] فٹ نوٹ صفحہ ۳۹۴ رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا۔

[2] گل رحمت۔

[3] سیر المتاخرین۔

انہیں اپنے ساتھ لے کر بعسانناں روہیل کھنڈ کا رخ کیا۔ جب بریلی پہنچے تو حافظ الملک نے ان کی بہت کچھ دلدہی و خاطر مدارات کی اور اپنی پناہ میں لے کر آنولہ سے تین کوس کے فاصلہ پر مقام اتر چھینڈی میں نواب سعد اللہ خاں مرحوم کی حویلی میں مقیم کیا۔ جہاں وہ پانچ سال تک بڑے آرام و اطمینان سے رہے[1]۔

---

[1] قاسم علی خاں کا ۱۷۷۱ء میں دہلی میں انتقال ہوا۔ مولوی بدر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۷۶۶ء میں نواب میر قاسم علی خاں نے اپنی امداد کے لئے احمد شاہ درانی کو ہندوستان بلایا۔ شاہ درانی فروری سنہ ۱۷۶۷ء میں دریائے اٹک کو عبور کر کے لاہور سے ایک سو بیس میل کے فاصلے پر آ گئے۔ لیکن یہ معلوم کر کے کہ اس مرتبہ ہندوستان کے تمام مسلمان حکمراں ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور شجاع الدولہ انگریزوں کی شرکت نہیں چھوڑیں گے مجبوراً ولایت کو واپس گئے۔ (فٹ نوٹ رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا جلد اول)

قاسم علی خاں کے سلسلہ کی مزید معلومات حسب ذیل ہیں:۔

یہ صوبہ دار گجرات امتیاز علی خاں کے لڑکے تھے جعفر علی خاں مہابت جنگ صوبہ دار بنگال کی لڑکی سے شادی ہوئی تھی، کچھ عرصہ تک نیابت کے فرائض انجام دئے۔ جب انگریزوں نے جعفر علی خاں کو معزول کیا تو قاسم علی خاں کو نواب بنایا گیا لیکن اس کی انگریزوں سے بنجھ نہ سکی۔ قاسم علی خاں غربا پرور، علماء فضلاء کی تعظیم و تکریم و نیز فوج کی دلدہی میں جواب نہیں رکھتا تھا۔ بحوالہ تاریخ فرخ آباد (مولفہ مفتی ولی اللہ)

انگریزوں کے خلاف قاسم علی خاں کی مزید سیاسی سرگرمیاں حسب ذیل تھیں:۔

روہیل کھنڈ سے سنہ ۱۷۷۰ء میں روانہ ہو کر بمقام گوہد نزد گوالیار مقیم ہوئے اور انہوں نے مرہٹوں کے حالیہ حملوں کا رخ انگریزوں کی طرف موڑنے کی ناکام کوشش کی۔ انگریز اس اطلاع سے بےحد خوفزدہ ہو گئے۔ انگریزی ذرائع کے مطابق حافظ الملک اور نجیب الدولہ وغیرہ بھی مدد کرنے کو تیار تھے اور اتحاد باہمی کے واسطے علی گڑھ میں اتحادیوں کے اجتماع کی قرارداد بھی طے ہو گئی تھی۔ قاسم علی خاں، حیدر علی خاں اور پانڈیچری کے فرانسیسیوں سے بھی خط و کتابت رکھتے تھے۔ کلکتہ کاؤنسل کو یہ خدشہ ہوا کہ اتحادی قوتیں الہ آباد سے حملہ کی ابتدا نہ کریں۔ جنوری ۱۷۷۰ء

(۲۳)

نواب نجیب الدولہ پر جاٹوں کا حملہ اور حافظ الملک کی امداد

۱۷۶۴ء کے ہنگامہ خیز سال میں جاٹوں کے راجہ سورج مل نے جو دو مرتبہ شاہ درانی کی دستبرد سے بچ جانے کی وجہ سے بہت طاقت ور ہو گیا تھا۔ خاندان تیموریہ اور نواب نجیب الدولہ کے استیصال کا ارادہ کیا۔ نواب نجیب الدولہ نے دہلی سے نکل کر اس کا مقابلہ کیا۔ لڑائی میں راجہ قتل ہوا اور اس کی فوج فرار ہو گئی۔ چھ مہینے کے بعد راجہ سورج مل کا لڑکا جواہر مل اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کی غرض سے ایک بڑے لشکر اور توپ خانہ کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جواہر مل نے ملہار راؤ ہلکر کو بھی اپنی امداد کے لئے طلب کیا۔ ہلکر پچیس ہزار فوج لے کر پہنچ گیا اور دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ نواب نجیب الدولہ نے سپاہ کی کمی کے سبب سے شہر کی کوچہ بندی کرادی اور شہر سے باہر نکل کر غنیم سے مدافعانہ جنگ شروع کی۔ لیکن چونکہ مرہٹوں نے گرد و پیش کے تمام دیہات کو تاخت و تاراج کر کے اور غلہ کی آمد و رفت بالکل

---

۲۰ فروری ۱۷۶۴ء میں انگریزوں کو یہاں تک اندیشہ ہو گیا کہ میر قاسم کی کوششوں کے نتیجہ میں ہندوستان کی جملہ طاقتیں انگریزوں کے خلاف متفق الرائے نہ ہو جائیں یہ ان کے لئے ایک نازک وقت تھا لیکن نواب شجاع الدولہ کی بزدلی نواب قاسم علی خاں کی بے زری اور واقعات کی تیز روی نے یہ منصوبہ ناکام کر دیا (بحوالہ مقالہ کارٹیر کے تحت بنگال گورنمنٹ کے ہندوستانی طاقتوں کے ساتھ سیاسی تعلقات (۱۷۷۱-۱۷۶۹ء مرتبہ پروفیسر نینی گوپال چودھری انڈین ہسٹری کانگریس پٹنہ ۱۹۴۶ء

بند کر کے نجیب الدولہ کو بے حد تنگ کر دیا اس لئے انہوں نے مجبور ہو کر اپنے حال کی ایک عرضداشت احمد شاہ درانی کے حضور میں ارسال کی اور ایک خط کے ذریعہ حافظ الملک سے مدد کی درخواست کی۔ حافظ الملک جس طرح احمد خاں بنگش کے سچے ہمدرد تھے اسی طرح نواب نجیب الدولہ کی ترقی خواہی میں بھی ہمیشہ مصروف رہتے تھے اس لئے ان کی پریشان حالی سے مطلع ہوتے ہی اوائل ۱۷۶۵ء میں عنایت خاں کو اپنے نائب کے طور پر بریلی چھوڑ کر اور نواب دوندے خاں، بخشی سردار خاں، فتح خاں خانساماں وغیرہ سرداروں کی ماتحتی میں فوج لے کر براہ بسولی دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقام دارانگر میں پہنچ کر حافظ الملک نے دریائے گنگا کا پل تیار کرایا اور پانچ چھ ہزار سواروں کو دریا عبور کرا کے حکم دیا کہ مرہٹوں کو جو نجیب الدولہ کی ریاست میں فساد برپا کر رہے ہیں اور غلہ کی رسد بند کئے ہوئے ہیں تنبیہ کر کے وہاں سے باہر نکال دیں۔ سواروں نے اپنے کار منصبی کو مستعدی سے انجام دیا اور دو تین مرتبہ مرہٹوں کو شکست دیکر اس سرزمین سے نکال دیا۔ جواہر مل اور ملہار راؤ حافظ الملک کے قریب پہنچنے کی خبر سنکر ابھی متردد ہی تھے کہ ناگاہ انہیں احمد شاہ درانی کی کابل سے ہندوستان کو روانگی کی اطلاع ملی۔ چونکہ افغانی فوجوں کی ہیبت مرہٹوں کے دلوں پر غالب ہو چکی تھی اس لئے ملہار راؤ نے خوف زدہ ہو کر جواہر مل[1] کو نجیب الدولہ کے

---

[1] جواہر مل اس جنگ میں شرکت کے واسطے سکھوں سے بھی سودا کیا۔ اس سلسلہ میں ایک لطیفہ بھی ہوا، سکھوں کو تمباکو نوشی سے نفرت ہوتی ہے۔ جواہر مل جب سکھوں سے امداد و اعانت کے مسئلہ پر بات چیت کرنے گیا تو اس کے ساتھ حقہ بردار بھی تھے سکھوں نے ان کو نکال دیا لیکن جواہر مل نے مصلحت وقت کے تحت ضبط سے کام کیا۔ مرہٹوں کے علاوہ دس ہزار ناگا گوشائیں بھی اس کے لشکر میں شریک تھے۔ دہلی کی سختی کے ساتھ ناکہ بندی کی وجہ سے نجیب الدولہ کو غلہ کے حصول میں دقت ہو گئی تھی ساتھ ہی ساتھ پیسے کی بھی قلت ہو گئی تھی۔ نواب نجیب الدولہ نے اس پریشانی کا یہ حل نکالا کہ گلاب سنگھ گوجر کو ایکو پچاس

ساتھ صلح کرنے پر مجبور کر دیا اور جواہر مل اپنے دار الحکومت بھرت پور کو واپس چلا گیا حافظ الملک دہلی پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ نجیب الدولہ کے پاس سے قرار داد صلح کی اطلاع آگئی اور وہ بجائے دہلی جانے کے کچھ عرصہ کے لئے مقام حسن پور میں قیام پذیر ہو گئے۔

---

[۲۴] چیدہ چیدہ جوان دئے اور حکم دیا کہ نجیب آباد جائے جو اس وقت پانچ دن کی راہ پر تھا اور وہاں سے خزانہ لے آئے۔ چنانچہ یہ دلیر لوگ دن کو جنگلوں میں چھپتے ہوئے اور رات کو جاٹوں کے تھانوں کے پاس سے گذرتے ہوئے نجیب آباد پہنچ گئے اور ایک ایک سوار پانچ پانچ سو اشرفیاں باندھ کر دہلی واپس آیا اس طرح قلت سرمایہ کا مسئلہ حل ہو گیا۔

(بحوالہ سرگذشت نجیب الدولہ از نور الدین مرتبہ شیخ عبد الرشید و مولوی عبد السلام خاں)

(۴۲)

بریلی میں نواب شجاع الدولہ کا ورود اور حافظ الملک کا مشورہ

حافظ الملک کا ہنوز حسن پور میں قیام تھا کہ شجاع الدولہ انگریزوں کے ہاتھ سے چند اور شکستیں اٹھانے کے بعد اپنے متعلقین کے ساتھ بصد ناکامی و نامرادی وارد بریلی ہوئے یہ واقعہ جاج نامہ میں اس طرح درج ہے :-

سوئے فیض آباد و لکھنو نخست	فرستاد مردان راہ دین درست
درین ہر دو جا داشت وابستگان	فراواں ہمش گنج بودہ نہاں
کز انجا بہ شہر بریلی برند	برہ اندرون ہیچ گوں نغنوند
بہ سالار آن شہر از دیر گاہ	چو در دوستی داشت بکشودہ راہ
شمردہ مر او را نگہبان خویش	فرستاد گنج و شبستان خویش

جب شجاع الدولہ بریلی کے قریب پہنچے تو عنایت خاں استقبال کے واسطے آئے اور بہت کچھ لوازم مہمان داری بجالائے، چونکہ اس وقت شجاع الدولہ اپنی مصیبت میں حافظ الملک سے طالب امداد تھے اس لئے عنایت خاں شجاع الدولہ کو بریلی ٹھہرا کر حسن پور گئے اور وہاں پہنچکر حافظ الملک کی خدمت میں مفصل حال عرض کیا۔ عنایت خاں کے روانہ ہونے کے بعد شجاع الدولہ بھی اپنے متعلقین کو بریلی چھوڑ کر از خود حسن پور روانہ ہو گئے جب قریب پہنچے اور حافظ الملک نے ان کے آنے کی خبر سنی تو اپنے ڈیرے سے دو کوس جا کر بڑے اعزاز و

اکرام سے اپنے لشکر میں لائے۔ دو تین روز کے بعد[1] حافظ الملک شجاع الدولہ کو ساتھ لیکر فرخ آباد تشریف لے گئے، وہاں بعد مشورہ نواب احمد خاں بنگش یہ امر قرار پایا کہ اول اپنے وکلاء کی معرفت انگریزوں کو پیام مصالحت بھیجا جائے اگر انہوں نے منظور کر لیا فہو المراد ورنہ جیسا مقتضائے وقت ہو عمل کیا جائے[2]۔ شجاع الدولہ کو یہ مشورہ قطعی ناپسند ہوا اور انہوں نے ملہار راؤ ہلکر اور چند دوسرے سرداران مرہٹہ کو اپنی مدد کے واسطے بلایا اور سب نے مل کر ۳ مئی ۱۷۶۵ء کو کوڑا جہاں آباد کے قریب انگریزوں پر حملہ کیا، مرہٹے انگریزی توپوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور ملہار راؤ تاب مقابلہ نہ لا کر فرار[3] ہو گیا۔ شجاع الدولہ جو محض مرہٹوں کے بھروسے پر انگریزوں سے لڑے تھے شکست کھا کر مجبوراً فرخ آباد کو واپس آتے اور اپنے کشود کار کے لئے دوبارہ حافظ الملک سے طالب امداد ہوئے۔

حافظ الملک کی ایک سیاسی غلطی

حافظ الملک نے انہیں پھر انگریزوں سے صلح کی سلسلہ جنبانی کا مشورہ دیا، اس مرتبہ شجاع الدولہ نے اس مشورہ کو مان لیا اور انگریزوں کے لشکر کو روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک نے منشی ٹیک چند کو بھی پانچسو سواروں کی جمعیت کے ساتھ شجاع الدولہ کے ہمراہ رکاب اپنے سفیر کے طور پر انگریزوں کے پاس روانہ کیا[4]۔

شجاع الدولہ اور منشی ٹیک چند میجر کارنک انگریزی سپہ سالار کے لشکر میں پہنچے تو اس نے ان کا استقبال کیا اور شجاع الدولہ نے بھی پالکی سے اتر کر اس سے معانقہ کیا اور اس کے ہمراہ خیمہ میں گئے۔ ۲۰ اگست ۱۷۶۵ء کو کلائیو گورنر بنگال انگریزی کیمپ میں پہنچ گیا تو مصالحت شروع ہوئی اور بموجب شرائط صلح پچاس لاکھ روپیہ تاوان جنگ ادا کرنے کے بعد تمام صوبہ

---

[1] واقعہ تو صرف اتنا ہے لیکن مصنف تواریخ اودھ کمال الدین حیدر نے اس اعلیٰ جذبۂ جہانداری میں بھی برائی پیدا کی ہے اور لکھا ہے کہ نواب نے بریلی جانا مناسب نہ سمجھا بلکہ روہیلوں سے غیر مطمئن ہو کر واپس ہوئے (تواریخ اودھ ۶۶۔۶۷)

[2] گل رحمت [3] اخبار الصنادید جلد اول [4] گل رحمت، اخبار الصنادید

اودھ باستثناء کوڑا جہاں آباد اور الہ آباد شجاع الدولہ کو واپس دیدیا گیا۔ یہ عہد و پیمان بھی ہوا کہ انگریز اور شجاع الدولہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست کے دوست اور دشمن کے دشمن رہیں گے۔ اگر کسی ایک پر دشمن کا حملہ ہوگا تو دوسرا اس کی اعانت کرے گا اور جو فریق اعانت کے واسطے فوج طلب کرے وہ صاحب فوج کو مصارف کے واسطے روپیہ دے گا۔ امور ملکی میں صلاح و مشورہ کرنے کی غرض سے ایک انگریز سفیر کا بھی اودھ میں رہنا قرار پایا۔[۱]

مذکورہ شرائط کے ساتھ صلح ہونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ آئندہ کے لئے شجاع الدولہ حافظ الملک اور دوسرے ہندوستانی حکمرانوں کی دسترس سے بالکل باہر ہو گئے۔ خود شجاع الدولہ کی آزادی اور خودمختاری کا بھی ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا اور وہ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے معاملہ میں انگریزوں کی مرضی کے پابند ہو گئے۔

حافظ الملک کا اس موقع پر شجاع الدولہ کو انگریزوں سے صلح کا مشورہ دینا ایک سیاسی غلطی تھی کیونکہ شجاع الدولہ کا انگریزوں کے زیر اثر آجانا ہی دراصل زوال حکومت روہیل کھنڈ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اودھ پر انگریزی قرضہ کے بار گراں کا اس وقت سے جو سلسلہ شروع ہوا تو وہ کبھی ختم نہ ہو سکا اور آگے چل کر اسی قرضہ نے اگر ایک طرف شجاع الدولہ کو سرزمین روہیل کھنڈ پر مصائب و آلام کا طوفان برپا کرنے پر مجبور کیا تو دوسری طرف ان کے جانشین کو بیگمات اودھ یعنی ماں اور دادی پر وحشیانہ مظالم توڑنے کی اجازت دینے پر تیار کیا۔

شجاع الدولہ نے انگریزوں سے صلح کے بعد ایک خط منشی ٹیک چند کے ذریعہ حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا جس میں کوائف صلح کے علاوہ یہ استدعا بھی کی تھی کہ ان کے متعلقین کو لکھنؤ روانہ کر دیا جائے۔ یہ خط موصول ہونے پر حافظ الملک نے بریلی میں اپنے

---

[۱] مِلس ہسٹری آف انڈیا جلد سوم۔

کارپردازوں کو حکم جاری کر دیا کہ ضروریات سفر مہیا کر کے شجاع الدولہ کے متعلقین کو بحفاظت تمام اودھ کو روانہ کر دیں[۱]

ملہار راؤ کے حملہ کی مدافعت کے لئے حافظ الملک کی بھپوند کو روانگی

حافظ الملک ہنوز فرخ آباد ہی میں موجود تھے کہ ان کو یہ خبر ملی کہ ملہار راؤ نے اٹاوہ پر حملہ کر دیا اور ملا حسن خاں ابن ملا محسن خاں بھپوند میں محصور ہو گئے۔ یہ خبر بھی پہنچی کہ شیخ کبیر محصورین

۱؎ تاریخ افغانستان موسوم بہ نقش سلیمانی میں ایک روایت ہے کہ شجاع الدولہ روہیل کھنڈ آ کر حافظ الملک سے طالب امداد ہوئے تو انہوں نے پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ عنایت خاں کو ان کے ہمراہ کر دیا جب بعد شکست انگریزوں سے صلح ہو گئی تو بحکم گورنر صاحب بہادر شجاع الدولہ نے اپنا خیمہ و لشکر مقام فرودگاہ سے پانچ کوس پیچھے ہٹایا اور گورنر نے اپنا خیمہ و لشکر اس مقام پر کیا جہاں نواب شجاع الدولہ کا لشکر تھا لیکن نواب عنایت خاں بہادر نے اپنا خیمہ و لشکر اسی مقام پر رکھا جہاں تھا۔ گورنر نے لشکر نواب عنایت خاں کو دیکھ کر کہلا بھیجا کہ آپ نواب وزیر کی کمک کو آئے تھے جب نواب وزیر نے اپنا لشکر و خیمہ پیچھے ہٹایا آپ نے ان کے ساتھ کوچ کیوں نہیں کیا ہمارے ساتھ آپ کو جنگ منظور ہے۔

نواب عنایت خاں بہادر نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ نواب وزیر سے اور آپ سے صلح ہو گئی اور میں بے شک انہیں کی کمک کو آیا تھا۔ آپ اس امر میں مجھ سے مزاحمت نہ کریں۔ مجھے سرکار انگریزی سے بیکار لڑنا منظور نہیں آپ تشریف لیجائیں جب میرا جی چاہے گا میں بھی کوچ کر جاؤں گا ورنہ میدان جنگ سے بفضل خدا میرا قدم کبھی نہیں ہٹا ہے۔ آپ جانیں اور نواب شجاع الدولہ جانیں۔ یہ جواب سن کر گورنر نے فرمایا کہ اچھا آپ کو اختیار ہے۔ ہم کو غرض نواب شجاع الدولہ بہادر سے تھی وہ اپنا لشکر پیچھے ہٹا لے گئے، آپ جب تک چاہیں یہیں خیمہ رہنے دیں۔ چنانچہ اس کے تین روز بعد نواب عنایت خاں بہادر نے بھی اپنے لشکر کو لے کر اس مقام سے کوچ کیا۔ تین دن تک میدان جنگ نہ چھوڑا۔

اسی سال ایک طوائف برقی نام نہایت حسینہ اور جمیلہ ضلع عظیم آباد یا مرشد آباد سے بغیاں ملازمت

کی مدد کے واسطے اٹاوہ سے پھپوند کو چل دئے۔ ان خبروں کو سن کر حافظ الملک بھی ہمراہ رکاب سواروں کی فوج کو ساتھ لے کر بہ سرعت تمام پھپوند کی طرف روانہ ہوئے اور دو پہر میں چونتیس کوس کی مسافت طے کر کے پھپوند پہنچ گئے وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ ملہار راؤ ان کی آمد کی اطلاع پاکر پھپوند کے محاصرہ سے دست بردار ہوگیا اور دریائے جمنا کو پار کر کے دکن کی طرف چلا گیا۔ حافظ الملک نے ملہار راؤ کا تعاقب کرنا خلاف مصلحت سمجھا اور پھپوند ہی میں ٹھہر کر چند روز کے بعد اٹاوہ تشریف لے گئے، کچھ عرصہ وہاں کی مہمات میں مشغول رہے اور اس نواح کے سرکشوں کی خاطر خواہ سرکوبی کر کے اور دوسرے انتظامات ملکی انجام دیکر وطن کو واپس آگئے۔

؎ نواب وزیراودھ وارد ہوئی، ہنوز نواب صاحب تک نہ پہنچی تھی کہ عنایت خاں بہادر کی نظر اس پر پڑی طوائف سمجھ کر اس کو طلب کیا تو اس نے حاضر ہونے سے انکار کیا اور یہ کہلا بھیجا کہ میں نواب وزیر اودھ کی ملازمت کے لئے آئی ہوں وہ پٹھان مجھے کیا نوکر رکھے گا، لاکھ روپیہ سے کم پر ملازمت نہ کروں گی یہ جواب سن کر فوراً نواب عنایت خاں نے مبلغ ایک لاکھ روپیہ اس کو بھجوا کر اپنے ملازموں سے کہا کہ ابھی اس کو اپنے ساتھ لے آؤ چنانچہ کارپردازان عنایت خاں نے ایسا ہی کیا کہ اسے فوراً لے آئے وہ عورت نواب عنایت خاں کی یہ سیر چشمی و نوازش دیکھکر نہایت راضی اور خوش ہوئی۔

چونکہ نواب عنایت خاں بھی وجیہہ و شکیل جوان تھے اس نے پھر ان کی مفارقت گوارا نہ کی عقد کر کے گھر میں بیٹھ گئی۔ نواب عنایت خاں اور حافظ الملک کی وفات کے بعد محبت خاں بہادر نے بہ خیال دور اندیشی اپنا عقد اس نیک بخت سے کر لیا۔ نواب صاحب موصوف کے کوئی اولاد اس کے بطن سے نہیں ہوئی۔
مذکورہ بالا دلچسپ واقعات کی کسی دوسری تاریخ سے تائید نہیں ہوتی گو حافظ الملک کے اہل خاندان میں ان واقعات کا اب تک تذکرہ ہوتا ہے

(۲۵)

حافظ الملک کی ملاقات شاہ عالم سے اور اُن کے صاحبزادوں کا اعزاز

روہیل کھنڈ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حافظ الملک فتح گڑھ تشریف لے گئے جو ان کے مقبوضات میں شامل تھا۔ فتح گڑھ میں جو فرخ آباد سے بہت قریب تر واقع ہے حافظ الملک کے ورود کی خبر سن کر ان کے دوست نواب احمد خاں بنگش نہایت خوش ہوئے اور ایک روز انواع و اقسام کے کھانوں کے نہایت پر تکلف خوان بطور دعوت حافظ الملک کی خدمت میں ارسال کر کے اس کے دوسرے روز خود بھی ملاقات کرنے کے لئے فتح گڑھ آئے حافظ الملک ان سے مل کر کے بہت مسرور ہوئے اور ان کی مہمانی کا سرانجام کیا۔ احمد خاں نے تمام دن حافظ الملک کے خیمہ میں گزارا اور شام کے وقت فرخ آباد کو واپس ہوئے روانگی کے وقت یہ بھی استدعا کی کہ آپ فرخ آباد ضرور تشریف لائیں، چنانچہ دوسرے روز علی الصباح حافظ الملک نے فرخ آباد کی طرف کوچ کیا۔ نواب احمد خاں نے سامانِ دعوتِ شاہانہ مرتب کیا اور قسم قسم کے کھانے پینے کی چیزیں مہیا کیں۔ حافظ الملک اسی روز پورا دن عیش و عشرت میں گذار کر بعد نماز عصر فتح گڑھ کو واپس ہوئے۔ احمد خاں بیرون شہر تک رخصت کرنے کی غرض سے ہمراہِ رکاب آئے اسی طرح اکثر دعوتیں اور مہمان داریاں طرفین سے ہوتی رہیں۔ کبھی نواب احمد خاں حافظ الملک کے پاس فتح گڑھ آ کر ان کے لطف و محبت سے کیف اندوز ہوتے اور کبھی حافظ الملک فرخ آباد تشریف لے جا کر ان کو مسرور و مشکور فرماتے۔

حافظ الملک ہنوز فتح گڑھ میں مقیم تھے کہ شاہ عالم بادشاہ کا جو اس وقت اپنی فوج

نواب حافظ محمد یار خان ابن حافظ الملک

کو لیتے ہوئے کوڑا جہاں آباد میں مقیم تھے ایک فرمان پہنچا کہ حاضر بارگاہ اقدس ہوں۔ اس فرمان کے پہنچنے پر حافظ الملک کوڑا کی جانب روانہ ہو گئے قریب پہنچے تو بحکم بادشاہ منیر الدولہ مدار السلطنت، ذو الفقار الدولہ نجف خاں اور کرنل بارکر لشکر شاہی سے تین کوس کے فاصلہ پر استقبال کے واسطے آئے اور حافظ الملک کے خیمہ میں ایک پہر تک بات چیت میں مشغول ہو کر رخصت ہوئے اور یہ قرار پایا کہ دوسرے روز حافظ الملک بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ بموجب قرار داد دوسرے روز حافظ الملک سوار ہو کر لشکر شاہی میں پہنچے اور ملازمت بادشاہی سے مسرور و مفتخر ہوئے۔ بادشاہ نے حافظ الملک پر بے انتہا نوازش و مہربانی مبذول فرمائی اور ان کے منصب قدیم وکالت مطلق کا خلعت فاخرہ عنایت کیا۔ حافظ الملک کے صاحبزادگان ارادت خاں، حافظ محمد یار خاں اور غلام مصطفےٰ خاں کو بھی جو اس سفر میں ہمراہ تھے بادشاہ نے اپنی ملازمت کا شرف بخشا اور ہر ایک کو گراں بہا خلعت پیش گاہ شاہی سے مرحمت ہوا۔ اسی طرح فتح خاں خانساماں، مستقیم خاں پسر شیخ کبیر اور عبد الستار خاں رسالداروں کو جو حافظ صاحب کی معیت میں تھے خلعت مرحمت ہوئے۔ چونکہ اسی زمانہ میں حافظ محمد یار خاں نے حفظ کلام اللہ سے فراغت حاصل کی تھی، اس لئے اس خبر کو سن کر بادشاہ نے ان کو تسبیح خانے میں طلب فرمایا اور پنج آیت شریف سننے کے بعد ان کی خوش گلوئی اور صحت لفظی سے مسرور ہو کر ایک پا تھا فیل عنایت کیا۔ نیز اضافہ منصب اور عطائے خطاب کا امیدوار بنایا۔" چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد حافظ محمد یار خاں نے اپنے وکیل کی معرفت نذرانہ پیش کش کیا اور مذکورہ بالا عطیات کی خواستگاری کا اظہار کیا تو حکم شاہی کے بموجب اہلکاران دربار نے یادداشت بابت منصب پنج ہزاری و دو ہزار سوار مع عطیہ پالکی جھالردار اور خطاب معظم الدولہ حشمت جنگ تحریر کر کے حوالہ کیا۔ حافظ الملک جب تک کوڑا میں مقیم رہے روزانہ حضور شاہ میں حاضر ہوتے اور معاملات ملکی میں شریک مشورہ ہوتے تھے۔

چند روز کے بعد شاہ عالم الہ آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت بادشاہ نے

دوبارہ حافظ الملک کو خلعت و شمشیر اور اسپ و فیل عطا فرمایا۔ بادشاہ کی حصول ملازمت سے شرف اندوز ہو کر حافظ الملک جونہی بریلی پہنچے انہیں یہ افسوسناک خبر ملی کہ ملا حسن خاں بعارضہ سل انتقال کر گئے۔ ملا حسن خاں امان زئی پٹھان تھے۔ آغاز جوانی میں ولایت سے آ کر بمقام شاہجہاں پور عرصہ تک تحصیل علم میں مشغول رہے۔ بعد انفراغ نواب علی محمد خاں کی فوج میں ملازم ہوئے۔ حافظ الملک کے عہد حکومت میں ابتداءً عہدۂ جمعداری پر فائز ہوئے اور رفتہ رفتہ بڑے بڑے معرکوں میں اپنے جوہر شجاعت دکھانے کی وجہ سے ایک نامور رسالدار ہو گئے۔ حافظ الملک کو ان پر بہت اعتماد تھا اور ان سے قلبی محبت کرتے تھے۔ چنانچہ ملا صاحب کے انتقال کے بعد حافظ الملک نے ان کا رسالہ ان کے بڑے لڑکے محمد محسن خاں کے سپرد کر دیا۔

---

(۲۶)

مرہٹوں کی شمالی ہند پر از سر نو یورش اور حافظ الملک کی مشکلات

پانی پت کی مشہور لڑائی کو ختم ہوئے ابھی پورے دس سال نہ گزرے تھے کہ چند در چند خانہ جنگیوں کے بعد مرہٹوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنے کھوئے ہوئے وقار کو از سر نو حاصل کریں اور گئے ہوئے اثر و اقتدار کو پھر سے قائم کریں اس خیال کو عملی صورت میں لانے کے لئے مرہٹہ سردار ایک لاکھ فوج جرار کے ساتھ سنہ ۱۷۷۰ء میں دریائے نربدا کو عبور کر کے شمالی ہند کی دوبارہ تسخیر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس موقع پر مرہٹوں کو روہیلوں اور دوسرے ان مسلمان حکمرانوں کو جنہوں نے سنہ ۱۷۶۱ء میں ان کے استیصال میں شاہ درانی کا ساتھ دیا تھا۔ خاص طور پر زیر کرنا مد نظر تھا لیکن ان مسلم حکمرانوں کے علاوہ انہیں کسی دوسرے غیر مسلم راجہ یا سردار سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی اور انہوں نے اس مہم میں ان راجپوت سرداروں کو بھی خوب لوٹا کھسوٹا جن کی ریاستیں ان کے راستہ میں پڑتی تھیں راجپوتوں کے بعد جاٹوں کی باری تھی جن کے مقبوضات اس وقت مرہٹوں کی موجودہ جائے قیام اجین اور روہیلوں کے درمیان حائل تھے۔ اجین تک مرہٹوں کے بڑھ آنے کی حافظ الملک کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے اور جاٹوں کے علاقہ پر جو ان کے دوست تھے آئندہ پیش آنے والے جملہ خطرات کو محسوس کر کے ازراہ دور اندیشی و بالغ نظری مرہٹوں کے مقابلہ میں جاٹوں سے اتحاد عمل کرنا چاہا تاکہ وہ اور جاٹ مل کر مرہٹوں کو آگے بڑھنے سے روکیں اور اس طرح ع علاج واقعہ پیش از وقوع باید کرد۔ کے صحیح طور پر مصداق بنیں۔

راجہ نول سنگھ سے اتحاد عمل کی تحریک
حافظ الملک کا ایک اہم خط اور اس کا جواب

اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر حافظ الملک نے ایک عاقلانہ اور دردمندانہ خط راجہ نول سنگھ والی بھرت پور کو لکھا:-

بعد ترقیم مدارج اشتیاق ملاقات بہجت آیات جو اندازۂ بیان سے زیادہ ہیں مکشوف ضمیر منیر کیا جاتا ہے کہ جب سے آپ کی خیریت کا خط نہیں موصول ہوا ہے، جناب کی خیریت دریافت کرنے کی بے حد تمنا اور اشتیاق ہے۔ عالم محبت معنوی میں اگرچہ کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہے لیکن خط و کتابت کا سلسلہ بند ہونے سے طبیعت میں فکر اور تردد پیدا ہوجاتا ہے۔ فوج دکنی کے خروج کا حال اور ہندوستان کو زیر و زبر کرنے کے واسطے تین سرداروں کی روانگی اور ان کی دست درازی کے معاملات آپ نے خارجاً سن لئے ہوں گے، ہر چند کہ مجھ کو ایسا گمان نہیں ہے کہ کوئی بھی رئیس اور والی ملک اس کام کی تدبیر سے غافل ہوگا یا اپنی تدابیر خلاف عقل کرتا ہوگا یا خدائے تعالیٰ جل شانہ کے فضل پر بھروسہ کرکے چارۂ کار میں مشغول نہ ہوگا۔ لیکن سخت افسوس یہی ہے کہ اس ملک کے سرداروں نے دور اندیشی سے غافل ہوکر نفاق کو آپس میں رائج کردیا ہے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر ایک کے گھر کو آگ لگ جاتی ہے تو دوسرے کے منہ سے آہ نہیں نکلتی بلکہ خوشی کے چراغ روشن کرتا ہے گذشتہ زمانہ میں جب بھاؤ نے اس طرف لشکر کشی کی تو اس کی مدافعت کے واسطے ہر ایک مسلح اور مستعد ہوگیا۔ بادشاہ درانی بھی اس مہم دشوار گذار میں معاون ہوگئے اور ہندوستان کے تمام سرداروں کو اپنے حلقۂ اطاعت میں لے کر اس کی مدافعت میں مصروف ہوگئے۔ آج جو ہم نظر عمیق سے دیکھتے ہیں تو ہر خاندان ایک آشوب حوادث میں مبتلا ہے اور کسی کو کسی کے حال کی خبر نہیں ہے۔ چونکہ آپ ایک عمدہ رئیس ہیں اور آپ کے خاندان گرامی کی شوکت و شکوہ تمام ہندوستان

میں مشہور ہے، لہٰذا اگر آپ رخنۂ فساد کے انسداد کی طرف شروع سے متوجہ ہو جائیں اور اس نواح (یعنی روہیل کھنڈ) کے سرداروں کو اپنا رفیق سمجھیں تو یہ ہر وقت کا کھٹکا دل سے دور ہو جائے اور اطمینان خاطر حاصل ہو جائے لیکن مداخل کی کمی اور مخارج کی زیادتی کے سبب سے آپ کو ہماری مالی امداد ضرور کرنا ہو گی تاکہ ہم لوگ فوج اور سپاہ کی دلجمعی کا بندوبست اور سفر کا اسباب مہیا کر کے حق دوستی ادا کریں جو فی زمانہ بغیر مالی امداد کے ناممکن ہے اور تائید غیبی سے اگر کامیابی ہو گئی تو آئندہ ہمیں آپ کی مالی امداد کی ضرورت نہ پڑیگی چونکہ آپ کا مقبوضہ اس سیلاب فساد کے راستہ میں واقع ہے اور اس کے نتیجہ میں جو انقلاب پیدا ہو سکتے ہیں وہ سریع الظہور ہیں لہٰذا خدمت عالی میں عرض کیا گیا تاکہ کل کو مخلصوں کے مواجہ میں جائے شکایت نہ رہے باقی امور منشی چتر بھوج زبانی عرض کرے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں"۔

حافظ الملک کا یہ خط جب بھرت پور پہنچا تو جاٹوں میں سخت خانہ جنگی ہو رہی تھی ۱۷۶۸ء میں راجہ جواہر مل کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا لڑکا رتن سنگھ بھی ۱۷۶۹ء میں قتل ہو چکا تھا اور اس وقت رتن سنگھ کا نابالغ لڑکا کیہری سنگھ تخت نشین تھا جس کے دو سوتیلے چچا نول سنگھ (جس کو حافظ الملک نے خط لکھا تھا) اور رنجیت سنگھ عہدۂ مدار المہامی کے لئے آپس میں لڑ رہے تھے چھوٹے بھائی رنجیت سنگھ نے اپنی مدد کے لئے سکھوں کو بلایا تھا اور نول سنگھ مرہٹوں سے طالب امداد تھا۔ اس لئے اندریں حالات نول سنگھ نے براہ کوتاہ اندیشی جو جواب حافظ الملک کو لکھا اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"نواب صاحب مہربان مخلصان سلامت

لہ ہسٹری آف دی جاٹس۔ پروفیسر قانون گو

صحیفۂ گرامی موصول ہو کر نہایت خوشی کا موجب ہوا۔ اہل دکن کی آمد آمد کی خبریں
معلوم ہوئیں اور یہ معلوم کر کے کہ آپ بمقتضائے صفاء و اختصاص و محبت و
اخلاص شرائط دوستی بجالانے کے واسطے مستعد و مصروف ہیں اطمینان کلی
حاصل ہوا نیز دیگر مراتب دور اندیشی جو آپ کے خط میں تحریر تھے مفصل دریافت ہوئے
مہربان من حفظ مراتب وفاق کا مقتضا یہی ہے کہ سختی کے وقت دوستی کے کھرے
کھوٹے کو آزمائش کی کسوٹی پہ جانچ لیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ میرے وکلاء جو پیشوا
صاحب بہادر کے دربار میں رہتے ہیں ان کی تحریروں کے ذریعہ آپ کے لکھنے سے قبل
یہ سب حال معلوم ہو گیا تھا کہ شریمنت بہادر نے صوبہ دار تکوجی ہلکر اور پٹیل صاحب
بہادر کو ہندوستان سے اپنا زرواجب وصول کرنے کی غرض سے جو سالہا سال سے
ان کو نہیں پہنچا ہے نیز چونکہ انقلاب سابق کی وجہ سے ابھی ان کے دل کا آبلہ نہیں
پھوٹا ہے روانہ کیا ہے اور راؤ رام چندر گنیش کو مع رائے ٹیرکا کے ان کے ہمراہ کر دیا
ہے چنانچہ سرداران موصوف افواج بے شمار اور سامان شاہانہ کے ہمراہ نواح
اجین میں تشریف لے آئے ہیں اور مجھ کو لکھا ہے کہ اس سال ان کو ہندوستان
سے دارو گیر منظور خاطر ہے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا انتظام ہمارے آپ کے باہمی
صلاح و مشورہ کے ساتھ ہو گا۔ لہذا اپنے وکیل کو روانہ کیجئے اور جس راستے سے آپ لکھیں
اسی راستہ کو لشکر کا گذرگاہ قرار دیا جائے، بالفعل چند روز لشکر اطراف جے پور میں
مقیم رہے گا، چنانچہ میں نے ایک معتمد کو روانہ کر دیا ہے اور یہ امر منظور کر لیا ہے کہ ان
سرداران عالی شان کے تشریف لانے پر میں خود ان سے ملاقات کروں گا چونکہ
اس دفعہ ان سرداران ذی شان کے ارادے بہت دور و دراز کے ہیں، کسی
ایک ہی شخص یا ریاست کا فتح کرنا منظور نہیں ہے لہذا بمقتضائے وثوق محبت
آپ کو تحریر ہوتا ہے کہ آپ کو اور دیگر صاحبان لشکر کو سرداران فوج دکنی سے

اتفاق یا اختلاف جیسا کچھ منظور ہو بے تکلف تحریر کر دیں تاکہ بوقت مناسب دوستی کو مدنظر رکھتے ہوئے انتظام التیام امور دوستان کو عمل میں لایا جائے، اگر صاحبان دکن اور سرداران ہند کے دلوں میں کدورت کا کوئی غبار ہو گا تو اس کی صفائی کی تدبیر کی جاوے گی اور جنگ و پیکار کا طوفان برپا نہ ہونے دیا جائے گا، اس سبب سے کہ خود میرا قدم میدان میں جما ہوا ہے، میں دوستوں کے امور کی رونق و سرسبزی کا دل سے خواہاں ہوں اگر آپ کو اپنے افشاء مافی الضمیر اور اظہار مظنونات خاطر میں کسی قسم کی رکاوٹ ہے تو مجبوری ہے اس سبب سے کہ اس صورت میں شروع کار کے وقت تدبیر صرف تیر ہوائی کے طور پر ہو گی ممکن ہے کہ مدعا پر نشانہ نہ لگے۔ باقی مراتب خصوصیت و موالات منشی چیتر بھوج داس کی زبانی آپ کو معلوم ہوں گے۔ اپنی خیریت مزاج سے ہمیشہ مطلع اور مسرور کرتے رہئے زیادہ ایام مسرت بکام باد۔[1]

حافظ الملک نے راجہ نول سنگھ کے مشورہ پر کہاں تک عمل کیا اس کا کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا زیادہ گمان یہی ہے کہ مرہٹوں کی قدیم دشمنی اور فطری بے وفائی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو راجہ نول سنگھ کے اس جواب سے بہت مایوسی ہوئی ہو گی اور انہوں نے راجہ مذکور کے ذریعہ مرہٹوں سے صلح و آشتی کا کوئی نامہ و پیام نہ کیا ہو گا۔ خود راجہ نول سنگھ کو بھی مرہٹوں سے حسن ظن اور امید رکھنے کا زبردست خمیازہ بھگتنا پڑا چنانچہ ہسٹری آف دی جاٹس کے لائق مولف پروفیسر کالیکارنجن قانون گو اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:۔

"مرہٹوں نے آپس میں لڑنے والے مختلف ہندوستانی حکمرانوں کے درمیان ایک

---

[1] حافظ الملک اور راجہ نول سنگھ کے خطوط ہم نے تاریخ اودھ حصہ دوم سے فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کر کے نقل کئے ہیں مولف تاریخ اودھ کو یہ خطوط بھرت پور سے ملے ہیں ۱۲

طاقت ور صلح کار کا سا طرز عمل اختیار کرنے کے بجائے شرارت پسندوں اور بغاوت و خانہ جنگی کو ترغیب دینے والوں کا کردار ادا کیا۔ جس وقت سورج مل کے لڑکے اپنے اپنے حق مدار الہامی کا تلوار سے فیصلہ کر رہے تھے مرہٹے اس جنگ کا بہ نظر استحسان تماشہ دیکھتے رہے۔ جب نول سنگھ نے اپنے چھوٹے بھائی رنجیت سنگھ کو شکست دیکر اور سکھوں کو روپیہ کے ذریعہ مطمئن کر کے خانہ جنگی کا قریب قریب خاتمہ کر دیا تو مرہٹے جاٹوں کے ملک میں داخل ہوئے اور بھرت پور کے گرد و نواح کی لوٹ مار شروع کر دی۔ ساتھ ہی انہوں نے رنجیت سنگھ کو بھی اپنے بھائی سے جنگ کرنے کے لئے از سر نو بھڑکایا۔[1]

نول سنگھ سے مرہٹوں کی لڑائی، حافظ الملک کے مشورہ پر عمل نہ کرنیکا خمیازہ

اپنی تمام پہلی قرار دادوں اور تمام مواعید کو فراموش کر کے مرہٹوں نے بہ کمال دیدہ دلیری محض روپیہ اینٹھنے کی غرض سے امداد دینے کے بجائے الٹا نول سنگھ ہی سے لڑنا شروع کر دیا۔ راجہ نول سنگھ بیچارہ اس صورت حال سے بالکل بے خبر تھا اس لئے جب ڈیگ کے قریب جنگ ہوئی تو اس کی فوج کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ پانچ ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ مقتول و مجروح ہوئے۔ مزید براں لڑائی کے بعد پینسٹھ لاکھ روپیہ پر تصفیہ ہوا تو کہیں بدقت نول سنگھ کی جان چھوٹی۔ اگر راجہ نول سنگھ حافظ الملک کی تحریک امداد کا خیر مقدم کرتا اور مرہٹوں کی چال میں نہ آجاتا تو نہ صرف

---

[1] ماہ جون ۱۷۷۰ء میں دوندے خاں نے بھی جاٹوں، روہیلوں اور انگریزوں کا متحدہ محاذ بنانے کی تجویز پیش کی تھی تاکہ مرہٹوں کو دوآب سے اکھاڑ دیا جائے۔ کرنل گیلز کو کلکتہ کاؤنسل نے ہدایت دی کہ دوندے خاں کو مغالطہ میں رکھے لیکن گفتگو کسی قطعی نتیجہ پر نہ پہنچے دی جائے کیونکہ فی الوقت کسی معاہدہ کا خیال بعید از قیاس ہے۔ کارروائی کلکتہ کاؤنسل بحوالہ مقالہ پروفیسر نیتی گوپال چودھری ہسٹری کانگریس پٹنہ ۱۹۴۲ء

اسے یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا بلکہ مرہٹوں کا سیلابِ فساد آگے بڑھنے سے بھی رک جاتا۔

مرہٹوں کا رخ فرخ آباد کی طرف اور حافظ الملک نواب بنگش کی حمایت میں۔ نواب نجیب الدولہ کی بے تدبیری

جاٹوں کے استیصال سے فارغ ہو کر مرہٹوں نے اب جنگ پانی پت والے اپنے اصلی دشمنوں نواب نجیب الدولہ نواب احمد خاں بنگش والیٔ فرخ آباد اور حافظ الملک وغیرہ کی طرف رجوع ہونا چاہا۔ اس صورت حال سے روہیلہ سرداروں کو بڑی تشویش پیدا ہوئی اور ان میں سے ہر ایک اپنی حفاظت کی تدبیر کرنے لگا۔ اس عام قومی خطرے کے وقت نواب نجیب الدولہ نے نہایت بے تدبیری سے کام لیا۔ یعنی دوسرے پٹھان سرداروں سے مشورہ کئے بغیر صرف ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھ کر دیاجی کشن اور اپنے قدیم دوست ٹکوجی ہلکر کی وساطت سے اپنی فوج لے کر دوآبہ میں گئے اور بالا ہی بالا مرہٹوں سے صلح کر لی[1]۔ اور ان کی توجہ اپنے مقبوضات کی طرف سے ہٹانے کے لئے یہ مشورہ دیا کہ نواب احمد خاں بنگش والیٔ فرخ آباد کا علاقہ فتح کرنا چاہئے[2]۔ مرہٹے تو خدا سے یہی چاہتے تھے فوراً نجیب الدولہ کے مشورہ کو قبول کر لیا اور ۲۷ اپریل ۱۷۷۰ء کو دونوں فوجیں فرخ آباد پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئیں۔ نواب احمد خاں بنگش کو جو اب ضعیف العمر اور نابینا ہو گئے تھے فرخ آباد پر اس چڑھائی کی خبر ملی تو انہوں نے ایک خط حافظ الملک کو لکھا جس کا یہ مضمون تھا[3]۔

---

[1] ہسٹری آف دی مرہٹاز گرانٹ ڈف [2] تاریخ فرخ آباد مولفہ ولیم ارون۔

[3] مرہٹوں کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مطالبات ہمیشہ بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر نواب نجیب الدولہ نے مرہٹوں کو دوآب کا وہ علاقہ لینے کی اجازت دیدی جو جنگ پانی پت سے قبل ان کے قبضہ میں تھا اور جو اب حافظ الملک اور احمد خاں بنگش کے قبضہ میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نجیب الدولہ دوسرے روہیلہ سرداروں کو پھنسا کر اپنی جان بچانا چاہتا تھا۔ (اقتباس کلکتہ کاؤنسل کارروائی ۹ جون ۱۷۷۰ء منجانب ہارپر مورخہ ۱۴ مئی ۱۷۷۰ء بحوالہ آرٹیکل پروفیسر نندی گوپال چودھری ہسٹری کانگریس انڈیا بہ قیام پٹنہ ۱۹۴۶ء)

"نجیب الدولہ نے پرانی عداوت کی بنا پر مہاد جی سندھیا اور ٹکوجی ہلکر۔ رام چندر گنیش اور ویسا جی کشن وغیرہ سرداران مرہٹہ کو ساتھ لے کر مجھ پر یورش کردی ہے آپ مدد کو آئیے[1]"

حافظ الملک ابتدا سے مرہٹوں سے اپنی جنگ کو ناگزیر سمجھے ہوئے تھے صرف اس بات کے منتظر تھے کہ چند طاقت ور حکمراں آپس میں مل جائیں تو مرہٹوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کرلیں اسی بنا پر انہوں نے جاٹوں کے راجہ نول سنگھ کو امداد دینی چاہی تھی۔ جاٹوں سے مایوسی کے بعد حافظ الملک کو اپنے ہم قوم حکمرانوں سے بہت کچھ توقعات تھیں لیکن نجیب الدولہ کے طرز عمل سے ان کی کمر ٹوٹ گئی، کیونکہ ایک بڑے معرکے کے لئے اب وہ مدد لیں تو کس سے لیں اور اتحاد عمل کریں تو کس سے کریں۔ حافظ الملک شجاع الدولہ کو بھی اپنا قوت بازو سمجھتے تھے لیکن ۲ر اگست ۱۷۶۵ء کے انگریزوں سے صلح نامہ کے بعد شجاع الدولہ کی آزادی رائے اور آزادی عمل کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور وہ اب تمام وکمال انگریزوں کی مرضی کے پابند ہو گئے تھے۔ وارن ہیسٹنگز ہندوستان میں آج کل انگریزی مقبوضات کا گورنر تھا۔ وہ اس وقت مرہٹوں سے اپنا دامن الجھانا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ غالباً وارن ہیسٹنگز کے مشورہ کے مطابق اس زمانہ میں شجاع الدولہ برابر مرہٹوں سے دوستانہ خط وکتابت کر رہے تھے[2]۔ غرض ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی کا سامنا تھا۔

تاہم ان تمام ناموافق حالات کے باوصف حافظ الملک نے اپنے دوست احمد خاں کا خط موصول ہونے پر محض خدا کے فضل پر بھروسہ کرکے اپنی افواج کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب فوج جمع ہو گئی اور یہ بھی خبر مل گئی کہ نجیب الدولہ سخت بیمار ہو جانے کے باعث مرہٹوں کی ہمراہی سے علیحدہ ہو کر نجیب آباد کو واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں بمقام ہاپوڑ انتقال کر گئے۔

---

[1] گل رحمت

[2] ہسٹری آف دی مرہٹاز گرانٹ ڈف۔

اور ان کا بڑا بیٹا ضابطہ خاں اپنی تمام فوج کے ساتھ سرداران مرہٹہ کے ساتھ ہے[1] اس وحشتناک خبر کو سن کر حافظ الملک حیرت زدہ ہو گئے اور نواب نجیب الدولہ کے انتقال پر بکمال درجہ اظہار افسوس کیا۔ ساتھ ہی ان جدید واقعات کا انتظار کرنے کے لئے جو نواب نجیب الدولہ کے حادثۂ وفات کی وجہ سے آئندہ رونما ہونے والے تھے قادر چوک ہی میں ٹھہر گئے صرف چند معتبر رسالدار مثل عبدالستار خاں اور سید احمد شاہ وغیرہ کو پندرہ بیس ہزار سوار و پیادوں کے ساتھ فرخ آباد کی طرف روانہ کر دیا۔

نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد حافظ الملک کے نام ضابطہ خاں کا ایک خط

حافظ الملک جن مصالح کی بنا پر قادر چوک[2] میں مقیم ہو گئے تھے ان کا فوراً ظہور ہوا یعنی بالکل خلاف توقع ان کے پاس ضابطہ خاں کا ایک خفیہ خط پہنچا جس میں لکھا تھا کہ :-

---

[1] نواب نجیب الدولہ نے ۲۲ ستمبر ۱۷۷۰ء مطابق ۱۱۸۴ھ کو انتقال کیا (تاریخ نجیب آباد مولفہ مولانا اکبر شاہ خاں) ایک معمولی جمعدار سے دہلی کی امیر الامرائی تک ترقی کی۔ دو چار کمزوریوں کو چھوڑ کر نواب نجیب الدولہ تاریخ ہند میں ایک عظیم الشان اور بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ بہادری، دوراندیشی اور اولوالعزمی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے خطوط میں نواب نجیب الدولہ کو راس المجاہدین، رئیس الغزاۃ کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ "ناظم ملک بقا" (۱۱۸۴ھ) ان کی تاریخ وفات ہے دوسری تاریخ یہ ہے۔ رباعی

زمیں را شیوۂ شیون بپا شد ٭ فلک را گریۂ دندان نما شد

بدان قدوسیاں داد ندایں رمز ٭ نجیب الدولہ واصل با خدا شد

[2] شجاعت خاں غلزئی (فرخ آباد) کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کمال درجہ عقیدت تھی اس نے حضرت شیخ کے نام پر چند بستیاں قادر گنج، قادر چوک اور قادر آباد وغیرہ آباد کیں اور یہ بستیاں بدایوں اور فرخ آباد کے اضلاع میں آج بھی موجود ہیں۔

"اپنے والد نجیب الدولہ کے تجویز کردہ اقدام سے میں نہایت شرمندہ ہوں اور اس وقت مجبوراً سرداران مرہٹہ کے ساتھ ہوں ہر چند چاہتا ہوں کہ اپنے باپ کی سوگواری کے بہانہ سے اپنے ملک کو چلا جاؤں لیکن یہ لوگ نہیں چھوڑتے اگر آپ بہت جلد فرخ آباد میں داخل ہو جائیں گے تو احمد خاں کے ساتھ اپنی عدم محاربت کی گفتگو کا سلسلہ چھیڑ کر سرداران مرہٹہ کے ساتھ معاملہ اور مصالحہ شروع کراؤں گا اور اس تقریب سے یقین ہے کہ مجھے مرہٹوں کے ہاتھ سے مخلصی نصیب ہو جائے گی"[1]

حافظ الملک جو عفو و کرم اور صفائے قلب میں اپنی نظیر آپ تھے ضابطہ خاں کی مجبوری و پریشانی سے فوراً متاثر ہو گئے اور نجیب الدولہ مرحوم کی غلطی کا کچھ لحاظ کئے بغیر ان کے لڑکے کی ہر ممکن امداد کے لئے کمربستہ ہو گئے اور اپنے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

مرہٹوں اور افغانوں کی زور آزمائی اس عرصہ میں مرہٹوں کا لشکر بھی فرخ آباد سے چودہ کوس کے فاصلہ پر آ گیا تھا لہٰذا حافظ الملک نے یہ سفر بہت تیزی کے ساتھ کیا اور پہلا پڑاؤ دریائے گنگ کے کنارے فتح گڑھ میں کر کے دریا پر پل باندھنے کا حکم دیا۔ حافظ الملک کے فتح گڑھ تک آ جانے کی خبر سن کر نواب احمد خاں بنگش نے جو بہ سبب فقدان بصر خود ملاقات کو نہ آ سکے اپنے معتمدین کو لوازم مہانداری لائقہ کے ہمراہ استقبال کو بھیجا۔ دوسرے روز حافظ الملک تنہا کشتی پر دریائے گنگ کو عبور کر کے نواب احمد خاں سے ملاقات کرنے کے لئے فرخ آباد تشریف لے گئے اور مراسم عیادت و دلداری کو بیش از بیش ادا کر کے پھر اپنے مقام کو واپس آ گئے۔ پل تیار ہو گیا تو حافظ الملک نے اپنے لشکر میں سے بیس ہزار سوار اور پیادوں کو دریا کو عبور کرنے اور مرہٹہ فوج کے ساتھ جنگ قراولی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فوج مذکور نے شہر فرخ آباد کو اپنی پیٹھ کے پیچھے

---

[1] گل رحمت۔

کر کے اپنے مورچے قائم کر لئے۔

اسی روز سے روہیلوں اور مرہٹوں کی ہراول فوج کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں شروع ہو گئیں، اس حال میں چند دن گزرنے کے بعد حافظ الملک نے بمشورہ نواب احمد خاں اور حسب الطلب ضابطہ خاں اپنے بھانجے خان محمد خاں کو بطور سفیر لشکر مرہٹہ میں ٹکوجی ہلکر کے ڈیرے پر روانہ کیا تاکہ وہ ہلکر کی وساطت سے جو نواب نجیب الدولہ مرحوم کا دوست تھا مرہٹہ سرداروں سے ضابطہ خاں کی رہائی اور نواب احمد خاں سے صلح کی بابت گفتگو کرے حسب الحکم خان محمد خاں لشکر مرہٹہ میں گیا۔ پہلے ضابطہ خاں سے ملاقات کی اور اس کو حافظ الملک کی جانب سے بہت کچھ تسلّی و تشفّی دی بعد ازاں ٹکوجی ہلکر کے توسل سے سرداران مرہٹہ سے گفتگوئے مصالحت شروع کی۔ مرہٹہ سرداروں نے بالاتفاق یہ کہا کہ اگر حافظ الملک اپنے مقبوضات اٹاوہ و شکوہ آباد سے دستبردار ہو جائیں تو ہم ان کی خاطر سے نواب احمد خاں سے صلح کرنے اور ضابطہ خاں کو رہائی دینے کو تیار ہیں یہ شرط منظور نہیں ہوگی تو صلح نہیں ہو سکتی۔[1]

خاں محمد خاں مرہٹوں کی شرط مصالحت معلوم کر کے ضابطہ خاں کے معتمد چیت رام کے ہمراہ اپنے لشکر کو واپس آیا اور سرداران مرہٹہ کی کل گفتگو مفصل طور پر حافظ الملک سے بیان کی چیت رام نے بھی ضابطہ خاں کا یہ پیام گزارش کیا کہ اگر سرداران مرہٹہ کو اٹاوہ وغیرہ دینے کی امیدواری میں لیت و لعل میں رکھ کر آپ مجھ کو روانگی کی اجازت دلا دیں تو نہایت احسان ہوگا۔[2]

حافظ الملک ابتداءً مرہٹوں کا پیام سن کر بہت غضبناک ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ ان کے اور مرہٹوں کے درمیان تلوار ہی سے فیصلہ ہو لیکن بعدہٗ ضابطہ خان کو مرہٹوں کے ہاتھ سے

---

[1] گل رحمت [2] گل رحمت

نقصان پہنچ جانے کے امکانات کا خیال کر کے اپنے مقبوضات اٹاوہ اور شکوہ آباد کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے اور خان محمد خاں کو دوبارہ مرہٹوں کے پاس روانہ کر کے کہلا بھیجا کہ آپ لوگ ضابطہ خاں کو رخصت کر دیں ہم اپنے رسالدار نواب دوندے خاں اور اپنے بڑے لڑکے نواب عنایت خاں سے جو سفر میں ہمارے ہمراہ نہیں ہیں مشورہ کر کے اٹاوہ اور شکوہ آباد سے دستبردار ہو جائیں گے۔ کیونکہ آپ کو علم ہے کہ یہ مقامات جنگ پانی پت کے بعد شاہ درانی نے ان ہی لوگوں کو بطور جاگیر عطا کئے تھے اس لئے اس بارے میں ان کی رضامندی حاصل کرنا ہمارے لئے لازمی ہے۔ گو ہم کو یہ ضرور یقین ہے کہ وہ ہماری منشاء کے خلاف نہیں جا سکتے۔[1]

خان محمد خاں نے حافظ الملک کا پیام سرداران مرہٹہ سے بیان کیا تو بہت کچھ گفت و شنید کے بعد وہ لوگ محض حافظ الملک کے ذاتی اعتبار و اعتماد پر ضابطہ خاں کو رخصت کرنے پر کسی قدر آمادہ ہو گئے۔ ابھی انہوں نے اجازت صریح نہیں دی تھی کہ اس عرصہ میں نواب نجیب الدولہ کی تمام فوج نجیب آباد اور غوث گڑھ وغیرہ سے ضابطہ خاں کے حسب الطلب اس نواح میں آپہنچی اور مرہٹوں کے لشکر سے دس کوس کے فاصلہ پر خیمہ انداز ہوئی۔ ضابطہ خاں اپنی سپاہ کی آمد کا حال سن کر مرہٹہ سرداروں کو اطلاع کئے بغیر کچھ رات رہے خفیہ طور پر خیمہ سے نکل کر اور خان محمد خاں کو جو ایک مفسد اور نادان شخص تھا اپنے ہمراہ لے کر اپنے لشکر کو روانہ ہو گیا۔[2] راستے سے خان محمد خاں کو تو رخصت کر دیا اور حافظ الملک کو مرہٹوں کے غیظ و غضب کا شکار بنا کر یہ خود غرض اور محسن کش خود اپنی سپاہ کے ہمراہ متواتر کوچ کرتا ہوا نجیب آباد کو چلا گیا۔ صبح کے وقت جب خان محمد خاں کے ذریعہ حافظ الملک کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ سناٹے میں رہ گئے اور ضابطہ خاں کی خود غرضی، بزدلی

---

[1] تاریخ خاص واقعات حافظ الملک [2] اخبار الصناوید

اور شقی القلبی سے ان کے حیرت و استعجاب کی کوئی حد نہ رہی ؂

یا وفا خود نہ بود در عالم	یا مگر کس درین زمانہ نکرد
کس بیاموخت علم تیر از من	کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

اس عالم کرب و اضطراب کے بعد حافظ الملک تن بہ تقدیر ہر مصیبت کو اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے اور پردۂ غیب سے جو کچھ ظہور میں آنے والا تھا صابر و شاکر ہو کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر مرہٹے ضابطہ خاں کی فراری سے مطلع ہوئے تو انہیں یقین ہو گیا کہ اس سازش میں حافظ الملک کا ہاتھ ضرور تھا۔ سانپ کی طرح بل کھانے لگے اور انہوں نے رسالداران روہیل کھنڈ سے جو مرہٹوں کے مقابلہ میں مورچہ ڈالے ہوئے تھے فوراً جنگ شروع کر دی۔ چونکہ اس مہم میں سوء اتفاق سے کارآزمودہ اور جنگ دیدہ سرداران قدیم مثل دوندے خاں، بخشی سردار خاں، فتح خاں خانساماں، شیخ کبیر اور عنایت خاں وغیرہ لشکر کے ہمراہ نہ تھے اور نئے رسالدار جو حافظ الملک کے ہمراہ رکاب تھے ان میں سے بعض بعض عیاشی کے سبب سے اور بعض ناتجربہ کاری کے باعث جنگ میں تندہی اور سرفروشی عمل میں نہ لا سکتے تھے اس لئے ہر حملہ میں مرہٹے فتح مند اور روہیلے پسپا ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ عیش و عشرت اور دولت کی فراوانی انسان کو بے ہمت، بے حوصلہ، کام چور، مفت خور اور آرام طلب بنانے میں کیمیاوی تاثیر رکھتی ہے، چنانچہ جن روہیلوں نے اب سے دس سال قبل جنگ پانی پت میں مرہٹوں کے چھکے چھڑا دیے تھے آج انہیں روہیلوں کا یہ حال تھا کہ کم ہمتی ان پر مسلّط ہو گئی تھی اور وہ مرہٹوں سے قدم جما کر مقابلہ کرنے میں بے توجہی اور جی چرانے کا مظاہرہ کرتے تھے لیکن چونکہ حافظ الملک اور ان کی فوج کے پچھلے کارنامے ابھی مرہٹوں کے دل سے فراموش نہیں ہوئے تھے اس لئے اپنی فتح کے باوجود وہ شکست خوردہ روہیلوں کا تعاقب کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ حافظ الملک نے اس جنگ میں بہت کچھ داد شجاعت دی لیکن جب انہیں اپنی فوج کی کمزوری و بزدلی کا پورا پورا یقین ہو گیا تو وہ کسی بڑی شکست سے قبل فوج ہمراہی کے ساتھ میدان

جنگ سے ہٹ گئے اور دریائے گنگ کو عبور کرکے فتح گڑھ میں خیمہ انداز ہو گئے دوسری طرف مرہٹوں نے بھی ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے زیادہ کاوش نہیں کی۔ غالب و مغلوب میں کوئی تمیز کرائے بغیر میدان جنگ سے لوٹ گئے۔ اور فرخ آباد سے دست بردار ہو کر اٹاوہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

فرخ آباد کے بعد اٹاوہ اور شکوہ آباد

فرخ آباد سے فی الحال دستبردار ہونے اور اٹاوہ کی طرف رخ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ضابطہ خاں کے معاملہ میں عہد شکنی کے سبب سے پہلے اٹاوہ اور شکوہ آباد پر بزور شمشیر قبضہ کرکے اپنی ضد اور اپنے مطالبہ کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت حافظ الملک نے اپنی سپاہ کی بزدلی کے باعث مرہٹوں کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ فتح گڑھ ہی میں قیام کرکے اٹاوہ کے معاملہ میں مشورہ کرنے کے لئے عنایت خاں کو بریلی سے طلب کیا۔ اسی عرصہ میں نواب دوندے خاں کا جو ایک عارضہ شدید کے باعث بسولی میں صاحب فراش تھے ایک خط پہنچا جس میں لکھا تھا کہ :۔

"بالفعل مرہٹوں کے تعاقب میں اٹاوہ کی طرف جانا صلاح دولت نہیں معلوم ہوتا اور فوج کا بھیجنا بھی جو جنگ میں سرفروشی نہیں کر رہی ہے مصلحت نہیں۔ مناسب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اٹاوہ اور شکوہ آباد بُعدِ مسافت کے سبب ہمارے حیطہ ضبط سے باہر ہیں اس لئے میں شکوہ آباد سے دستبردار ہوتا ہوں اور عنایت خاں اٹاوہ سے دست کش ہو جائیں تاکہ ہمارے اور مرہٹوں کے مابین شرائط صلح از سر نو قائم ہو جائیں[1]"

تمام رسالداران ہمراہی جو اس جنگ میں سستی ظاہر کر رہے تھے نواب دوندے خاں کے خط کو اپنی

---

[1] گل رحمت

دستاویز بنا کر اس کی تائید میں کوشش کرنے لگے لیکن عنایت خاں کسی طرح مرہٹوں سے صلح کی تجویز سے اتفاق نہیں کرتے تھے اور انہوں نے حافظ الملک سے عرض کیا کہ :۔

"اگر اجازت ہو تو میں اس مہم کا ذمہ دار ہو کر جنگ شروع کروں۔"

حافظ الملک نے فرمایا کہ :۔

"مجھ کو اس فوج پر بالکل اعتبار نہیں ہے، اور یقین کرتا ہوں کہ میدان جنگ میں تم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائے گی۔"

عنایت خاں نے جب حافظ الملک کو صلح ہی پر مائل دیکھا تو مجبوراً رنجیدہ ہو کر بریلی کو واپس ہو گئے۔[1]

اٹاوہ اور شکوہ آباد سے دست برداری مرہٹوں سے صلح

حافظ الملک نے مرہٹہ سرداروں کو اطلاعیں دیدیں کہ ہم اٹاوہ اور شکوہ آباد سے دست بردار ہو کر صلح کے لئے تیار ہیں، آپ لوگ صلح نامہ پر اپنی اپنی مہر کر کے ہمارے حوالے کر دیں ابھی یہ نوشتہ جات مرہٹہ سرداروں کے پاس پہنچنے نہ پائے تھے کہ مرہٹوں نے اٹاوہ کے قریب پہنچکر اسے فتح کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ شیخ کبیر نے بھی جو عرصہ سے اٹاوہ کے گورنر تھے بیرون قلعہ کے تمام مورچے درست کر کے مدافعانہ جنگ شروع کی۔ چار روز تک شیخ کبیر کی فوج اور مرہٹوں کے لشکر کے درمیان روزانہ سخت لڑائی ہوتی رہی اور ہر روز مرہٹے مغلوب ہو کر پسپا ہوتے رہے جب انہوں نے دیکھا کہ بزور شمشیر قلعہ کو فتح کرنا ممکن نہیں تو اپنے وکیلوں کو شیخ کبیر کے پاس بھیجکر پیام دیا کہ آپ کے آقا نے اٹاوہ اور شکوہ آباد ہم کو واگذاشت کر کے صلح کر لی ہے غالباً آپ کو بھی لکھا ہو گا لہذا آپ کیوں جنگ کرتے ہیں۔ شیخ کبیر نے جواب دیا کہ :۔

"بے شک حافظ الملک کا اس بارے میں میرے پاس حکم آگیا ہے لیکن چونکہ

---

[1] اخبار الصنادید۔ تاریخ فرخ آباد۔

آپ زور اور غلبہ کے ساتھ قلعہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اس واسطے میں نے مدافعت کی۔ اب کہ آپ مصالحانہ طریقہ پر قلعہ کو لینا چاہتے ہیں کوئی مضائقہ نہیں آپ صلح نامہ پر جس پر آپ سب سرداروں کی مہریں ثبت ہوں میرے پاس ارسال کیجئے اور جو غلہ قلعہ میں موجود ہے اس کی قیمت ادا کیجئے تو اسی وقت قلعہ کو حوالہ کر دوں گا۔"[1]

مرہٹہ سرداروں نے بہت کچھ قیل و قال کے بعد بالآخر ایک لاکھ روپیہ غلہ کی قیمت مع صلح نامہ شیخ کبیر کی خدمت میں ارسال کر دی، شیخ موصوف نے روپیہ وصول کر کے اپریل ۱۷۵۱ء کو قلعہ خالی کر دیا اور وہاں سے تین کوس کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے ڈال دئے دوسرے دن مہاداجی سندھیا کے داماد اور اس کے وکیل چمن بیگ کو ہمراہ لے کر شیخ کبیر حافظ الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ جس پر مہاداجی سندھیا، تکوجی ہلکر اور رام چندر گنیش کی مہریں تھیں حضور میں پیش کیا اور شرائط صلح کی مرہٹہ وکیلوں کے سامنے تجدید کرائی۔ حافظ الملک نے مرہٹہ وکیلوں کو خلعت و اسپ عطا کئے اور انہیں چند روز مہمان رکھ کر رخصت کر دیا۔

اپنے عزیز ترین دوست نواب احمد خاں کی عزت و ناموس کی خاطر لاکھوں روپیہ کے فوجی مصارف برداشت کرنے اور اپنے دو بیش قیمت مقبوضات کو قربان کر دینے کے بعد حافظ الملک فرخ آباد سے روہیل کھنڈ کو روانہ ہوئے۔ رخصت کے وقت نواب احمد خاں حافظ الملک سے نہایت گرم جوشی کے ساتھ بغلگیر ہوئے۔ لفظی شکریہ کی ضرورت نہ تھی۔ دو[2] بہترین دوستوں کی یہ آخری ملاقات تھی۔

---

[1] گل رحمت

حافظ الملک کی روہیل کھنڈ کو واپسی اور نواب دوندے خاں کا انتقال

حافظ الملک نے روہیل کھنڈ واپس آکر چند روز پیلی بھیت میں قیام کیا، بعد ازاں نواب دوندے خاں کی عیادت کے واسطے جن کی بیماری دوا و علاج کی حد سے گزر گئی تھی۔ بسولی تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں ان کی وفات کی خبر مسموع ہوئی جس سے غایت درجہ مغموم و متالم ہوئے۔ بسولی پہنچکر ان کے چہلم تک وہاں قیام کیا اور فاتحہ وخیرات اور ان کے پس ماندوں کی تقسیم میراث و دلداری میں مصروف رہے۔ حافظ الملک نے مرحوم کے مقبوضہ پرگنات کو تین مساوی حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ مرحوم کے بڑے بیٹے محب اللہ خاں کو ایک حصہ۔ فتح اللہ خاں کو جو ان کی شرف دامادی سے بھی اختصاص رکھتے تھے اور ایک حصہ عظیم اللہ خاں اور بہو جی (دوندے خاں کی بیوہ) کو مرحمت فرمایا۔ نواب دوندے خاں کا انتقال حافظ الملک کے لئے کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ دوندے خاں کیا مرے گویا ان کا دست راست شکست ہو گیا۔ کیونکہ عزت الدولہ دلاور الملک دوندے خاں بہادر بہرام جنگ نہایت باوقار۔ صاحب تمکنت وجلال مستقل مزاج اور عہد کے بڑے پابند شخص تھے۔ شجاعت و بہادری میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور ان کے وجود سے روہیلوں کی دور دور دھاک بیٹھی ہوئی تھی، جس معرکے میں شریک ہوتے ایسی بے جگری اور سرفروشی عمل میں لاتے کہ ان کی موجودگی فتح و نصرت کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ دوندے خاں روہ میں پیدا ہوئے تھے اور داؤد خاں کے ابتدائے عروج میں وارد روہیل کھنڈ ہوئے تھے، حسن خاں ابن محمود خاں ابن شیخ شہاب الدین المعروف بہ شاہ کوٹا بابا کے بیٹے تھے اور اس طرح حافظ الملک کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

حافظ الملک سے مرتے دم تک ان کے انتہائی یگانگت اور خلوص کے تعلقات رہے انتقال کے وقت سڑسٹھ ۶۷ سال کی عمر تھی۔ بسولی میں دفن ہوئے اور ان کی قبر آج تک وہاں موجود ہے، قبر کے علاوہ بسولی میں دوندے خاں کا شکستہ قلعہ اور ان کی بنوائی ہوئی چند مسجدیں

حمام اور دو تین اور پختہ عمارتیں بھی ان سے یادگار باقی ہیں[1]

ذیل میں ہم اس زمانہ کے ایک مشہور عالم مولانا حاجی محمد مہدی صاحب کی لکھی ہوئی مثنوی "دوندے خاں نامہ" کے چند اشعار نقل کرتے ہیں، جن سے خان مرحوم کی صفاتِ حسنہ پر بدرجۂ اتم روشنی پڑتی ہے:-

که در ملک کٹھیر نیک نامے | قیامے داشت باجاہ تمامے
بدوندے خاں بعالم مشتہر بود | جوانمردے حلیمے دادگر بود
مراد آباد را آباد می داشت | مراد خاطر خود داد می داشت
بدامن بردہ آں فرخندہ خوئے | ز نوابان عہد خویش گوئے
کفِ دستش سحاب دُر فشاں بود | ز دستش ابر نیساں در فغاں بود
بجرأت آں چناں بود آں قوی بال | کہ رستم داشت پیشش رتبۂ زال
اگر بر زد بدیہے در دو غالش | نہادے روئے خود بر پشت پالش
وگر مید ید روئیں تن بخوابش | تہی می کرد قالب چوں رکابش
بدیدی گر بایں جوشندہ آبے | شد افراسیاب افراسیابے
بحکم خویشتن آں جاہ پرور | دہ و دو الف حملہ داشت لشکر
ولے ہر یک نہنگ بحر جنگے | بمیدان دلیری شیر چنگے
سلحشورے، ایلے، کار آزمائے | تپے ہر نہنگے چوں اژدہائے
بزورے آں جوانمرد زمانے | بجرأت آفت شیر ژیانے
بغایت داشت بایک دولت اندیش | بکارے اشتغال خاطر خویش[2]

---

[1] بسولی ضلع بدایوں کی ایک آباد اور بارونق تحصیل ہے۔ [2] "دوندے خاں نامہ" پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڈھ) نے تمام و کمال رسالہ برہان دہلی بابت نومبر ۱۹۴۹ء میں شائع کیا تھا۔ خلیق صاحب لکھتے ہیں کہ حاجی محمد مہدی صاحب موتی ضلع بریلی کے رہنے والے تھے۔ ان کو اکبر شاہ نے

حافظ الملک نجیب آباد میں بسولی سے حافظ الملک نواب نجیب الدولہ کی رسم تعزیت ادا کرنے کی غرض سے نجیب آباد کو روانہ ہوئے، جب قریب پہنچے تو ضابطہ خاں استقبال کے لئے آیا اور نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ قلعہ نجیب آباد میں لے گیا اور نذر گزرانی۔ دوسرے روز حافظ الملک نے رسم بزرگانہ کے مطابق ضابطہ خاں کو اپنے ہاتھ سے خلعت تعزیت پہنایا اور اس کو اس کے باپ کی مسند پر بٹھا کر تمام عزیز و اقارب سے اس کی فرمانبرداری کے متعلق تاکید اکید فرمائی۔ چونکہ ضابطہ خاں نے اپنے چھوٹے بھائیوں کلّو خاں اور ملّو خاں کو جو دوندے خاں کی لڑکی کے بطن سے تھے قید کر دیا تھا۔ اس لئے حافظ الملک نے ان کی مخلصی کا بھی تذکرہ کیا۔ ضابطہ خاں نے اپنی بے قصوری اور ان کی سرتابی کا اظہار کرکے دونوں کو قید سے رہا کر دیا اور حافظ الملک کی خواہش کے مطابق کلّو خاں اور ملّو خاں کے مصارف کے واسطے جائداد مقرر کر دی اس کے بعد حافظ الملک نجیب آباد سے بریلی واپس تشریف لے آئے۔ پچھلی بے وفائی کے باوجود حافظ الملک کا ضابطہ خاں کی طرف دست محبت و خلوص بڑھانا ان کی روایتی عالی ظرفی کی ایک بہترین مثال تھی ساتھ ہی "از خوردان خطا واز بزرگان عطا" کے اصول پر عمل کرکے انہوں نے ایک اعلیٰ درجہ کے سیاسی تدبر کا بھی ثبوت دیا جس سے ہر دو طاقت ور روہیلہ سرداروں کے کشیدہ تعلقات از سر نو استوار ہو گئے جس کی اس دور انحطاط میں سخت ضرورت تھی۔ روہیلہ قوم تباہی کے کنارے آ لگی تھی اور اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لئے اغیار کا ہجوم ہو رہا تھا۔

---

۵ فصیح الشعراء، ملک العلماء کا خطاب دیا تھا، مثنوی کا قلمی نسخہ خلیق صاحب کے جد امجد مولوی ارشاد علی صاحب نے جو حاجی صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اصل مسودہ سے ۱۲۵۷ھ میں نقل کیا تھا۔

(۲۷)

تخت دہلی پر شاہ عالم کی واپسی ضابطہ خاں اور مرہٹوں کی جنگ میں حافظ الملک کی جدّوجہد

اٹاوہ۔ شکوہ آباد اور میانِ دوآبہ کے دوسرے اضلاع پر متصرف ہو جانے کے بعد مرہٹوں نے اب دار السلطنت دہلی پر قبضہ کرنا چاہا جس پر اس وقت نجیب الدولہ کا جانشین ضابطہ خاں نجیب آباد سے بیٹھے بیٹھے حکومت کر رہا تھا۔ ضابطہ خاں چونکہ اپنے باپ کی طرح ایک طاقتور حکمراں تھا اور اس کے پاس تقریباً ایک لاکھ پیادہ و سوار فوج ملازم تھی۔ نیز حافظ الملک بھی اس کے شریک تھے اس لئے مرہٹے تنہا اس سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تھے دوسرے انہیں یہ بھی خیال تھا کہ دہلی پر ایک غیر مسلم حکومت قائم کرنے سے شمالی ہند کے تمام مسلم حکمرانوں میں ایک عام ہیجان پیدا ہو جائے گا اور وہ ۱۷۶۱ء کی طرح پھر متحد و متفق ہو کر یورش کر دیں گے۔ لہٰذا گزشتہ تلخ تجربوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہوں نے یہ تدبیر کی کہ شاہ شطرنج یعنی شاہ عالم بادشاہ کو جو شجاع الدولہ کی حفاظت میں انگریزوں کے ایک پنشن خوار کی حیثیت سے الٰہ آباد میں ایام گذاری کر رہے تھے اور دہلی آ کر اپنے باپ دادا کے تخت پر بیٹھنے کے لئے عرصہ سے بے چین و بیتاب تھے تخت دہلی پر متمکن ہونے کی دعوت دی لیکن اس وقت تک محض نواب نجیب الدولہ کا خوف اور انگریزوں اور شجاع الدولہ کی اس امر میں مخالفت مانع تھی۔ اب جو مرہٹوں کی جانب سے پیام امداد آیا تو بادشاہ ہر قسم کے

مصالح سے چشم پوشی کر کے اپنے آپ کو مرہٹوں کے حوالے کر دینے اور ان کے ساتھ دہلی جانے کے لئے تیار ہو گئے مرہٹوں کے علاوہ اس بارے میں نواب احمد خاں بنگش کی بھی مکرر سہ کرر استدعائیں بادشاہ کی خدمت میں آئیں کہ "حضور فرخ آباد تشریف لائیں"[1] نواب احمد خاں کی ان استدعاؤں کا سبب یہ تھا کہ ان کے دل میں نجیب الدولہ کی طرف سے دیرینہ عداوت تھی، صرف حافظ الملک کے خیال سے مقابلہ و جنگ کی تیاری نہیں کرتے تھے حال ہی میں جو نجیب الدولہ نے حافظ الملک کی مشارکت کا بھی لحاظ نہیں کیا اور مرہٹوں کو ان کے سر پر چڑھا لائے تو احمد خاں بھی اس امر کو دستاویز جنگ بنا کر جذبہ انتقام سے مغلوب ہو گئے۔[2] اور ضابطہ خاں کی تخریب کے لئے مرہٹے جو تدابیر کر رہے تھے ان میں شرکت کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ بادشاہ کو قبضہ میں لانے کی مرہٹوں کی پہلی تدبیر میں احمد خاں نے بھی مدد دی اور بادشاہ کو اپنی طرف سے فرخ آباد مدعو کیا تاکہ وہاں پہنچکر بادشاہ شجاع الدولہ اور انگریزوں کی دسترس سے کچھ دور اور مرہٹوں کی دسترس سے کسی قدر قریب ہو جائیں اور پھر انہیں دہلی لے جانے میں آسانی ہو سکے۔ چنانچہ مولف گل رحمت لکھتے ہیں کہ:۔

"بادشاہ نے اس بات کو نعمت عظمٰے تصور کیا اور مئی ۱۷۷۱ء میں الہ آباد سے فرخ آباد کی طرف روانہ ہو گئے"

انگریزوں اور شجاع الدولہ نے بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو زبردستی روکنا بھی خلاف مصلحت سمجھا اور شجاع الدولہ اور انگریزی کمانڈر انچیف ان کو صوبہ کوڑا کی سرحد تک پہنچانے آئے۔ یہاں پہنچکر ان لوگوں نے بادشاہ سے دہلی نہ جانے کی از سرِ نو درخواستیں کیں جن کا کوئی اثر نہ ہوا۔[3]

بادشاہ ابھی فرخ آباد پہنچنے نہ پائے تھے کہ نواب احمد خاں بنگش وفات پا گئے اس

---

[1] گل رحمت [2] گل رحمت [3] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلہ وار

خبر کو سن کر بادشاہ متردد ہوئے۔ اور مہادا جی سندھیا کو اطلاع دی کہ "میں دہلی کی روانگی کے ارادہ سے روانہ ہوا ہوں اپنی فوج لے کر میرے پاس آجاؤ۔" بادشاہ نے ایک حکم حافظ الملک کو بھی ارسال کیا جس میں تحریر تھا کہ :۔

"مابدولت کا دائرۂ اقبال احمد خاں غالب جنگ کی درخواست کے مطابق شاہجہاں آباد کو جانے کے ارادے سے اس طرف متوجہ ہوا ہے۔ اب خان مذکور وفات پاچکا۔ چاہئے کہ آپ حاضر حضور ہو کر شرف ہمراہی حاصل کریں اور اگر احیاناً بہ سبب عوارض ضروری حاضری ممکن نہ ہو تو اپنی طرف سے ضابطہ خاں کو لکھئے کہ بلاتوقف شاہجہاں آباد سے دستبردار ہو جائے اور اگر وہ بغاوت کرے اور ایسا منظور نہ کرے تو اس کو کمک اور امداد نہ دیجئے اس سبب سے کہ آپ کی طرف سے کبھی احکام شاہی کی نافرمانی ظہور میں نہیں آئی ہے۔"[1]

اس فرمان شاہی کے پہنچنے پر حافظ الملک نے خود بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونا مناسب نہ جانا کیونکہ وہ ضابطہ خاں کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے اور اس کے مقابلہ میں میدان جنگ میں جانا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ اپنی عدم حاضری کے متعلق چند در چند عذرات حضور شاہی میں لکھ کر حکم شاہی کے موافق ضابطہ خاں کو بتاکید تمام تحریر کیا کہ فوراً دہلی سے دستبردار ہو جائے اور احکام شاہی کی اطاعت کرے۔ ساتھ ہی فیض اللہ خاں خلف نواب علی محمد خاں مرحوم کو جن کی ہمشیرہ ضابطہ خاں کو بیاہی تھیں۔ ضابطہ خاں کے پاس اس کی رہنمائی اور فہمائش کی غرض سے نجیب آباد کو روانہ کیا۔ فیض اللہ خاں نے وہاں پہنچکر اس کو طرح طرح سے بادشاہ کے احکام کی اطاعت کرنے اور افواج مرہٹہ سے مقابلہ نہ کرنے کی نصیحت کی لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

---

[1] گلستان رحمت

اس عرصہ میں بادشاہ کے حسب الطلب مہادجی سندھیا حاضر ہو کر بیس ہزار فوج کے ساتھ بادشاہ کو بڑی شان و تجمل کے ساتھ دہلی لے گیا۔ ضابطہ خاں کے آدمیوں نے بغیر مقابلہ شہر خالی کر دیا اور بادشاہ ۲۵ دسمبر ۱۷۷۱ء کو قلعہ دہلی میں داخل ہو کر تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئے۔ شاہ عالم کا تخلص آفتاب تھا۔ ایک شاعر نے ان کے ورود دہلی کی کیا اچھی تاریخ کہی ہے۔[1]

زینت دہ تاج و تخت شاہ عالم ؎ با دولت و بخت و کامیاب آمد
تاریخ ورود او ز ہاتف جستم ؎ گفتا کہ ز شرق آفتاب آمد

بادشاہ کو قبضہ میں کرنے کے بعد اب مرہٹے ضابطہ خان کے استیصال پر متوجہ ہوئے اور اس کے علاقہ پر چڑھائی کرنے کی تیاری میں مشغول ہوئے۔ ادھر ضابطہ خاں کو مرہٹوں اور بادشاہ کے دہلی میں داخل ہونے کی اطلاع ملی تو اپنی تمام فوج اور لوازم جنگ کو جمع کر کے دہلی پر دوبارہ قبضہ کرنے کی غرض سے نجیب آباد سے نکلا۔ اس خبر کو سن کر حافظ الملک نے شیخ کبیر کو بطریق یلغار ضابطہ خاں کے پاس روانہ کیا تاکہ انتہائی کوشش کر کے اسے دہلی کی طرف جانے سے باز رکھیں اور خود تھوڑی سی سپاہ ہمراہ لے کر احمد خاں بنگش کی رسم تعزیت ادا کرنے نیز اس غرض سے کہ فرخ آبادی فوج کو ضابطہ خاں پر حملہ کرنے سے روکیں، فرخ آباد کی طرف کوچ کیا۔ جب فتح گڑھ کے قریب پہنچے تو بخشی فخر الدولہ نے ضیافت لائقہ کے ساتھ ملازمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مظفر جنگ خلف احمد خاں مرحوم کی یہ خواہش ہے کہ آپ اپنے دست مبارک سے اس کو اس کے باپ کی مسند پر بٹھا دیں۔[2]

دوسرے روز حافظ الملک نے مظفر جنگ کی مجلس آرا پہنچکر مربیانہ اور بزرگانہ طریقہ

---

[1] تاریخ اودھ حصہ دوم [2] گل رحمت

سے رسم تعزیت ادا کی اور خلعت ماتم پرسی پہنا کر اس کو مسند حکومت پر بٹھایا اور اسی موقع پر مرہٹوں سے عدم مشارکت کی اسے نصیحت فرمائی جو مظفر جنگ نے قبول کی چنانچہ ضابطہ خاں اور مرہٹوں کی آئندہ جنگ میں مظفر جنگ نے مرہٹوں کی شرکت نہیں کی۔

چند روز کے بعد حافظ الملک فرخ آباد سے واپس ہو رہے تھے کہ تلہر کے قریب انہیں ضابطہ خاں کی شکست۔ اہل و عیال کے گرفتار ہونے، سکر تال اور نجیب آباد کے لوٹے جانے اور فیض اللہ خاں کے ہمراہ اس کے رام پور میں آکر پناہ لینے کی وحشت ناک خبریں مسموع ہوئیں۔ ساتھ ہی جب یہ معلوم ہوا کہ ضابطہ خاں کے تعاقب میں مرہٹے عنقریب روہیل کھنڈ میں بھی داخل ہونے والے ہیں۔ تو بعجلت تمام بریلی میں داخل ہوئے۔ یہاں آکر کیا دیکھتے ہیں کہ بخشی سردار خاں۔ فتح خاں خانساماں۔ عبدالستار خاں، دوندے خاں کے لڑکے اور دوسرے تمام رسالدار اور سرداران روہیلہ مرہٹوں کی دست درازیوں سے اندیشہ ناک ہو کر سخت پریشانی و اضطراب کے عالم میں مجتمع ہیں اور دامن کوہ کی روانگی کا قصد کر رہے ہیں۔ حافظ الملک نے سب لوگوں کی بہت تسلّی و تشفی کی اور فرمایا کہ دامن کوہ میں جانے کی ضرورت نہیں ہے میں شاہ عالم بادشاہ اور مرہٹوں سے مصالحت کی تدبیر کر لوں گا۔ اس پر تمام سرداروں نے عرض کیا کہ بریلی یا پیلی بھیت میں کوئی محفوظ مقام نہیں ہے اس لئے کم از کم اپنے عیال و اموال کو کسی جائے محفوظ میں رکھنا ضروری ہے اس کے بعد مرہٹوں سے معاملہ ہو یا جنگ ہم ہر طرح تیار ہیں۔

حافظ الملک نے اس صلاح کو پسند کیا اور عنایت خاں کو اپنے نائب کے طور پر پیلی بھیت چھوڑ کر نانک متہ کی طرف جو دامن کوہ میں واقع ہے روانہ ہوئے اور وہاں سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ایک پہاڑی اور گھنے جنگل سے گھرے ہوئے مقام گنگا پور میں تمام سرداروں، رسالداروں اور سپاہیوں کے متعلقین کو بھیجکر محفوظ کر دیا اس کام سے فراغ خاطر حاصل کر کے حافظ الملک نے چند روز نانک متہ میں قیام فرمایا۔

یہاں ضابطہ خاں اور فیض اللہ خاں بھی آپہنچے اور حافظ صاحب سے اصرار کیا کہ شاہ عالم بادشاہ اور مرہٹوں سے معاملہ کرنے کے بجائے شجاع الدولہ سے طالبِ امداد ہونا چاہیے۔

---

(۲۸)
روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کی یورش

حافظ الملک ہنوز کوئی مستقل رشتے قائم نہ کرنے پائے تھے کہ مرہٹوں کی روہیل کھنڈ پر یورش شروع ہو گئی اور ان کی ٹڈی دل فوج نے آناً فاناً میں سنبھل، مراد آباد اور امروہہ پر قبضہ کر لیا اور رفتہ رفتہ تمام اضلاع روہیل کھنڈ پر پھیل کر تمام ملک تاخت و تاراج کر دیا۔ اس موقع پر مرہٹوں کا یہ بھی ارادہ تھا کہ روہیل کھنڈ کی تسخیر سے فارغ ہو کر اودھ پر حملہ کریں اور وہاں سے انگریزی مقبوضات بہار و بنگال کی طرف رجوع ہوں۔ مرہٹوں کا یہ ارادہ معلوم کر کے شجاع الدولہ بھی بے حد خائف ہوئے اور انہوں نے جنوری ۱۷۷۲ء میں کلکتہ گورنمنٹ کو صورت حال سے مطلع کر کے درخواست کی کہ کمانڈر انچیف سر رابرٹ بارکر کو ان سے ملنے کے لئے فیض آباد روانہ کر دیا جائے۔ ۲۰ جنوری ۱۷۷۲ء کو سر رابرٹ بارکر نے شجاع الدولہ سے ملاقات کی[1]۔ اس وقت انگریزی کمانڈر انچیف نے شجاع الدولہ کی جو حالت دیکھی وہ یہ تھی کہ کبھی تو وہ مرہٹوں سے رشتہ اتحاد مستحکم کر کے اور فتح روہیل کھنڈ میں ان کے شریک ہو کر مفتوحہ علاقہ میں حصہ بانٹ کرنے کے خواہشمند نظر آتے تھے اور کبھی ان کی یہ نیت معلوم ہوتی تھی کہ روہیلوں سے مل کر مرہٹوں کے خلاف مدافعانہ جنگ کریں۔ سر رابرٹ بارکر نے آخر الذکر خواہش کی تائید کی کیونکہ اس زمانہ میں انگریز مرہٹوں سے حد درجہ خوف کرتے تھے اور ان کو یہ بات کسی طرح گوارا نہ تھی کہ مرہٹوں کا اثر ان کی سرحد سے اس قدر قریب اودھ تک پہنچ جائے۔ چنانچہ اوائل فروری ۱۷۷۲ء میں شجاع الدولہ کے خرچ پر انگریزی فوج اودھ آ گئی جسے ساتھ لے کر سر رابرٹ بارکر اور شجاع الدولہ نے حملہ

---

[1] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

روہیل کھنڈ پر شاہ آباد ضلع ہردوئی آ گئے اور یہاں ٹھہر کر آئندہ آنیوالے حالات کا مطالعہ کرنے لگے۔ شجاع الدولہ کے شاہ آباد میں خیمہ افگن ہونے کی خبر ضابطہ خاں کو معلوم ہوئی تو وہ غایت اضطراب میں حافظ الملک سے بعجلت تمام رخصت ہو کر شجاع الدولہ کے پاس گیا اور اپنے اہل و عیال کی خلاصی کے متعلق گفت و شنید کی[1]۔ شجاع الدولہ اور سر رابرٹ بارکر کی عین خواہش تھی کہ روہیلے طالب امداد ہوں اور وہ ان سے اتحاد عمل کا ایک من مانتا عہد نامہ کر لیں اس لئے فوراً ضابطہ خاں کے ساتھ ہمدردی کرنے کو تیار ہو گئے لیکن شرط یہ کی کہ حافظ الملک سے اس بارے میں بالمشافہ گفتگو ضرور کی جائے گی اس پر ضابطہ خاں نے حافظ الملک کو شاہ آباد تشریف لانے اور شجاع الدولہ سے ملاقات کرنے کو لکھا، حافظ الملک نے اس دعوت پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی کیونکہ ان کا یہ خیال تھا کہ برسات سر پر آ گئی ہے۔ دریائے گنگا کے ناقابل عبور ہو جانے کے خوف سے مرہٹے خود بخود کچھ عرصہ کے لئے روہیل کھنڈ سے دست بردار ہو جائیں گے اور جب برسات بعد وہ از سر نو حملہ کریں گے تو ان سے پوری تیاری کر کے مقابلہ کر لیا جائے گا، مگر ضابطہ خاں کو اپنے اہل و عیال کی فکر نے بدحواس کر رکھا تھا، اس واسطے اس نے متواتر خطوط بھیجے۔ حافظ الملک پھر بھی نہ گئے تو سر رابرٹ بارکر نے اپنی طرف سے کیپٹن ہارپر کو دو مرتبہ ان کی خدمت میں روانہ کیا۔ آخر کار مجبوراً تین چار ہزار فوج کو ہمراہ لے کر حافظ الملک شجاع الدولہ سے جن کی دیانتداری پر انہیں شبہ تھا بہت کچھ پس و پیش کے بعد ملاقات کرنے کو راضی ہو گئے اور ۲۵ مئی سنہ ۱۷۷۲ء کو شاہ آباد میں داخل ہوئے۔ شجاع الدولہ اور سر رابرٹ بارکر نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا[2]۔ اور جب سب لوگ باہم مل کر بیٹھے تو ضابطہ خاں کے اہل و عیال کی رہائی اور مرہٹوں کے ساتھ ان کے معاملہ کی درستگی پر تبادلہ خیال ہوا۔ بہت سی قیل و

---

[1] گل رحمت

[2] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

قال کے بعد شجاع الدولہ، سر رابرٹ بارکر اور حافظ الملک نے اپنے اپنے وکلاء مرہٹوں کے پاس روانہ کئے۔ ان وکلاء کی کوشش سے بالعوض چالیس لاکھ روپیہ سرداران مرہٹہ مصالحت پر راضی ہو گئے، لیکن چونکہ ضابطہ خاں کے پاس روپیہ دینے کو نہ تھا اس لئے انہوں نے اپنے اطمینان کے لئے شجاع الدولہ سے زر معاملہ کا ایک مہری تمسک طلب کیا شجاع الدولہ نے کہا کہ میں صرف حافظ الملک کے پاس خاطر سے درمیان میں پڑا ہوں اگر حافظ الملک ایک اپنا مہری تمسک ادائے زر کی بابت لکھ کر مجھے دیدیں گے تو صرف اس صورت میں میں اپنا مہری تمسک مرہٹوں کو دے سکتا ہوں۔ اس صورت حال کے واقع ہونے پر حافظ الملک نے ضابطہ خاں کے شدید اصرار اور تمام سرداران روہیل کھنڈ مثل فیض اللہ خاں، بخشی سردار خاں فتح خاں خانساماں، محب اللہ خاں اور فتح خاں پسران دوندے خاں وغیرہ کی عام خواہش کی بنا پر جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ گنگا پور اور ٹانک متہ میں محصور تھے اور ان مقامات کی آب وہوا سے عاجز آ گئے تھے ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ اگر لڑ کر یا صلح کر کے مرہٹوں کو روہیلوں کے ملک سے نکال دیا گیا تو اس کے عوض میں حافظ الملک تین سال کے عرصہ میں چالیس لاکھ روپیہ شجاع الدولہ کو ادا کریں گے اس اقرار نامہ کی جو چالیس لاکھ روپیہ کے تمسک کے نام سے مشہور ہے اصل عبارت حسب ذیل تھی:۔

چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک وزیر سلطنت شجاع الدولہ تمام سرداران روہیل کھنڈ کو ان کے ملک پر قابض کر دیں گے ان کو اختیار ہے کہ خواہ صلح خواہ جنگ کے ذریعہ اس امر کو انجام دیں اور اگر مرہٹے جنگ یا صلح کئے بغیر دریا عبور کریں گے اور موسم برسات ختم ہونے پر دوبارہ روہیلوں کے ملک میں داخل ہوں گے تو ان کا دفع کرنا وزیر کا کام ہوگا روہیلہ سردار مذکورہ بالا امور کے بعد اقرار کرتے ہیں کہ وہ چالیس لاکھ روپیہ بشرائط ذیل وزیر سلطنت کو دیں گے۔ چونکہ مرہٹے روہیلہ سرداروں کے علاقہ میں ہیں اس لئے وزیر شاہ آباد سے روانہ ہو کر ان مقامات تک جائیں گے جہاں تک جانے سے روہیلوں کے

اہل خاندان جنگل سے آکر اپنی اپنی جائے قیام کو واپس آسکیں، جب یہ امر صورت پذیر ہو جائے گا تو مذکورہ بالا رقم میں سے دس لاکھ روپیہ نقد ادا کیا جائے گا اور باقی بتیس لاکھ روپیہ تین سال میں ابتداء شروع ۱۱۸۶ھ سے ادا کئے جائیں گے یہ عہد نامہ سر رابرٹ بارکر کے روبرو مہر ثبت ہو کر مکمل ہوا[1]۔"

تمسک کی تکمیل ہو جانے کے بعد ہنوز حافظ الملک شاہ آباد میں تھے کہ مرہٹے خود بخود برسات شروع ہو جانے کی وجہ سے گنگا عبور کر کے دہلی کی طرف کوچ کر گئے اور بقول مولف اخبار الصنادید شجاع الدولہ کو مرہٹوں کو نکالنے میں انگلی بھی نہ ہلانی پڑی اتنا ضرور ہوا کہ شجاع الدولہ کی کوشش سے مرہٹوں نے ضابطہ خاں کے اہل و عیال کو رہا کر کے بریلی روانہ کر دیا۔ روہیل کھنڈ سے مرہٹوں کے رخصت ہو جانے کے بعد شجاع الدولہ سر رابرٹ بارکر اور انگریزوں کی فوج فیض آباد کو واپس ہو گئی حافظ الملک بریلی بعیت چلے آئے اور دوسرے سرداران فوج بھی مع اہل و عیال اپنے اپنے مقاموں کو چلے گئے۔ روہیلے چار مہینے تک دامن کوہ میں پناہ گزین رہے اس مرتبہ ترائی کی ناموافق آب و ہوا کے سبب سے بیس ہزار مرد و زن صغیر و کبیر مر گئے جس کی بنا پر اس سال کا تاریخی نام "قضائے مردم" رکھا گیا یہی وہ سال تھا، جس میں بخشی سردار خاں بھی نذر اجل ہو گئے[2]۔

---

[1] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلہ وار۔

[2] بخشی سردار خاں نے گنگا پور کی خراب آب و ہوا کے باعث اسہال کے مرض میں مبتلا ہو کر آنولہ میں انتقال کیا مرحوم نواب علی محمد خاں کے زمانہ سے عہدۂ بخشی گری پر مامور تھے بڑے متقی، عابد، زاہد، سخی اور شجاع تھے۔ حافظ الملک کے سچے جاں نثار اور حکومت روہیل کھنڈ کے بہت بڑے رکن تھے، ان کی قبر آنولہ میں ہے۔

ان کے آٹھ فرزند تھے جو اپنے باپ کے مرتے ہی آپس میں لڑنے لگے۔ حافظ الملک نے بدقت اس خانہ جنگی کا سد باب کیا اور بڑے لڑکے احمد خاں کو خلعت و منصب عطا کیا۔

(۲۹)

حافظ الملک سے عنایت خاں کی بغاوت

مرہٹوں کے ہاتھوں ہولناک بربادی جان و مال کے اثرات ہنوز روہیل کھنڈ میں کارفرما تھے، کہ ان پر طرہ یہ ہوا کہ یہاں کی حکمران قوم جو کبھی اتحاد و اتفاق میں ضرب المثل تھی زبردست نفاق و شقاق کا شکار بن گئی یعنی بخشی سردار خاں کے انتقال کے بعد ان کے لڑکوں میں سخت خانہ جنگی ہوئی اور اس کے فرو ہوتے ہی بعض اشرار کی فتنہ انگیزی کی بدولت حافظ الملک کے خاص گھر میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھی جس کی تباہ کاری نے نہ صرف اس سر زمین کی امن و عافیت کو نقصان پہنچایا بلکہ اس واقعہ کے بعد سے خود حافظ الملک کے مصائب و آلام کا بھی ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شاہ آباد سے حافظ الملک کی واپسی کے وقت اثناء راہ میں عنایت خاں نے عرض کیا تھا کہ اس سال دامن کوہ کی ناموافق آب و ہوا کے سبب سے بکثرت اہل لشکر فوت ہو گئے ہیں۔ اگر ان خالی آسامیوں پر نئے سپاہی بھرتی کرنے کی مجھے اجازت مرحمت کر دی جائے تو میں چند ہزار پیادے اور کار آزمودہ سوار نوکر رکھ لوں تاکہ اگر بعد برسات مرہٹے دوبارہ حملہ کریں تو ہم کسی غیر کی امداد و اعانت سے بے نیاز ہو کر خود ہی اپنی مدافعت میں ان سے کام لے سکیں۔

حافظ الملک نے عنایت خاں کی اس تجویز سے اتفاق کر لیا تھا لیکن یہ فرمایا تھا کہ میں متوفیان اہل لشکر کی جگہ ان کے وارثوں کو دینا چاہتا ہوں اگر تم چاہتے ہو تو دو تین ہزار پیادہ و سوار ان افغانان نو وارد میں سے جو ضابطہ خاں کے معاملات کی برہمی کے باعث اپنے ملک کو واپس نہیں جا سکتے ہیں اور تنگ دستی کے سبب سے حیران و پریشان ہیں نوکر رکھ

لو۔ کچھ عرصہ بعد ان کے اخراجات کی کفالت کے لئے حسب ضرورت جائداد مقرر کردی جائیگی
عنایت خاں کو اس امر میں بہت عجلت تھی اس لئے بریلی میں داخل ہوتے ہی سپاہ
بھرتی کرنے میں مشغول ہو گئے اس موقع پر حافظ الملک کے بعض مصاحبوں اور مشیران خاص نے
جو عنایت خاں کی سطوت وصولت سے پر خطر اور ان کی سختی مزاج سے مکدر رہا کرتے تھے
عنایت خاں کی عاجلانہ کارروائی کو ایک دوسرا رنگ دے کر حافظ الملک کی خدمت میں پیش
کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ فوج کے بڑھانے سے عنایت خاں کا منشائے دلی حضور کو معزول کرنا
ہے۔ حافظ الملک نے ان کی باتوں کو سچ سمجھ کر فوج بھرتی کرنے کے خلاف عنایت خاں کے نام
حکم امتناعی جاری کر دیا۔ اس کے جواب میں عنایت خاں نے عرض کیا کہ حکم ثانی پہنچنے سے قبل
میں نے دو تین ہزار پیادے اور سوار ملازم رکھ لئے ہیں۔ امیدوار ہوں کہ کم از کم ان کے واسطے
جائداد ضرور مقرر کردی جائے۔ آئندہ کسی شخص کو نوکر نہ رکھوں گا۔ اس عرصہ میں حافظ الملک
پیلی بھیت سے بریلی تشریف لائے اور ان ہی فتنہ پردازوں کو جو ان کے درپئے تخریب
تھے عنایت خاں کے پاس بھیجا اور ان کو ہدایت کردی کہ نصائح اور دل جوئی کے ساتھ عنایت
خاں کو رضامند کرلیں کہ بالفعل اپنی جمعیت کو علیحدہ کردیں کچھ عرصہ کے بعد اس سے
زیادہ سپاہ ان کے ساتھ مقرر کردی جائے گی۔ یہ فتنہ پرداز عنایت خاں کے پاس گئے تو
نصائح اور دلجوئی کی بجائے انہوں نے براہ مفسدہ پردازی کچھ ایسے کلمات حافظ الملک کی
جانب سے ادا کئے جن کی بناء پر عنایت خاں برافروختہ ہو گئے اور کہا کہ :۔

"میں جانتا ہوں کہ آنحضرت نے اس طرح نہ فرمایا ہوگا جس طرح تم کہہ رہے ہو میں نے
آنحضرت ہی کے حکم صریح سے افغانوں کے اس گروہ کو جمع کیا ہے۔ تمہارے بیان کردہ
خیالات فاسد انشاءاللہ میرے دل پر کچھ اثر نہ کریں گے مگر ایسے نمک حراموں کو جنہوں نے
اپنی حد سے زیادہ پاؤں باہر نکالے ہیں ان کے کردار کی سزا دینے کے لئے ضرور میں
نے اس جمعیت کو فراہم کیا ہے اور قطعی ناممکن ہے کہ اس کو بے وجہ اپنے سے جدا

کروں[۱]۔

عنایت خاں کا جواب سُن کر یہ لوگ حافظ الملک کی خدمت میں واپس آئے اور ایک ایک بات کی ہزار ہزار باتیں اپنی طرف سے لگا کر ان کی طبعیت کو پہلے سے زیادہ مکدّر کر دیا۔ یہ خبر معلوم کر کے عنایت خاں نے اپنے آپ کو مجرا اور سلام سے معذور کر لیا اور بخیالِ حفاظت خود اختیاری جس کو بغاوت سے تعبیر کیا گیا۔ مزید سپاہ بھرتی کرنا ترک نہ کیا چنانچہ تھوڑے سے عرصہ میں قلعہ بریلی میں ان کے گرد ایک بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ اس پر دغا بازوں نے حافظ الملک کو باور کرایا کہ عنایت خاں عنقریب آپ کو گرفتار کر کے خود مسند حکومت پر بیٹھ جائیگا حافظ الملک کو بھی یقین آگیا اور بریلی سے پیلی بھیت روانہ ہو کر اپنی کُل سپاہ کو حاضری کا حکم دیدیا حسب الحکم تمام سردار، رسالدار اور جمعدار بعجلت تمام اپنی اپنی جاگیروں اور دکانوں سے کوچ کر کے حاضر خدمت ہو گئے، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حافظ الملک نے بریلی کی طرف رخ کیا اور کوچ متواتر کر کے شہر سے متصل جانب شرق نکٹیا ندی پر اپنا کیمپ قائم کیا۔ ادھر عنایت خاں نے بریلی کے آس پاس مورچے قائم کئے اور مدافعانہ جنگ کی تیاری شروع کی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے شیخ کبیر نے مصالحت کی بہت کوشش کی اور لڑائی کو بڑی جدوجہد سے صلح کی حد تک پہنچا دیا۔ لیکن بدقسمتی سے انہیں ایام میں ان کا انتقال ہو گیا[۲]۔

---

[۱] گلستان رحمت [۲] شیخ کبیر حافظ الملک کے اعاظم امراء اور معتمد ترین رفقاء میں سے تھے۔ نواب دوندے خاں اور عنایت خاں کے بعد تمام روہیلہ سرداروں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ نہایت عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ اتقاء و پرہیزگاری ہی کے باعث شیخ کہلاتے تھے ورنہ اکوزئی پٹھان تھے۔ نواب علی محمد خاں کے عہد میں حافظ الملک کے ہمراہ افغانستان سے ہندوستان آئے تھے اور روز بروز ترقی کر کے عہدہ ہائے جلیل مثل گورنری اٹاوہ وغیرہ پر ممتاز رہے۔ حافظ الملک کو ان کے انتقال کا بے حد رنج و افسوس ہوا۔ ان کے جنازے کی نماز خود پڑھائی اور دفن کے واسطے جنازہ کو شہر میں بھجوا دیا شیخ کبیر کے تین نامور صاحبزادے محمد مستقیم خاں، عبدالحکیم خاں اور مقیم خاں نامی تھے۔ حافظ الملک نے صاحبزادہ محمد مستقیم خاں کو جو بہت بڑا دلاور شخص تھا اس کے باپ کے منصب پر سرفراز کیا۔ شیخ کبیر کی قبر بریلی شہر کہنہ میں ہے

حافظ الملک نے شیخ کبیر کے انتقال سے تین چار روز بعد تک عنایت خاں کے شہر سے باہر نکلنے کا انتظار کیا، بالآخر اپنے کیمپ سے سوار ہوئے اور اپنے توپ خانہ کو آگے کر کے قلعہ کے نزدیک پہنچے اور جانب غرب قیام کر کے قلعہ پر توپوں کے سر کرنے کا حکم دیا ادھر عنایت خاں نے یہ کیا کہ اپنے سپاہیوں کو ان تمام فتنہ پردازوں کے دروازوں پر مقرر کر دیا جو جنگ کے بانی مبانی تھے اور جن کے عیال واطفال شہر کے اندر تھے تاکہ گولہ باری شروع ہوتے ہی ان لوگوں کے زن وفرزند کو قلعہ میں لاکر توپوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا جائے عنایت خاں کی اس کارروائی کی بریلی میں خبر عام ہوئی تو اہالیان شہر میں ہل چل مچ گئی اور سب لوگوں نے افضل خاں اور سلطان خاں برادران نجیب الدولہ کو جو مرہٹوں کی یورش کے وقت سے ابھی تک یہیں مقیم تھے حافظ الملک کے پاس بھیجکر عرض کرایا کہ اگر توپ کا ایک گولہ بھی سر ہوا تو ہم بے حرمت اور برباد ہو جائیں گے۔ حافظ الملک نے اس امر کی اطلاع پاکر گولہ باری کا حکم منسوخ کر دیا۔

جنگ کے ذریعہ عنایت خاں کو قلعہ سے برآمد کرنے کی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو حافظ الملک نے دوسرے روز اپنے مصاحبوں اور مشیروں سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ یہ لوگ باہم مشورہ کر کے سند جائداد پرگنہ سلیم پور، جھوکسہ اور فرید پور کی لکھکر حضور میں لائے اور عرض کیا کہ اس تحریر پر اپنی مہر ثبت فرماکر عنایت خاں کو ارسال کر دیجئے تاکہ وہ اپنے پرگنات کی جانب روانہ ہو جائے۔ آئندہ حضور کو اختیار رہے کہ اس سند کو بحال رکھیں یا منسوخ کر دیں[1]۔ حافظ الملک نے فرمایا کہ "میں اس طریقہ پر کوئی جائداد اس کو نہ دوں گا اور اپنے تحریری معاہدے کے خلاف عمل کرنے سے بھی معذور ہوں کوئی اور تدبیر سوچ کر بتلائیے"۔

سب لوگوں نے عرض کیا کہ اس تحریر کو روانہ کئے بغیر عنایت خاں کا شہر سے نکلنا ناممکن

صہ متصل مرزا شاہدانہ ولی میچ فیکٹری کے بالمقابل ایک لودھے کے مکان میں بتائی جاتی ہے۔

[1] گل رحمت۔

ہے اور اس کے شہر میں رہنے کی صورت میں ہمارے اہل و عیال کی بے حرمتی امر یقینی ہے امید وار ہیں کہ ہمارے اور عامۂ خلائق کے حال پر نظر ترحم فرما کر چند روز کے لئے اس کے واسطے کوئی جائداد مقرر فرما دیجئے۔

حافظ الملک نے چارو ناچار اس نوشتہ پر اپنی مہر ثبت فرما دی لیکن دربار عام میں یہ بھی اعلان کر دیا کہ "وہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے"

اس اعلان کے باوجود کارپردازان سرکار نے افضل خاں اور سلطان خاں کے ہمراہ نوشتہ مذکور عنایت خاں کے پاس روانہ کر دیا۔ عنایت خاں نے ان لوگوں کے پہنچنے سے قبل ہی اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے اس نوشتہ کی بے اعتباری کا حال معلوم کر لیا تھا تاہم اسے افضل خاں اور سلطان خاں کے ہاتھ سے لے لیا اور کہا کہ:

"اگرچہ یہ تحریر کسی اعتبار کے لائق نہیں کیونکہ جناب قبلہ و کعبہ نے خود اپنی زبان مبارک سے ایسا فرما دیا ہے لیکن میں اس نوشتہ کو اپنے متعلق دستاویز صلح قرار دے کر شہر سے باہر جاتا ہوں تاکہ معاندین میری بزدلی پر محمول نہ کریں[1]"

دو تین روز کے بعد عنایت خاں اپنے دو بھائیوں محمد دیدار خاں اور الہ یار خاں کے ہمراہ جو اس قضیہ میں ان کے رفیق رہے تھے۔ چار پانچ ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت کے ساتھ قلعہ سے باہر نکل آئے اور بیرون شہر اپنے ڈیرے ڈال دئے۔ دوسرے روز رام گنگا عبور کر کے موضع گگروئی کے قریب جو بریلی سے دس کوس پر واقع ہے قیام کیا اور وہاں سے الہ یار خاں کو پرگنہ سلیم پور کی تحصیل وصول کے لئے روانہ کیا۔

عنایت خاں کے شہر سے باہر نکلنے کے بعد حافظ الملک نے ان کا تعاقب کیا اور سردار نگر کے پل سے گزر کر کیمپ سے تین کوس کے فاصلے پر ڈیرہ کیا۔ دوسرے روز حافظ الملک کے بغیر

---

[1] گل رحمت

حکم عبداللہ خاں رئیس شاہجہاں پور، احمد خاں، سردار خاں، عبدالستار خاں اور خان محمد خاں وغیرہ جو عنایت خاں کی بربادی کے درپے تھے خود بخود ہراول لشکر بن کر پندرہ ہزار فوج کے ساتھ عنایت خاں کے لشکر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عنایت خاں نے اس یورش کی خبر سنی تو اپنی چار پانچ ہزار فوج کی صفیں آراستہ کر لیں اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ جب دونوں فریق مقابل ہوئے ہر دو جانب کے ہراول لشکر میں توپیں چلنا شروع ہوئیں اور "آناً فاناً" میں طرفین کے سیکڑوں آدمی مقتول و مجروح ہونے لگے۔ اس وقت عنایت خاں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ عبداللہ خاں کی فوج پر آ گرے اور برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر ایسی سخت شمشیر زنی کی کہ تھوڑی ہی دیر میں عبداللہ خاں کے ہمراہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اس ہنگامہ میں عبداللہ خاں کا لڑکا سعداللہ خاں زخمی ہوا اور خود عبداللہ خاں بھی بدشواری اس مہلکہ سے اپنی جان بچا کر افتاں وخیزاں شاہجہانپور کی طرف راہ گریز اختیار کر سکا۔

عبداللہ خاں کے بعد عنایت خاں نے احمد خاں پسر بخشی سردار خاں پر حملہ کیا۔ احمد خاں[1] کے ہمراہی میدان جنگ میں ثابت قدم رہے لیکن محمد دیار خاں کے سواروں کے حملہ سے پسپا ہو گئے۔ اس حملہ میں احمد خاں کے بازو پر تلوار کا ایک کاری زخم لگا۔ احمد خاں اور عبداللہ خاں کا حال دیکھ کر دوسرے افسران کمال زائی عبدالستار خاں اور خان محمد خاں وغیرہ بھی میدان کارزار میں ٹھہرنے کی تاب نہ لا سکے اور راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے عنایت خاں نے تعاقب کر کے حافظ الملک کے لشکر تک ان کا پیچھا کیا، لیکن خاص حافظ الملک کے لشکر میں پیش قدمی کرنے کی جرأت نہ کی اور اہل فرار ہی کے کیمپ کے قریب ٹھہرے رہے۔ اس عرصہ میں شکست خوردہ فوج کے سردار حافظ الملک کے حضور میں

---

[1] گلستان رحمت

حاضر ہوئے اور واقعات جنگ بیان کئے۔ حافظ الملک نماز ظہر ادا کرنے کے بعد ہاتھی پر سوار ہوئے اور عنایت خاں کی اس پیادہ فوج کی طرف جو مفرورین کے تعاقب میں لشکر خاص کے قریب پہنچ گئی تھی روانہ ہوئے۔ پیادہ فوج نے حافظ الملک کو اپنی جانب متوجہ ہوتے دیکھ کر ایک ویران گاؤں میں پناہ لی اور بندوقوں کے فیر کرنا شروع کردیئے حافظ الملک اس خیال سے کہ عنایت خاں بھی اسی گروہ میں ہوں گے تھوڑی سی پیادہ فوج اور اپنے فرزندوں ارادت خاں، محبت خاں۔ حافظ محمد یار خاں، عظمت خاں اور حرمت خاں کو ساتھ لے کر گاؤں کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ عنایت خاں کی پیادہ فوج کی بندوقوں کی گولیاں اچھی طرح کام کرنے لگیں۔ چنانچہ ایک گولی اس کمان پر جو حافظ الملک کے ہاتھ میں تھی لگی دوسری گولی ہودۂ خاص پر اور ایک گولی فیلبان کی ٹانگ میں لگی اسی طرح اکثر ہمراہیان رکاب کے گولیاں لگیں جن سے بعض مجروح اور بعض شہید ہوگئے، ایسے پرآشوب وقت میں اکثر مصاحب اور کار پردازپیش قدمی کرنے کے مانع ہوئے۔ لیکن حافظ الملک سخت غصّہ اور قہر وغضب کے عالم میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ توپ خانہ بھی آپہنچا اور فتح خاں اور دیگر چھوٹے بڑے رسالداروں نے جوق جوق حاضر رکاب ہوکر صفیں آراستہ کرلیں اور محصورین کی طرف توپوں کی باڑھ مارنا شروع کردی۔ مخالفین توپوں کی زد کی تاب نہ لاسکے اور امان کی فریاد بلند کرکے جان بخشی کے خواستگار ہوئے اسی اثنا میں محب اللہ خاں پسر نواب دوندے خاں اپنے ہمراہیوں سمیت عنایت خاں کے قریب پہنچا جو مفرور ہراول فوج کی قیام گاہ کے پاس ٹھہرے ہوئے خیمہ وبنگاہ کی لوٹ کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ محب اللہ خاں نے عنایت خاں سے دریافت کیا:۔

"آپ کس ارادے سے کھڑے ہوتے ہیں؟"

عنایت خاں نے جواب دیا:۔

"میں نے اپنی مقابل فوج کو اپنے آگے سے بھگادیا ہے اب میرا ارادہ جنگ کرنے کا نہیں ہے

بلکہ آپ کے ذریعہ سے جناب قبلہ وکعبہ کے حضور میں چلتا ہوں۔[1]"

محب اللہ خاں نے اسی وقت اپنی سواری کا ہاتھی پیش کیا اور عنایت خاں کو اس پر بٹھا کر چاہا کہ اپنے ڈیرے کو لیجائے لیکن عنایت خاں نے کہا اول کسی کو اپنی طرف سے حضور عالی میں بھیجکر میرے پیادوں کی جان بخشی کی بابت عرض کرلیجئے۔ محب اللہ خاں نے ایک شخص کو حضور میں بھیجکر پیادوں کی جان بخشی اور عنایت خاں کو اپنے ساتھ حضور میں لانے کی بابت درخواست کی حافظ الملک نے یہ امر دریافت کرنے کے بعد حکم دیا کہ کوئی شخص ان محصور پیادوں سے متعرض نہ ہو یہ لوگ جہاں چاہیں چلے جائیں اور خود میدان جنگ سے واپس ہوکر محب اللہ خاں اور عنایت خاں کے آنے کا انتظار کرنے لگے تھوڑی دیر میں محب اللہ خاں تنہا حضور میں حاضر آیا اور عرض کیا کہ:۔

"اول اول عنایت خاں کا ارادہ تھا کہ میری ہمراہی میں حضور میں حاضر ہو لیکن جیسے ہی پیادہ ہائے محصورین کو رہائی ملی اور وہ لوگ اس کے پاس پہنچے عنایت خاں نے مجھ سے کہا کہ میں آج اپنے لشکر میں جاتا ہوں کل حضور میں حاضر ہوں گا، جب میں نے اصرار کیا تو اس نے کہا دا گر میں اس وقت جاؤں گا تو سب لوگ یہ کہیں گے کہ محب اللہ خاں فلاں شخص کو گرفتار کر کے لے آیا ہے اور میرا اس طرح جانا مناسب نہیں ہے، مجبور ہوکر میں نے اس کو جانے دیا۔"

حافظ الملک یہ بات سُن کر بہت ناراض ہوئے اور محب اللہ خاں کو ملامت کر کے عنایت خاں کو کہلا بھیجا کہ:۔

تو آج نامردوں سے جنگ کر کے ان پر غالب آگیا کل میرے اور تیرے درمیان لڑائی ہے۔[2]"

---

[1] گل رحمت۔ [2] اخبار الصنادید

عنایت خاں نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ :۔

"آج دشمن حضور کے بغیر حکم میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔ مجبوراً میں نے ان کو دفع کیا کل ضرور حضور عالی میں حاضر ہو کر معافی تقصیرات کا ملتجی ہوں گا ہرگز ہرگز حضور میں اپنی حد سے متجاوز نہ ہوں گا"[1]

حافظ الملک نے اس جواب پر کچھ التفات نہ فرمایا۔ دوسرے دن صبح کو اپنی سپاہ کو مرتب کرنے کا حکم دیا اور نماز اشراق کے بعد ہاتھی پر سوار ہو کر عنایت خاں کے لشکر کی طرف روانہ ہو گئے۔ عنایت خاں نے جب یہ خبر سنی تو محمد دیدار خاں کو اپنے لشکر میں چھوڑ کر اور اللہ یار خاں کو اپنے ساتھ لے کر معدودے چند سواروں کے ہمراہ حافظ الملک کے حضور میں حاضر ہونے کے مقصد سے روانہ ہوئے۔ اول مستقیم خاں سے ملاقات ہوئی۔ اس کو اپنی حاضری کی اطلاع دینے کی غرض سے حضور میں بھیجا اور اس کے پیچھے خود اللہ یار خاں کے ساتھ قریب پہنچکر گھوڑے سے اتر پڑے اور اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر گنہگاروں کی طرح حافظ الملک کے ہاتھی کے قریب آئے اور کورنش بجا لا کر کھڑے ہو گئے حافظ الملک نے اول اول ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی پھر کچھ دیر تامل کے بعد ارشاد فرمایا کہ :۔

"تو کس غرض سے آیا ہے اگر تجھ کو ہوس جنگ باقی ہے تو اپنے لشکر کو جا ورنہ طوق و زنجیر اختیار کر"

عنایت خاں نے عرض کیا کہ :۔

"میں قصور کی معافی کی امید پر حاضر ہوا ہوں آئندہ جو رائے عالی ہو اس پر راضی ہوں"

اس جواب پر حافظ الملک اپنے ڈیرے کو تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ عنایت خاں اول

---

[1] گل رحمت

فیض اللہ خاں کے پاس جائیے اور ان کی معرفت ملال خاطر کو دور کرائیے اس کے بعد ان کی ہمراہی میں حضور میں حاضر ہو کر اپنی خطاؤں کی معافی چاہیے۔ حسب الحکم عنایت خاں اور الہ یار خاں، نواب فیض اللہ خاں کے ڈیرے کی طرف روانہ ہوئے نواب موصوف ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حافظ الملک کے ڈیرے پر چلے گئے تھے اور عنایت خاں سے گفت و شنید کے بارے میں مشورہ کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد چند رسالداروں اور اہل کاروں کو ہمراہ لے کر فیض اللہ خاں اپنے ڈیرے پر واپس آئے اور عنایت خاں سے ملاقات کے وقت خود خاموش رہے۔ حافظ الملک کے اہل کاروں سے گفتگو شروع کرائی اور عفو تقصیرات کی بابت عنایت خاں کو یہ حکم سنوایا کہ:۔

"اپنی فوج کو برطرف کر دیجئے اور لوٹ کے اسباب کو واپس دیجئے تب قصور معاف ہوگا"

عنایت خاں نے جواب دیا:۔

"ان دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کیجئے، یا تو مجھ سے لوٹ کا اسباب طلب نہ کیجئے کہ میں یہاں سے بیٹھے بیٹھے اپنی فوج کو برطرفی کا حکم بھیج سکوں یا مال لے لیجئے فوج کو برطرف نہ کرائیے تاکہ میں ان کی تنخواہ کے فوری مطالبہ سے بچ سکوں"

اس معقول جواب کو درمیانی لوگوں نے نہ معلوم کس قسم کی رنگ آمیزی کے ساتھ حافظ الملک کی خدمت میں پیش کیا کہ ان کی برہمی مزاج دور نہ ہوئی اور انھوں نے عنایت خاں کو روہیل کھنڈ سے باہر نکل جانے کا حکم صادر فرما دیا۔

اس فرمان کو سن کر عنایت خاں اپنی تقصیرات کی معافی سے مایوس ہو گئے اور دوسرے روز پیکر حزن و ملال بنے ہوئے فیض اللہ خاں کے ڈیرے سے نکل کر اپنے لشکر کی طرف چلے گئے اور وہاں سے بکثرت لوٹ کا سامان حافظ الملک کی خدمت میں واپس کر کے دونوں بھائیوں

اور تمام نوملازم سپاہ کے ہمراہ پورب کی طرف کوچ کر گئے عنایت خاں کے ملک بدر کئے جانے سے ان تمام شور بختوں کی آرزو پوری ہو گئی جو حافظ الملک اور ان کی اولاد کے زوال نعمت وجاہ کے درپے تھے۔ عنایت خاں حافظ الملک کی تمام اولاد میں عقل و خرد میں بے مثل، رعب و دبدبہ میں لاجواب اور تہور و مردانگی میں یگانۂ روزگار تھے۔ جنگ پانی پت اور ایسے ہی دوسرے معرکوں میں انہوں نے وہ نام پیدا کیا تھا اور جرأت و دلیری کا ایسا سکہ بٹھایا تھا کہ اس کے تصور سے مخالفین لرزہ براندام ہوتے تھے۔ اس دُرِ بے بہا اور جوہر قابل کی ایسی افسوسناک بربادی ایک ایسا دردانگیز و حسرت خیز واقعہ ہے کہ قلم کو اس کے لکھنے کا یارا نہیں روہیل کھنڈ کے تمام وہ خود غرض امراء و سردار جو حافظ الملک کے بعد ملک کے حصے بخرے کرنے کے منصوبے کر رہے تھے۔ اپنے حصول مقصد میں صرف عنایت خاں کو سنگ راہ سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ جب تک عنایت خاں کا وجود باقی ہے انہیں سر اٹھانے کا موقع نہ ملے گا اس لئے انہوں نے سب سے پہلے اسی کانٹے کو نکالنے کی تدبیر کی۔ اور باپ بیٹوں کو آپس میں لڑوا کر اور ایک دوسرے کی جیتے جی جدائی کرا کے دونوں کو زندہ درگور کر دیا۔ اب حاسدوں فتنہ پردازوں، جاہ پرستوں اور خود غرضوں کے لئے میدان صاف ہو گیا ہے۔ حافظ الملک کی چند روزہ زندگی باقی ہے۔ دیکھئے کہ اس کے بعد وہ کیونکر اور کس طرح گذرتی ہے۔

وطن سے عنایت خاں کے رخصت ہونے کا حسرت انگیز منظر

مصیبت زدہ عنایت خاں معتوبِ بارگاہ پدری ہو کر پورب کی طرف روانہ ہو گئے اس سفر میں ان کے ہمراہ خلاف معمول نہ نوبت و علم تھا اور نہ خدم و حشم معمولی ڈیرے خیمہ کی بھی کمی تھی۔ جو چند ہزار سپاہی ہمراہ رکاب تھے سو وہ بھی گرد آلود پژمردہ اور شکستہ دل تھے۔ روہیل کھنڈ کی سرحد ختم ہوئی تو عنایت خاں نے اپنی حرماں نصیبی کا جائزہ لینے کی غرض سے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر سرزمین وطن پر بصد حسرت و یاس ایک طائرانہ نگاہ ڈالی بیک نظر اپنے تیس سالہ دور حیات کی تمام ہنگامہ خیزیاں سامنے آ گئیں۔ ساتھ

ہی تمام وہ دلفریب وخوشگوار مناظر و واقعات بھی یاد آ گئے جو ہر انسان اپنے وطن اور اہل خاندان سے متعلق اپنے دل کے بعض نرم و نازک گوشوں میں محفوظ رکھتا ہے اور جن کا نہ کبھی اظہار کرتا ہے اور نہ ان کو کسی سے بیان کرتا ہے۔ اس حال میں چند لمحے گزار کر عنایت خاں نے ایک آہ سرد کے ساتھ بچشم پر آب "خدا حافظ" کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کئے اور گھوڑے کی باگ موڑ کر دیارِ غیر کی راہ لی۔

ہر قسم کی بے سروسامانی کے باوجود جس مقام سے گذر ہوتا اور یہ آواز پہنچتی کہ عنایت خاں جا رہا ہے، عام شہرت ہو جاتی اور لوگ اس مرد میدان دلاوری اور رستم دوران سپہگری کو دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ چند روز متواتر بغیر کسی مقصد و منزل مقصود کو قرار دئے عنایت خاں کوچ پر کوچ کرتے ہوئے موضع نوراہی میں داخل ہوئے یہ مقام فیض آباد سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اتفاق سے شجاع الدولہ آج کل یہاں مقیم تھے، انہوں نے عنایت خاں کے ورود کی خبر سنی تو اپنے بیٹے سعادت علی خاں، مرتضیٰ خاں بھڑیچ اور ہمت بہادر کو پیشوائی کے لئے بھیجا۔[1] عنایت خاں نے شجاع الدولہ کی دعوت قبول کر لی اور بلا تکلف ان کے لشکر میں چلے گئے۔ رات کو مرزا علی کے ڈیرے میں آرام کیا دوسرے دن شجاع الدولہ سے ملاقات ہوئی۔ شجاع الدولہ نے خلعت فاخرہ مع شمشیر و جیغہ عنایت خاں اور ان کے دونوں بھائیوں کو عنایت کیا اور ان کی دلجوئی و مہمان داری میں انتہا درجہ کا اہتمام کیا ہر روز طرح طرح کی مہربانیاں کی جاتی تھیں اور ان کے آنے پر اظہار تشکر و امتنان کیا جاتا تھا۔ ایک روز دوران گفتگو میں حافظ الملک اور عنایت خاں کی آپس کی نااتفاقی کے حالات سے بخوبی واقف ہو کر شجاع الدولہ نے اپنی آمدنی کی قلت اور اخراجات کی کثرت کا عنایت خاں کے سامنے ذکر کیا اور کہا کہ:-

---

[1] تاریخ اودھ۔

"اس تھوڑے سے ملک اودھ سے ایک لاکھ سوار و پیادے اور اس قدر خدم و حشم کے

اخراجات پورے نہیں ہو سکتے، میں اس فکر میں ہوں کہ ایک اور ملک فتح کروں۔"

عنایت خاں نے شجاع الدولہ کے خلاف توقع کچھ جواب نہ دیا اور ان کا منشاء خاطر معلوم کر کے وہاں سے اٹھ کر اپنے ڈیرے کو چلے گئے اور اپنے بھائیوں سے کہا کہ:۔

"اب ہمارا شجاع الدولہ کے پاس رہنا مناسب نہیں ہے یقین ہے کہ وہ عنقریب روہیل کھنڈ کو لینے کا ارادہ کرے گا بہتر ہے کہ اس واقعہ کے وقوع سے قبل جناب قبلہ و کعبہ کو اس کے قصد سے مطلع کریں اور اس کے تدارک کی کوشش کریں۔"[1]

غرض ابھی میں دو چار دن قیام کے بعد شجاع الدولہ عنایت خاں کو ساتھ لے کر پہلے فیض آباد اور پھر لکھنؤ میں داخل ہوتے۔ لکھنؤ پہنچکر مبلغ آٹھ ہزار روپیہ بطور مدد خرچ عنایت خاں کے پاس بھیجا اور وعدہ کیا کہ عنقریب ایک معقول جائداد مصارف کے واسطے مقرر کر دی جائیگی لیکن ان عطیات سے عنایت خاں نے اپنے دل پر کوئی اثر قبول نہ کیا اور شجاع الدولہ سے اجازت حاصل کئے بغیر روہیل کھنڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔

عنایت خاں کی وطن کو واپسی اور حافظ الملک کی جانب سے معافی تقصیر

شجاع الدولہ کے پاس سے اس قدر عجلت کے ساتھ روانہ ہو جانے کا سبب یہی تھا کہ وہ حافظ الملک کو شجاع الدولہ کے ارادہ بد سے جلد از جلد مطلع کر دینا چاہتے تھے جب منزل بمنزل سفر طے کر کے وہ شاہجہاں پور کے قریب پہنچے اور حافظ الملک کو ان کی آمد کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ تنہا آؤ ورنہ تمہاری گوشمالی کے لئے فوج روانہ کی جائے گی۔

چونکہ ان کے دل میں اپنے وطن اور اپنے والد بزرگوار کی محبت کی حقیقی اور سچی لگن تھی اس لئے

---

[1] گل رحمت

انہوں نے بکمال فرض شناسی اپنی ذاتی ذلت اور اپنی ذاتی حفاظت وخجالت کے جذبات کو بالائے طاق رکھ کر زبردست اخلاقی جرأت کے ساتھ اپنی فوج کو برطرف کر دیا اور صرف دونوں بھائیوں اور چند مصاحبوں کو ہمراہ لے کر جن کی مجموعی تعداد پچیس سے زیادہ نہ تھی بریلی میں داخل ہو گئے اور اپنی پھوپی کے مکان پر جن کا حافظ الملک بہت پاس خاطر کرتے تھے قیام کیا۔ خاتون موصوفہ نے بہت کچھ تسلی وتشفی کی اور حافظ الملک کے پاس جا کر ان کی عفو تقصیرات کی سفارش کی۔ ساتھ ہی عنایت خاں کی زبانی شجاع الدولہ کے ارادۂ بد سے جو اطلاع ملی تھی اس سے بھی حافظ الملک کو باخبر کیا اس پر ارشاد ہوا کہ :۔

"تمہارا مکان دراصل میرا ہی مکان ہے، عنایت خاں کو فی الحال وہیں رہنے دو، دو چار روز میں طلب کر کے، شرف حضوری بخشا جائے گا"۔

اسی اثنا میں انور خاں برادر عبد الستار خاں نے جو عنایت خاں کی جنگ میں زخمی ہو گیا تھا انتقال کیا، چنانچہ موافق حکم حافظ الملک، عنایت خاں آنولہ گئے اور عبد الستار خاں سے مراسم تعزیت ادا کئے۔ آنولہ ہی کے قیام میں عنایت خاں کو درد مثانہ کی شکایت پیدا ہوئی دو تین روز کے بعد تکلیف بڑھنے لگی تو واپس آئے لیکن بیماری کا غلبہ کسی طرح کم نہ ہوا۔ شدت تکلیف سے بخار کا بھی اضافہ ہو گیا اور یہی مرض ایک قلیل عرصہ کے بعد عنایت خاں کے انتقال کا باعث ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس وقت حافظ الملک اسد پور نواح بسولی میں مرہٹوں کے خلاف مدافعانہ جنگ میں مصروف تھے، جس کی تفصیل آئندہ باب میں درج ہے۔

---

(۳۰)

شجاع الدولہ کی خاطر مرہٹوں سے حافظ الملک کی آخری تباہ کن جنگ

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مئی ۱۷۷۱ء میں شاہ عالم بادشاہ انگریزوں کی رفاقت ترک کرکے الہ آباد سے دہلی مرہٹوں کی پناہ میں چلے آئے تھے بگران کو امید تھی کہ کوڑا اور الہ آباد پر ان کا قبضہ بدستور قائم رہے گا، اور یہ کہ انگریز بنگال و بہار کا موعودہ چھبیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج بھی ادا کرتے رہیں گے لیکن یہ توقعات پوری نہ ہوئیں۔ گورنر بنگال مسٹر ہیسٹنگز نے اپنے عہدہ پر فائز ہوتے ہی بادشاہ کو نہ صرف خراج دینا بند کردیا بلکہ اضلاع کوڑا و الہ آباد بھی ایک بڑی رقم وصول کرکے شجاع الدولہ کو دینے کا ارادہ کرلیا۔[1] چونکہ ہیسٹنگز کا یہ اقدام اس معاہدہ کے صریحاً خلاف تھا جو لارڈ کلائیو نے ۱۷۶۵ء میں شاہ عالم سے کیا تھا اس لئے بادشاہ

---

[1] وسط ستمبر ۱۷۷۳ء کو جب ہیسٹنگز بنارس میں نواب شجاع الدولہ سے کوڑا و الہ آباد کے اضلاع کا خفیہ معاہدہ کرکے لوٹا تو کلکتہ میں کمپنی کی مجلس انتظامیہ کے بارہ اراکین میں سے صرف سر رابرٹ بارکر نے معاہدہ پر نکتہ چینی کی جب اس نے یہ دلیل پیش کی کہ شہنشاہ نے ۱۷۶۵ء میں جو اختیارات کمپنی کو عطا کئے تھے وہ کسی دوسرے کو بھی دے سکتا تھا تو ہیسٹنگز نے کہا کہ کمپنی کی حکومت مغل شہنشاہ کی کسی سند پر قائم نہیں۔ تلوار کے زور سے بنگال فتح کیا گیا اور تلوار ہی اسکی حفاظت کرے گی۔"

صفحہ ۵۴ رولز آف انڈیا

مصنفہ کپتان ایل۔ جے۔ ٹراٹر

نے ان ارادوں سے مطلع ہو کر بحیثیت شہنشاہ ہند کوڑا اور الہ آباد کا علاقہ اپنی طرف سے مرہٹوں کو عطا کر دیا۔ اب یہ مرہٹوں کا کام تھا کہ وہ ان مقامات کو جنگ کر کے اپنے لئے حاصل کر لیں چنانچہ مرہٹوں نے تسخیر کوڑا اور الہ آباد کے لئے اودھ پر حملہ کی تیاری شروع کی۔

شجاع الدولہ کے خلاف حافظ الملک سے مرہٹوں کی درخواست امداد

چونکہ دہلی سے اودھ پہنچنے کے لئے سیدھا اور آسان راستہ ضابطہ خاں کے علاقہ اور روہیل کھنڈ میں سے ہو کر تھا اس لئے مرہٹوں نے پہلے روہیلہ سرداروں کی طرف توجہ کی اور بغیر کسی خاص دقّت کے سب سے اول ضابطہ خاں سے اپنا رشتہ اتحاد مستحکم کرنے میں کامیاب ہو گئے، ضابطہ خاں کی جانب سے اطمینان ہو جانے کے بعد مہادجی سندھیا اور ٹنکوجی ہلکر سرداران مرہٹہ نے اپنے وکلاء یا بعض روایات کے مطابق صرف ضابطہ خاں کو حافظ الملک کے پاس روانہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ شجاع الدولہ کا ملک فتح کرنے کے ارادے سے ہم لوگ آتے ہیں۔ اگر آپ ہماری مدد کر کے ہمارے شریک ہوں گے تو جتنا ملک فتح ہوگا اس کا نصف آپ کے حصہ میں دیا جائے گا اور اگر آپ یہ شرکت منظور نہ کریں تو کم از کم ہم کو اپنے ملک سے گذر جانے دیجئے اور دریائے گنگ کو عبور کرنے میں مزاحمت نہ کیجئے اس صورت میں آپ کے ملک کی پامالی کا معاوضہ آپ کو دیا جائے گا۔ نیز شجاع الدولہ کا وہ تمسک جس میں سے ابھی کچھ وصول نہیں ہوا ہے وہ بھی آپ کے حوالے کر دیں گے اور ہم اس دعوے سے باز رہیں گے۔[1]

شجاع الدولہ کی طرف سے واپسی تمسک کے وعدہ پر مرہٹوں کو مدد دینے سے انکار

اس پیام کے موصول ہونے پر حافظ الملک نے کچھ مہلت طلب کی اور ایام مہلت میں مرہٹوں کے پیش کردہ شرائط سے شجاع الدولہ کو مطلع کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

---

[1] گل رحمت

"اگر آپ ہمارا چالیس لاکھ روپیہ کا مہری تمسک ہم کو واپس کر دیں اور جلد اپنے آپ کو مرہٹوں کے مقابلہ میں لے آویں تو ہم مرہٹوں کو دریائے گنگ عبور کرنے سے روکنا شروع کر دیں اور آپ کے شریک ہو کر مرہٹوں سے جنگ کر کے ان کو اس ملک سے نکال باہر کر دیں[1]۔"

شجاع الدولہ کو اس اطلاع سے انتہا درجہ کی وحشت ہوئی اور انہوں نے فوراً حافظ الملک کو جواب دیا:۔

"مجھے مرہٹوں کے ساتھ آپ کی عدم مشارکت کا حال معلوم ہو کر پورا اطمینان ہو گیا اور میں آپ کی رائے کے موافق میدان جنگ میں پہنچا ہوں۔ آپ مرہٹوں کے مقابلہ میں پہنچنے میں توقف نہ کریں۔ نوشتۂ مہری کے متعلق سید شاہ مدن سے زبانی عرض کر دیا ہے، جو کچھ سید موصوف بیان کریں اس پر یقین فرمائیے میں اس سے سر مو انحراف نہ کروں گا[2]۔"

سید شاہ مدن شجاع الدولہ کا مذکورۂ بالا خط لے کر بہ تعجیل تمام بریلی تشریف لائے اور حافظ الملک کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا:۔

"آپ کے تمسک کی واپسی کے متعلق شجاع الدولہ نے وعدہ کیا ہے کہ مرہٹوں سے قضیہ فیصل ہونے کے بعد اور ملاقات باہمی کے بعد جو عنقریب ہونے والی ہے وہ تحریری تمسک واپس کر دیا جائے گا آپ کسی قسم کا اندیشہ خاطر مبارک میں نہ لائیے کیونکہ دونوں فریق کے مابین کوئی مغائرت نہیں ہے[3]۔"

سید شاہ مدن چونکہ شجاع الدولہ کے ایک معتمد وکیل اور شاہ آباد کے مستند سیدوں میں سے تھے اس لئے حافظ الملک نے جو سادات کا احترام کرتے تھے ان کے بیان پر پورا پورا اعتبار

---

[1] گل رحمت [2] گل رحمت [3] گل رحمت

نواب شجاالدوله

گیا اور مرہٹوں کے ساتھ عدم مشارکت اور شجاع الدولہ کے ساتھ موافقت کا عہد وثوق کرکے ان کو رخصت کر دیا۔

شجاع الدولہ کو انگریزوں کی امداد سید شاہ مدن کو حافظ الملک کے پاس روانہ کرنے کے بعد شجاع الدولہ نے اپنے حلیف انگریزوں سے بھی امداد طلب کی اور مسٹر ہیسٹنگز گورنر جنرل کو لکھا کہ:۔

"میرا دماغ متفکر اور بے چین ہے کیونکہ اگر مرہٹے کامیاب ہو گئے اور انھوں نے بادشاہ سے کوئی اور شرط کر لی تو غور کرنا چاہئے کہ میں اور میرے دوست یعنی آپ کس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کو تکلیف و پریشانی کا موقع ہے میرے دوست مجھے امید ہے کہ اب تم اس جانب سے بے خبر نہ رہو گے اور مناسب تدبیر عمل میں لاؤ گے۔ حالات اب بالکل مختلف شکل اختیار کئے ہوئے ہیں اور ہمیں اس امر کا بہت دوراندیشی اور غور کے ساتھ خیال کرنا چاہئے کہ دشمنوں نے بادشاہ پر پورا قبضہ حاصل کر لیا ہے اس لئے ان کا اس جانب متوجہ ہونا امر یقینی ہے۔ میرا ملک دراصل بنگال کا دروازہ ہے اور میں ایک سدِّ راہ کا سا کام کرتا ہوں لہٰذا تمہارے لئے اشد ضروری ہے کہ تم ہوشیار اور خبردار رہو جنرل بارکر کا یہاں روانہ کرنا نہایت درجہ مناسب اور ضروری ہے"[1]

مسٹر ہیسٹنگز نے شجاع الدولہ کی تحریر سے حرف بحرف اتفاق کیا۔ اپنے مقبوضات پر پیش آنے والے خطرات کا بھی اعتراف کیا لیکن پھر بھی اپنی ہمدردی کی قیمت وصول کئے بغیر امداد دینے سے صاف انکار کر دیا اور پہلے ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیہ ماہوار مصارف فوج کی شرط جب منظور کرالی تو اس کے بعد سر رابرٹ بارکر کی سرکردگی میں انگریزی فوج شجاع الدولہ کے ساتھ شریک جنگ ہونے کے لئے روانہ کی۔ مارچ ۱۷۷۳ء میں شجاع الدولہ اور انگریزوں کی فوج

---

[1] خطوط شجاع الدولہ رپورٹ پنجم۔ انڈیا آفس لائبریری۔

پہلی مرتبہ روہیل کھنڈ میں داخل ہو کر رام گھاٹ کی طرف روانہ ہوئی۔

شجاع الدولہ کی حمایت میں حافظ الملک کی روانگی میدان جنگ کو

ادھر حافظ الملک نے احمد خاں خلف بخشی سردار خاں کو حکم دیا کہ ایک دن میں آنولہ سے چل کر رام گھاٹ کے پل کی حفاظت شروع کرے اور چند روز کے بعد خود بھی مرہٹوں کے قریب آجانے کی خبر سن کر بریلی سے کوچ کر کے بسولی میں داخل ہوئے۔ بسولی میں دو ایک دن قیام کر کے اسد پور کی طرف روانہ ہوئے جہاں احمد خاں کا کیمپ تھا۔ ابھی تین کوس کا فاصلہ باقی تھا کہ اس عرصہ میں مرہٹوں نے دریائے گنگ عبور کر کے حافظ الملک کے لشکر پر حملہ کر دیا لیکن رات کی تاریکی میں راستہ بھول گئے اور اتفاقاً احمد خاں کے لشکر پر جا گرے۔ احمد خاں کے ہمراہی جو نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ مورچہ سنبھالے ہوئے تھے اسد پور کی عمارتوں اور باغوں میں پناہ لے کر مدافعانہ جنگ کرنے لگے۔ نماز صبح سے ظہر تک معرکہ کارزار گرم رہا اور مرہٹہ فوج اپنی کثرت کے باوجود افغانوں کی قلیل جماعت کو شکست نہ دے سکی، ممکن تھا کہ پٹھانوں کی اس جانبازی کا کوئی مفید نتیجہ مترتب ہو جاتا لیکن سوئے اتفاق سے احمد خاں سردار فوج کی گرفتاری سے معاملہ دگرگوں ہو گیا اور فتح شکست سے مبدل ہو گئی۔ حافظ الملک کو مرہٹوں کے دریا عبور کرنے اور احمد خاں کے گرفتار ہونے کی خبر ملی تو فی الفور اپنی سپاہ کو آراستہ ہونے کا حکم دیا لیکن عین کوچ کے وقت صندل خاں شحنہ بریلی کا بھیجا ہوا ایک سوار لشکر میں وارد ہو کر انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی کے ساتھ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا خاص حافظ الملک کے ڈیرے پر پہنچا اور اجازت حاصل کر کے اندر داخل ہوا۔ اس وقت تمام اہل لشکر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ سوار کیا خبر لایا ہے سکتہ کے عالم میں چشم براہ اور گوش بر آواز تھے کہ چند ہی لمحہ بعد بجلی کی سی سرعت کے ساتھ یہ خبر کلفت اثر زبان زد خاص و عام ہو گئی کہ "عنایت خاں کا انتقال ہو گیا!" عنایت خاں جیسے نامور سردار قوم اور حافظ الملک کے سب سے زیادہ ہونہار فرزند کی حسرتناک جوانمرگی

کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، ہر طرف ایک شور قیامت برپا ہو گیا اور اس سانحہ کی بنا پر اس روز مرہٹوں کے مقابلہ میں فوج کی روانگی ملتوی ہو گئی اور سب لوگ اپنے اپنے ہتھیار کھول کر عنایت خاں کی غائبانہ نماز جنازہ اور حافظ الملک کی خدمت میں حاضر ہو کر رسم تعزیت ادا کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ اس حادثہ ملامت افزا اور واقعہ کدورت انتما سے حافظ الملک کی خاطر اقدس بھی قرین ہزاراں ہزار اندوہ و غم ہو گئی۔ بے اختیار قطرات اشک چشم ہمایوں سے جاری ہو گئے اور باوجود ثبات صبر و تحمل اور شکوہ و وقار، قلق و اضطراب اور سوگواری کی علامت جو اس سے قبل کسی سانحہ دلخراش کے موقع پر نہیں دیکھی گئی تھی ظاہر ہوئی۔[1]

جب زیادہ ضبط نہ ہو سکا تو اپنی حالت دوسروں سے چھپانے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر تنہا لشکر سے باہر اسد پور کی جانب چلے گئے وہاں ایک بلند ٹیلے پر جہاں سے مرہٹوں کی فوج دو کوس پر تھی قیام کیا اور نماز عصر و مغرب اسی جگہ ادا کی بعد مغرب اپنے لشکر کو واپس تشریف لائے۔[2]

معرکہ جنگ اب صبح کو بہر حال دشمن کے مقابلہ میں کوچ کرنا تھا اس وقت حافظ الملک کے ہمراہ چار پانچ ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت تھی رات کے وقت محب اللہ خاں مستقیم خاں اور دوسرے رسالدار جو اس وقت تک نواب عنایت خاں کی حالت غیر ہونے کے باعث بریلی سے جلد روانہ نہ ہو سکے تھے اپنے اپنے رسالوں کے ساتھ آ گئے اور اس طرح دس بارہ ہزار سپاہ جمع ہو گئی، دوسرے روز جب حافظ الملک کو شجاع الدولہ اور انگریزی فوج کے قریب آجانے کی بھی اطلاع ہرکاروں کے ذریعہ مل گئی تو انہوں نے افواج مرہٹہ پر حملہ کر دیا دونوں

---

[1] حافظ الملک نے نواب عنایت خاں کی خطائیں ان کی زندگی ہی میں معاف کر دی تھیں۔

[2] اخبار الصنادید۔

لشکروں کا مقابلہ ہوا ہی تھا کہ سر رابرٹ بارکر اور محبوب علی خواجہ سرا ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آپہنچے۔

مرہٹے صرف حافظ الملک کی فوج پر حملہ آور ہوئے اور لڑائی میں انتہا درجہ کی بہادری اور جرأت کا اظہار کیا لیکن آخر میں انگریزی فوج کی موجودگی کے باعث اور روہیلوں کی تلوار کی ضربات سے ان کے پاؤں میدان سے اکھڑ گئے اور مقابلہ میں ٹھہرنے کی تاب نہ لاکر انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ تکوجی ہلکر کو روہیلوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ دریا کو عبور کر سکے اس وجہ سے وہ سنبھل کی طرف بھاگا۔ حافظ الملک نے ہلکر کے تعاقب میں کچھ مسافت طے کی لیکن چونکہ اس کی سپاہ تیز گھوڑوں پر سوار تھی اور حافظ الملک کی فوج کا زیادہ حصہ پیدل تھا اس لئے دوبارہ مقابلہ نہ ہوسکا اور ہلکر راتوں رات مسافت بعید طے کرکے بہت دور نکل گیا۔ سنبھل پہنچکر اس کو تاخت و تاراج کیا اور اپنی فوج کو رام پور لوٹنے کے لئے بھی روانہ کیا۔ نواب فیض اللہ خاں یہ خبر سُن کر اپنے عیال و اطفال کو لے کر دامن کوہ کی طرف چلے گئے۔ حافظ الملک نے جب رام پور پر حملے کا حال سنا تو مستقیم خاں اور ملا سید خاں کو فوج دے کر ان کے تعاقب کا حکم دیا اور آپ سنبھل کی طرف تکو کے تعاقب میں گئے۔ مرہٹوں نے روہیلوں کی فوج کی روانگی کا حال سُن کر رام پور کی لوٹ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ صرف مراد آباد کو تباہ کرکے پھپھوند کے قریب گنگا عبور کرکے مہاد جی سندھیا سے مل گئے۔ حافظ الملک سنبھل کا ارادہ فسخ کرکے پھپوند کی طرف ہلکر کے پیچھے گئے اور دریائے گنگ کے کنارے ٹھہر گئے اور وہاں سے چند مقاموں کے بعد شجاع الدولہ کے پاس آگئے جو اب سندھیا کے مقابلہ میں انگریزی لشکر کی معیت میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں آکر حافظ الملک نے شجاع الدولہ کی معرفت احمد خاں کی رہائی کے متعلق سرداران مرہٹہ سے گفت و شنید شروع کی۔ مہاد جی سندھیا بمشکل صلح کرنے اور دو لاکھ روپیہ کے معاوضہ میں احمد خاں کو رہا کرنے پر راضی ہو گیا۔ حافظ الملک نے یہ رقم اپنی جیب خاص سے ادا کی[1] جس کے بعد مرہٹے از خود بعض خانگی وجوہ

---

[1] تاریخ اخبار حسن

سے دہلی کی طرف واپس ہو گئے۔

حافظ الملک پر مرہٹوں سے سازباز کا الزام اور اس کی تردید

مذکورۂ بالا جنگ کے حالات لکھتے ہوئے مولوی نجم الغنی خاں مسٹر ہملٹن اور سر جان اسٹیپرکی نے اپنی کتابوں میں شجاع الدولہ اور سر رابرٹ بارکر کی بعض اس قسم کی تحریریں نقل کی ہیں جن میں حافظ الملک کی مرہٹوں سے سازباز، جنگ میں تساہل اور ان کی مفروضہ مکاری و دغابازی کو بیان کیا ہے[1]۔ لیکن تاریخ اخبار حسن، نقش سلیمانی، گل رحمت اور گلستان رحمت وغیرہ بکثرت مستند کتابیں ان الزامات سے قطعی پاک ہیں۔ ان میں نہایت شرح و بسط اور تفصیل کے ساتھ حافظ الملک کی قول پروری، وفا شعاری اور بہادری کے واقعات درج ہیں، جن کو صحیح نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

۱۷۷۳ء کی اس جنگ میں انگریزوں اور شجاع الدولہ کے مبالغہ آمیز کارناموں کی تردید میں مشہور انگریز مورخ مسٹر مل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:۔

> درانحالیکہ انگریزوں اور وزیر کی متحدہ فوجیں روہیل کھنڈ میں داخل ہوئیں اور انہوں نے دریا کے کنارے مرہٹوں کی اس فوج کے قریب اپنا کیمپ ڈالا جو صوبجات اودھ و کوڑا پر حملہ آور ہونے والی تھی لیکن اس کے باوجود مرہٹوں نے دریائے گنگ کو عبور کر لیا اور روہیل کھنڈ کے بڑے حصے کو تاخت و تاراج کیا۔ اضلاع سنبھل و مراد آباد برباد کئے اور آخر مارچ تک ملک کو لوٹتے رہے اور مئی ۱۷۷۳ء میں خود بخود اپنے خانگی معاملات کے

---

[1] حافظ الملک پر یہ الزام عائد کرنے کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس جنگ میں ضابطہ خاں نے جو غلطی سے ان کے شریک کار سمجھے جاتے تھے مرہٹوں سے سازباز کر لیا تھا۔ فیض اللہ خاں بھی اپنے بہنوئی کی مروت سے شریک نہ ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے سرداران روہیل کھنڈ بھی عنایت خاں کے عالم نزع کے باعث میدان جنگ میں بریلی سے جلد روانہ نہ ہو سکے تھے۔

باعث اپنے ملک کو واپس ہو گئے ...... "

"روہیلوں پر یہ بھی الزام ہے کہ انہوں نے مرہٹوں کو امداد دی، لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے انہوں نے مرہٹوں سے تھوڑی سی دنیا سازی ضرور برتی[1] جو بالکل قدرتی بات تھی لیکن تمام قوم کی طاقت مرہٹوں کو دریا کے اس پار ہٹانے میں پوری تندہی کے ساتھ صرف ہوتی۔"

---

[1] اس امر کی طرف اشارہ ہے جو حافظ الملک نے شجاع الدولہ سے واپسی تمسک کا وعدہ لینے سے قبل مرہٹوں کو کچھ عرصہ لیت ولعل میں رکھا تھا۔

(۳۱)

شجاع الدولہ کی احسان فراموشی اور روہیل کھنڈ فتح کرنے کے منصوبے

اپنی اور انگریزی فوج کی محض موجودگی کی دھونس دیکر اور روہیلوں اور مرہٹوں کو آپس میں لڑوا کر جب شجاع الدولہ کو اودھ پر مرہٹوں کے حملہ کا خطرہ جاتا رہا تو اب انھوں نے بکمال احسان فراموشی خود روہیلوں کی تخریب پر کمر باندھی اور روہیل کھنڈ پر قبضہ کرنے کے منصوبے گانٹھنا شروع کئے، چنانچہ ۱۶ مارچ ۱۷۷۳ء کو سر رابرٹ بارکر نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ایک پرائیویٹ خط میں مسٹر ہیسٹنگز کو لکھا تھا کہ:۔

"روہیلوں کی دغابازی سے ناراض ہو کر وزیر نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کو روہیل کھنڈ سے خارج کر دیا جائے اور اس ملک کو اپنے مقبوضات میں شامل کرلیں وزیر نے میرے ذریعہ آپ کو یہ اطلاع بھی دینی چاہی ہے کہ اگر انگریز اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں اس کو مدد دیں گے تو وہ کمپنی کو پچاس لاکھ روپیہ دے گا۔"[1]

اسی خط کی بنا پر ۳ اپریل کو ہیسٹنگز نے ولایت میں سر جان کول برک کو لکھا کہ:۔

وزیر نے روہیلوں کے ملک پر جو اس کے قریب واقع ہے اپنے دانت جمائے ہیں اور اس کو یہ ملک فتح کر دینے کے صلے میں ہمیں زبردست نذرانے دئے جائیں گے!"[2]

---

[1] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔ [2] گلیگ۔ وارن ہسٹنگز۔ جلد اول۔

ان ہی خیالات کو دل میں لے کر جنگ مرہٹہ سے فارغ ہو کر شجاع الدولہ اور سر رابرٹ بارکر بظاہر آرام و تفریح کی غرض سے کچھ عرصہ رام گھاٹ میں مقیم رہے لیکن بہ باطن مقصد یہ تھا کہ روہیل کھنڈ میں کچھ عرصہ قیام کر کے حافظ الملک کی سپاہ کے سرداروں، رسالداروں اور سپاہیوں کو توڑنے اور اپنے سے ملانے کی کوشش کریں۔ گل رحمت میں مرقوم ہے کہ

"جو کوئی ان کی ملازمت اختیار کر لیتا اس پر طرح طرح کی عنایات مبذول کی جاتیں چنانچہ احمد خاں خلف بخشی سردار خاں کو خطاب نوابی، خلعت، پالکی اور اسپ و شمشیر عطا[1] کی اور محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں پسران دوندے خاں مرحوم کے ساتھ انواع و اقسام کی رعایتیں اور نوازشات عمل میں لائی گئیں۔ اکثروں سے خوش آئند وعدے کر کے انعامات کا متوقع بنایا اور اس کے بعد اپنے ملک کو واپس روانہ ہو گئے"۔

روانگی کے وقت انگریزی فوج کے ایک کرنل مسٹر چمپین نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی فوج کو روہیل کھنڈ کی سیر کراتا ہوا اودھ کو واپس لے جائے۔ حافظ الملک نے اس امر کی اجازت مرحمت کر دی اور ان حکام ضلع کے نام جن کی طرف سے انگریزی فوج گزرنا چاہتی تھی اس مضمون کے پروانے لکھ دیئے کہ مزاحمت نہ کریں اور رسد بہم پہنچائیں۔ چنانچہ انگریزی فوج آنولہ، بریلی اور شاہجہان پور کی راہ ہوتی ہوئی مشرق کو چلی گئی۔ واضح ہو کہ آئندہ براہ شاہجہانپور ہی انگریزوں اور شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا۔

شجاع الدولہ کی وعدہ خلافی تمسک کی واپسی سے انکار

جب شجاع الدولہ اودھ پہنچ گئے اور حافظ الملک کو اس امر کی اطلاع مل گئی تو انہوں نے خان محمد خاں اور عبید اللہ خاں کشمیری کو اپنا سفیر بنا کر شجاع الدولہ کے پاس روانہ کیا تاکہ مرہٹوں کو شکست ہو جانے کے بعد حسب

---

[1] یہ وہی احمد خاں ہے جس کو حافظ الملک نے دو لاکھ روپے اپنے پاس سے دیکر مرہٹوں کی قید سے رہا کرایا تھا۔

گیا اور مرہٹوں کے ساتھ عدم مشارکت اور شجاع الدولہ کے ساتھ موافقت کا عہد و اثق کر کے ان کو رخصت کردیا۔

شجاع الدولہ کو انگریزوں کی امداد سید شاہ مدن کو حافظ الملک کے پاس روانہ کرنے کے بعد شجاع الدولہ نے اپنے حلیف انگریزوں سے بھی امداد طلب کی اور مسٹر ہیسٹنگز گورنر جنرل کو لکھا کہ :-

"میرا دماغ متفکر اور بے چین ہے کیونکہ اگر مرہٹے کامیاب ہو گئے اور انہوں نے بادشاہ سے کوئی اور شرط کرلی تو غور کرنا چاہئے کہ میں اور میرے دوست یعنی آپ کس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کو تکلیف و پریشانی کا موقع ہے میرے دوست مجھے امید ہے کہ اب تم اس جانب سے بے خبر نہ رہو گے اور مناسب تدبیر عمل میں لاؤ گے۔ حالات اب بالکل مختلف شکل اختیار کئے ہوئے ہیں اور تمہیں اس امر کا بہت دوراندیشی اور غور کے ساتھ خیال کرنا چاہئے کہ دشمنوں نے بادشاہ پر پورا قبضہ حاصل کرلیا ہے اس لئے ان کا اس جانب متوجہ ہونا امر یقینی ہے۔ میرا ملک دراصل بنگال کا دروازہ ہے اور میں ایک سدِ راہ کا سا کام کرتا ہوں لہٰذا تمہارے لئے اشد ضروری ہے کہ تم ہوشیار اور خبردار رہو جنرل بارکر کا یہاں روانہ کرنا نہایت درجہ مناسب اور ضروری ہے"[1]

مسٹر ہیسٹنگز نے شجاع الدولہ کی تحریر سے حرف بحرف اتفاق کیا۔ اپنے مقبوضات پر پیش آنے والے خطرات کا بھی اعتراف کیا لیکن پھر بھی اپنی ہمدردی کی قیمت وصول کئے بغیر امداد دینے سے صاف انکار کردیا اور پہلے ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیہ ماہوار مصارف فوج کی شرط جب منظور کرالی تو اس کے بعد سر رابرٹ بارکر کی سرکردگی میں انگریزی فوج شجاع الدولہ کے ساتھ شریک جنگ ہونے کے لئے روانہ کی۔ مارچ ۱۷۷۳ء میں شجاع الدولہ اور انگریزوں کی فوج

---

[1] خطوط شجاع الدولہ رپورٹ پنجم۔ انڈیا آفس لائبریری۔

پہلی مرتبہ روہیل کھنڈ میں داخل ہو کر رام گھاٹ کی طرف روانہ ہوئی۔

شجاع الدولہ کی حمایت میں حافظ الملک کی روانگی میدان جنگ کو

اودھر حافظ الملک نے احمد خاں خلف بخشی سردار خاں کو حکم دیا کہ ایک دن میں آنولہ سے چل کر رام گھاٹ کے پل کی حفاظت شروع کرے اور چند روز کے بعد خود بھی مرہٹوں کے قریب آجانے کی خبر سن کر بریلی سے کوچ کر کے بسولی میں داخل ہوئے۔ بسولی میں دو ایک دن قیام کر کے اسد پور کی طرف روانہ ہوئے جہاں احمد خاں کا کیمپ تھا۔ ابھی تین کوس کا فاصلہ باقی تھا کہ اس عرصہ میں مرہٹوں نے دریائے گنگ عبور کر کے حافظ الملک کے لشکر پر حملہ کر دیا لیکن رات کی تاریکی میں راستہ بھول گئے اور اتفاقاً احمد خاں کے لشکر پر جا گرے۔ احمد خاں کے ہمراہی جو نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ مورچہ سنبھالے ہوئے تھے اسد پور کی عمارتوں اور باغوں میں پناہ لے کر مدافعانہ جنگ کرنے لگے۔ نماز صبح سے ظہر تک معرکۂ کارزار گرم رہا اور مرہٹہ فوج اپنی کثرت کے باوجود افغانوں کی قلیل جماعت کو شکست نہ دے سکی، ممکن تھا کہ پٹھانوں کی اس جانبازی کا کوئی مفید نتیجہ مترتب ہو جاتا لیکن سوئے اتفاق سے احمد خاں سردار فوج کی گرفتاری سے معاملہ دگرگوں ہو گیا اور فتح شکست سے مبدل ہو گئی۔ حافظ الملک کو مرہٹوں کے دریا عبور کرنے اور احمد خاں کے گرفتار ہونے کی خبر ملی تو فی الفور اپنی سپاہ کو آراستہ ہونے کا حکم دیا لیکن عین کوچ کے وقت صندل خاں شحنۂ بریلی کا بھیجا ہوا ایک سوار لشکر میں وارد ہو کر انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی کے ساتھ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا خاص حافظ الملک کے ڈیرے پر پہنچا اور اجازت حاصل کر کے اندر داخل ہوا۔ اس وقت تمام اہل لشکر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ سوار کیا خبر لایا ہے سکتہ کے عالم میں چشم براہ اور گوش بر آواز تھے کہ چند ہی لمحہ بعد بجلی کی سی سرعت کے ساتھ یہ خبر کلفت اثر زبان زد خاص و عام ہو گئی کہ "عنایت خاں کا انتقال ہو گیا!" عنایت خاں جیسے نامور سردار قوم اور حافظ الملک کے سب سے زیادہ ہونہار فرزند کی حسرتناک جوانمرگی

کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، ہر طرف ایک شور قیامت برپا ہوگیا اور اس سانحہ کی بنا پر اس روز مرہٹوں کے مقابلہ میں فوج کی روانگی ملتوی ہو گئی اور سب لوگ اپنے اپنے ہتھیار کھول کر عنایت خاں کی غائبانہ نماز جنازہ اور حافظ الملک کی خدمت میں حاضر ہو کر رسم تعزیت ادا کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ اس حادثہ ملامت افزا اور واقعہ کدورت انتما سے حافظ الملک کی خاطر اقدس بھی قرین ہزاراں ہزار اندوہ و غم ہو گئی۔ بے اختیار قطرات اشک چشم ہمایوں سے جاری ہو گئے اور باوجود ثبات صبر و تحمل اور شکوہ و وقار، قلق و اضطراب اور سوگواری کی علامت جو اس سے قبل کسی سانحہ دلخراش کے موقع پر نہیں دیکھی گئی تھی ظاہر ہوئی۔[1]

جب زیادہ ضبط نہ ہو سکا تو اپنی حالت دوسروں سے چھپانے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر تنہا لشکر سے باہر اسد پور کی جانب چلے گئے وہاں ایک بلند ٹیلے پر جہاں سے مرہٹوں کی فوج دو کوس پر تھی قیام کیا اور نماز عصر و مغرب اسی جگہ ادا کی بعد مغرب اپنے لشکر کو واپس تشریف لائے۔[2]

معرکۂ جنگ اب صبح کو بہر حال دشمن کے مقابلہ میں کوچ کرنا تھا اس وقت حافظ الملک کے ہمراہ چار پانچ ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت تھی رات کے وقت محب اللہ خاں، مستقیم خاں اور دوسرے رسالدار جو اس وقت تک نواب عنایت خاں کی حالت غیر ہونے کے باعث بریلی سے جلد روانہ نہ ہو سکے تھے اپنے اپنے رسالوں کے ساتھ آ گئے اور اس طرح دس بارہ ہزار سپاہ جمع ہو گئی، دوسرے روز جب حافظ الملک کو شجاع الدولہ اور انگریزی فوج کے قریب آجانے کی بھی اطلاع ہرکاروں کے ذریعہ مل گئی تو انہوں نے افواج مرہٹہ پر حملہ کر دیا دونوں

---

[1] حافظ الملک نے نواب عنایت خاں کی خطائیں ان کی زندگی ہی میں معاف کر دی تھیں۔

[2] اخبار الصنادید۔

لشکروں کا مقابلہ ہوا ہی تھا کہ سر رابرٹ بارکر اور محبوب علی خواجہ سرا ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آپہنچے۔

مرہٹے صرف حافظ الملک کی فوج پر حملہ آور ہوئے اور لڑائی میں انتہا درجہ کی بہادری اور جرأت کا اظہار کیا لیکن آخر میں انگریزی فوج کی موجودگی کے باعث اور روہیلوں کی تلوار کی ضربات سے ان کے پاؤں میدان سے اکھڑ گئے اور مقابلہ میں ٹھہرنے کی تاب نہ لا کر انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ تکوجی ہلکر کو روہیلوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ دریا کو عبور کر سکے اس وجہ سے وہ سنبھل کی طرف بھاگا۔ حافظ الملک نے ہلکر کے تعاقب میں کچھ مسافت طے کی لیکن چونکہ اس کی سپاہ تیز گھوڑوں پر سوار تھی اور حافظ الملک کی فوج کا زیادہ حصّہ پیدل تھا اس لئے دوبارہ مقابلہ نہ ہو سکا اور ہلکر راتوں رات مسافت بعید طے کر کے بہت دور نکل گیا۔ سنبھل پہنچکر اس کو تاخت و تاراج کیا اور اپنی فوج کو رام پور لوٹنے کے لئے بھی روانہ کیا۔ نواب فیض اللہ خاں یہ خبر سُن کر اپنے عیال و اطفال کو لے کر دامن کوہ کی طرف چلے گئے۔ حافظ الملک نے جب رام پور پر حملے کا حال سنا تو مستقیم خاں اور ملا سید خاں کو فوج دے کر ان کے تعاقب کا حکم دیا اور آپ سنبھل کی طرف ٹکو کے تعاقب میں گئے۔ مرہٹوں نے روہیلوں کی فوج کی روانگی کا حال سُن کر رام پور کی لوٹ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ صرف مرادآباد کو تباہ کر کے پھپھوند کے قریب گنگا عبور کر کے مہاد جی سندھیا سے مل گئے۔ حافظ الملک سنبھل کا ارادہ فسخ کر کے پھپوند کی طرف ہلکر کے پیچھے گئے اور دریائے گنگ کے کنارے ٹھہر گئے اور وہاں سے چند مقاموں کے بعد شجاع الدولہ کے پاس آ گئے جو اب سندھیا کے مقابلہ میں انگریزی لشکر کی معیت میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں آ کر حافظ الملک نے شجاع الدولہ کی معرفت احمد خاں کی رہائی کے متعلق سرداران مرہٹہ سے گفت و شنید شروع کی۔ مہاد جی سندھیا بمشکل صلح کرنے اور دو لاکھ روپیہ کے معاوضہ میں احمد خاں کو رہا کرنے پر راضی ہو گیا۔ حافظ الملک نے یہ رقم اپنی جیب خاص سے ادا کی[1] جس کے بعد مرہٹے از خود بعض خانگی وجوہ

---

[1] تاریخ اخبار حسن

سے دہلی کی طرف واپس ہو گئے۔

حافظ الملک پر مرہٹوں سے سازباز کا الزام اور اس کی تردید

مذکورۂ بالا جنگ کے حالات لکھتے ہوئے مولوی نجم الغنی خاں مسٹر ہملٹن اور سر جان اسٹریچی نے اپنی کتابوں میں شجاع الدولہ اور سر رابرٹ بارکر کی بعض اس قسم کی تحریریں نقل کی ہیں جن میں حافظ الملک کی مرہٹوں سے سازباز، جنگ میں تساہل اور ان کی مفروضہ مکاری و دغابازی کو بیان کیا ہے[1]۔ لیکن تاریخ اخبار حسن، نقش سلیمانی، گل رحمت اور گلستان رحمت وغیرہ بکثرت مستند کتابیں ان الزامات سے قطعی پاک ہیں۔ ان میں نہایت شدومد اور تفصیل کے ساتھ حافظ الملک کی قول پروری، وفاشعاری اور بہادری کے واقعات درج ہیں، جن کو صحیح نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

۱۷۷۳ء کی اس جنگ میں انگریزوں اور شجاع الدولہ کے مبالغہ آمیز کارناموں کی تردید میں مشہور انگریز مورخ مسٹر مل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:-

> درانحالیکہ انگریزوں اور وزیر کی متحدہ فوجیں روہیل کھنڈ میں داخل ہوئیں اور انہوں نے دریا کے کنارے مرہٹوں کی اس فوج کے قریب اپنا کیمپ ڈالا جو صوبجات اودھ و کوڑا پر حملہ آور ہونے والی تھی لیکن اس کے باوجود مرہٹوں نے دریائے گنگ کو عبور کر لیا اور روہیل کھنڈ کے بڑے حصے کو تاخت و تاراج کیا۔ اضلاع سنبھل و مرادآباد برباد کئے اور آخر مارچ تک ملک کو لوٹتے رہے اور مئی ۱۷۷۳ء میں خود بخود اپنے خانگی معاملات کے

---

[1] حافظ الملک پر یہ الزام عائد کرنے کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس جنگ میں ضابطہ خاں نے جو غلطی سے ان کے شریک کار سمجھے جاتے تھے مرہٹوں سے سازباز کر لیا تھا۔ فیض اللہ خاں بھی اپنے بہنوئی کی مروت سے شریک نہ ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے سرداران روہیل کھنڈ بھی عنایت خاں کے عالم نزع کے باعث میدان جنگ میں بریلی سے جلد روانہ نہ ہو سکے تھے۔

باعث اپنے ملک کو واپس ہو گئے......"

"روہیلوں پر یہ بھی الزام ہے کہ انھوں نے مرہٹوں کو امداد دی۔ لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے انھوں نے مرہٹوں سے تھوڑی سی دنیا سازی ضرور برتی[1] جو بالکل قدرتی بات تھی لیکن تمام قوم کی طاقت مرہٹوں کو دریا کے اس پار ہٹانے میں پوری تندہی کے ساتھ صرف ہوئی۔"

---

[1] اس امر کی طرف اشارہ ہے جو حافظ الملک نے شجاع الدولہ سے واپسی تمسک کا وعدہ لینے سے قبل مرہٹوں کو کچھ عرصہ لیت ولعل میں رکھا تھا۔

(۳۱)

شجاع الدولہ کی احسان فراموشی اور روہیل کھنڈ فتح کرنے کے منصوبے

اپنی اور انگریزی فوج کی محض موجودگی کی دھونس دیکر اور روہیلوں اور مرہٹوں کو آپس میں لڑوا کر جب شجاع الدولہ کو ادھر مرہٹوں کے حملہ کا خطرہ جاتا رہا تو اب انہوں نے بکمال احسان فراموشی خود روہیلوں کی تخریب پر کمر باندھی اور روہیل کھنڈ پر قبضہ کرنے کے منصوبے گانٹھنا شروع کئے، چنانچہ ۱۶ مارچ ۱۷۷۳ء کو سر رابرٹ بارکر نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ایک پرائیویٹ خط میں مسٹر ہیسٹنگز کو لکھا تھا کہ:۔

"روہیلوں کی دغا بازی سے ناراض ہو کر وزیر نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کو روہیل کھنڈ سے خارج کر دیا جائے اور اس ملک کو اپنے مقبوضات میں شامل کر لیں وزیر نے میرے ذریعہ آپ کو یہ اطلاع بھی دینی چاہی ہے کہ اگر انگریز اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں اس کو مدد دیں گے تو وہ کمپنی کو پچاس لاکھ روپیہ دے گا۔"[1]

اسی خط کی بنا پر ۳ اپریل کو ہیسٹنگز نے ولایت میں سر جان کول برک کو لکھا کہ:۔

وزیر نے روہیلوں کے ملک پر جو اس کے قریب واقع ہے اپنے دانت جمائے ہیں اور اس کو یہ ملک فتح کر دینے کے صلے میں ہمیں زبردست نذرانے دئے جائیں گے۔[2]

---

[1] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔ [2] کلیگ، وارن ہیسٹنگز، جلد اول۔

ان ہی خیالات کو دل میں لیے کہ جنگ مرہٹہ سے فارغ ہوکر شجاع الدولہ اور سر رابرٹ بارکر بظاہر آرام و تفریح کی غرض سے کچھ عرصہ رام گھاٹ میں مقیم رہے لیکن بہ باطن مقصد یہ تھا کہ روہیل کھنڈ میں کچھ عرصہ قیام کرکے حافظ الملک کی سپاہ کے سرداروں، رسالداروں اور سپاہیوں کو توڑنے اور اپنے سے ملانے کی کوشش کریں۔ گل رحمت میں مرقوم ہے کہ

"جو کوئی ان کی ملازمت اختیار کر لیتا اس پر طرح طرح کی عنایات مبذول کی جاتیں چنانچہ احمد خاں خلف بخشی سردار خاں کو خطاب نوابی، خلعت، پالکی اور اسپ و شمشیر عطا[1] کی اور محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں پسران دوندے خاں مرحوم کے ساتھ انواع و اقسام کی رعایتیں اور نوازشات عمل میں لائی گئیں۔ اکثروں سے خوش آئند وعدے کرکے انعامات کا متوقع بنایا اور اس کے بعد اپنے ملک کو واپس روانہ ہو گئے"

روانگی کے وقت انگریزی فوج کے ایک کرنل مسٹر چمپین نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی فوج کو روہیل کھنڈ کی سیر کراتا ہوا اودھ کو واپس لے جائے۔ حافظ الملک نے اس امر کی اجازت مرحمت کر دی اور ان حکام ضلع کے نام جن کی طرف سے انگریزی فوج گزرنا چاہتی تھی اس مضمون کے پروانے لکھ دیے کہ مزاحمت نہ کریں اور رسد بہم پہنچائیں۔ چنانچہ انگریزی فوج آنولہ، بریلی اور شاہجہان پور کی راہ ہوتی ہوئی مشرق کو چلی گئی۔ واضح ہو کہ آئندہ براہ شاہجہانپور ہی انگریزوں اور شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا۔

شجاع الدولہ کی وعدہ خلافی تمسک کی واپسی سے انکار

جب شجاع الدولہ اودھ پہنچ گئے اور حافظ الملک کو اس امر کی اطلاع مل گئی تو انہوں نے خان محمد خاں اور عبید اللہ خاں کشمیری کو اپنا سفیر بنا کر شجاع الدولہ کے پاس روانہ کیا تاکہ مرہٹوں کو شکست ہو جانے کے بعد جب

---

[1] یہ وہی احمد خاں ہے جس کو حافظ الملک نے دو لاکھ روپے اپنے پاس سے دیکر مرہٹوں کی قید سے رہا کرایا تھا۔

گیا اور مرہٹوں کے ساتھ عدم مشارکت اور شجاع الدولہ کے ساتھ موافقت کا عہد وثوق کر کے ان کو رخصت کر دیا۔

شجاع الدولہ کو انگریزوں کی امداد سید شاہ مدن کو حافظ الملک کے پاس روانہ کرنے کے بعد شجاع الدولہ نے اپنے حلیف انگریزوں سے بھی امداد طلب کی اور مسٹر ہیسٹنگز گورنر جنرل کو لکھا کہ :-

"میرا دماغ متفکر اور بے چین ہے کیونکہ اگر مرہٹے کامیاب ہو گئے اور انہوں نے بادشاہ سے کوئی اور شرط کر لی تو غور کرنا چاہئے کہ میں اور میرے دوست یعنی آپ کس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کو تکلیف و پریشانی کا موقع ہے میرے دوست مجھے امید ہے کہ اب تم اس جانب سے بے خبر نہ رہو گے اور مناسب تدبیر عمل میں لاؤ گے۔ حالات اب بالکل مختلف شکل اختیار کئے ہوئے ہیں اور تمہیں اس امر کا بہت دوراندیشی اور غور کے ساتھ خیال کرنا چاہئے کہ دشمنوں نے بادشاہ پر پورا قبضہ حاصل کر لیا ہے اس لئے ان کا اس جانب متوجہ ہونا امر یقینی ہے۔ میرا ملک دراصل بنگال کا دروازہ ہے اور میں ایک سدِ راہ کا سا کام کرتا ہوں لہٰذا تمہارے لئے اشد ضروری ہے کہ تم ہوشیار اور خبردار رہو جنرل بارکر کا یہاں روانہ کرنا انتہا درجہ مناسب اور ضروری ہے[1]"

مسٹر ہیسٹنگز نے شجاع الدولہ کی تحریر سے حرف بحرف اتفاق کیا۔ اپنے مقبوضات پر پیش آنے والے خطرات کا بھی اعتراف کیا لیکن پھر بھی اپنی ہمدردی کی قیمت وصول کئے بغیر امداد دینے سے صاف انکار کر دیا اور پہلے ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیہ ماہوار مصارف فوج کی شرط جب منظور کرالی تو اس کے بعد سر رابرٹ بارکر کی سرکردگی میں انگریزی فوج شجاع الدولہ کے ساتھ شریک جنگ ہونے کے لئے روانہ کی۔ مارچ ۱۷۷۳ء میں شجاع الدولہ اور انگریزوں کی فوج

---

[1] خطوط شجاع الدولہ رپورٹ پنجم۔ انڈیا آفس لائبریری۔

پہلی مرتبہ روہیل کھنڈ میں داخل ہو کر رام گھاٹ کی طرف روانہ ہوئی۔

شجاع الدولہ کی حمایت میں حافظ الملک کی روانگی میدان جنگ کو

ادھر حافظ الملک نے احمد خاں خلف بخشی سردار خاں کو حکم دیا کہ ایک دن میں آنولہ سے چل کر رام گھاٹ کے پل کی حفاظت شروع کرے اور چند روز کے بعد خود بھی مرہٹوں کے قریب آجانے کی خبر سن کر بریلی سے کوچ کر کے بسولی میں داخل ہوئے۔ بسولی میں دو ایک دن قیام کر کے اسد پور کی طرف روانہ ہوئے جہاں احمد خاں کا کیمپ تھا۔ ابھی تین کوس کا فاصلہ باقی تھا کہ اس عرصہ میں مرہٹوں نے دریائے گنگ عبور کر کے حافظ الملک کے لشکر پر حملہ کر دیا لیکن رات کی تاریکی میں راستہ بھول گئے اور اتفاقاً احمد خاں کے لشکر پر جا گرے۔ احمد خاں کے ہمراہی جو نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ مورچہ سنبھالے ہوئے تھے اسد پور کی عمارتوں اور باغوں میں پناہ لے کر مدافعانہ جنگ کرنے لگے۔ نماز صبح سے ظہر تک معرکۂ کارزار گرم رہا اور مرہٹہ فوج اپنی کثرت کے باوجود افغانوں کی قلیل جماعت کو شکست نہ دے سکی۔ ممکن تھا کہ پٹھانوں کی اس جانبازی کا کوئی مفید نتیجہ مترتب ہو جاتا لیکن سوئے اتفاق سے احمد خاں سردار فوج کی گرفتاری سے معاملہ دگرگوں ہو گیا اور فتح شکست سے مبدّل ہو گئی۔ حافظ الملک کو مرہٹوں کے دریا عبور کرنے اور احمد خاں کے گرفتار ہونے کی خبر ملی تو فی الفور اپنی سپاہ کو آراستہ ہونے کا حکم دیا لیکن عین کوچ کے وقت صندل خاں شحنۂ بریلی کا بھیجا ہوا ایک سوار لشکر میں وارد ہو کر انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی کے ساتھ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا خاص حافظ الملک کے ڈیرے پر پہنچا اور اجازت حاصل کر کے اندر داخل ہوا۔ اس وقت تمام اہل لشکر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ سوار کیا خبر لایا ہے سکتہ کے عالم میں چشم براہ اور گوش برآواز تھے کہ چند ہی لمحہ بعد بجلی کی سی سرعت کے ساتھ یہ خبر کلفت اثر زبان زد خاص و عام ہو گئی کہ "عنایت خاں کا انتقال ہو گیا!" عنایت خاں جیسے نامور سردار قوم اور حافظ الملک کے سب سے زیادہ ہونہار فرزند کی حسرتناک جوانمرگی

کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، ہر طرف ایک شور قیامت برپا ہو گیا اور اس سانحہ کی بناء پر اس روز مرہٹوں کے مقابلہ میں فوج کی روانگی ملتوی ہو گئی اور سب لوگ اپنے اپنے ہتھیار کھول کر عنایت خاں کی غائبانہ نماز جنازہ اور حافظ الملک کی خدمت میں حاضر ہو کر رسم تعزیت ادا کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ اس حادثۂ ملامت افزا اور واقعہ کدورت انتما سے حافظ الملک کی خاطر اقدس بھی قرین ہزاراں ہزار اندوہ و غم ہو گئی۔ بے اختیار قطرات اشک چشم ہمایوں سے جاری ہو گئے اور باوجود ثبات صبر و تحمل اور شکوہ و وقار، قلق و اضطراب اور سوگواری کی علامت جو اس سے قبل کسی سانحہ دلخراش کے موقع پر نہیں دیکھی گئی تھی ظاہر ہوئی۔[1]

جب زیادہ ضبط نہ ہو سکا تو اپنی حالت دوسروں سے چھپانے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر تنہا لشکر سے باہر اسد پور کی جانب چلے گئے وہاں ایک بلند ٹیلے پر جہاں سے مرہٹوں کی فوج دو کوس پر تھی قیام کیا اور نماز عصر و مغرب اسی جگہ ادا کی بعد مغرب اپنے لشکر کو واپس تشریف لائے۔[2]

معرکۂ جنگ اب صبح کو بہرحال دشمن کے مقابلہ میں کوچ کرنا تھا اس وقت حافظ الملک کے ہمراہ چار پانچ ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت تھی رات کے وقت محب اللہ خاں مستقیم خاں اور دوسرے رسالدار جو اس وقت تک نواب عنایت خاں کی حالت غیر ہونے کے باعث بریلی سے جلد روانہ نہ ہو سکے تھے اپنے اپنے رسالوں کے ساتھ آ گئے اور اس طرح دس بارہ ہزار سپاہ جمع ہو گئی، دوسرے روز جب حافظ الملک کو شجاع الدولہ اور انگریزی فوج کے قریب آ جانے کی بھی اطلاع ہرکاروں کے ذریعہ مل گئی تو انہوں نے افواج مرہٹہ پر حملہ کر دیا دونوں

---

[1] حافظ الملک نے نواب عنایت خاں کی خطائیں ان کی زندگی ہی میں معاف کر دی تھیں۔

[2] اخبار الصنادید۔

لشکروں کا مقابلہ ہو رہی تھا کہ سر رابرٹ بارکر اور محبوب علی خواجہ سرا ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آپہنچے۔

مرہٹے صرف حافظ الملک کی فوج پر حملہ آور ہوئے اور لڑائی میں انتہا درجہ کی بہادری اور جرأت کا اظہار کیا لیکن آخر میں انگریزی فوج کی موجودگی کے باعث اور روہیلوں کی تلوار کی ضربات سے ان کے پاؤں میدان سے اکھڑ گئے اور مقابلہ میں ٹھہرنے کی تاب نہ لا کر انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ تکوجی ہلکر کو روہیلوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ دریا کو عبور کر سکے اس وجہ سے وہ سنبھل کی طرف بھاگا۔ حافظ الملک نے ہلکر کے تعاقب میں کچھ مسافت طے کی لیکن چونکہ اس کی سپاہ تیز گھوڑوں پر سوار تھی اور حافظ الملک کی فوج کا زیادہ حصّہ پیدل تھا اس لئے دوبارہ مقابلہ نہ ہو سکا اور ہلکر راتوں رات مسافت بعید طے کر کے بہت دور نکل گیا۔ سنبھل پہنچکر اس کو تاخت و تاراج کیا اور اپنی فوج کو رام پور لوٹنے کے لئے بھی روانہ کیا۔ نواب فیض اللہ خاں یہ خبر سُن کر اپنے عیال و اطفال کو لے کر دامن کوہ کی طرف چلے گئے۔ حافظ الملک نے جب رام پور پر حملے کا حال سنا تو مستقیم خاں اور ملا سید خاں کو فوج دے کر ان کے تعاقب کا حکم دیا اور آپ سنبھل کی طرف تکو کے تعاقب میں گئے۔ مرہٹوں نے روہیلوں کی فوج کی روانگی کا حال سُن کر رام پور کی لوٹ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ صرف مرادآباد کو تباہ کر کے پھپھوند کے قریب گنگا عبور کر کے مہادجی سندھیا سے مل گئے۔ حافظ الملک سنبھل کا ارادہ فسخ کر کے پھپھوند کی طرف ہلکر کے پیچھے گئے اور دریائے گنگ کے کنارے ٹھہر گئے اور وہاں سے چند مقاموں کے بعد شجاع الدولہ کے پاس آگئے جو اب سندھیا کے مقابلہ میں انگریزی لشکر کی معیت میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں آکر حافظ الملک نے شجاع الدولہ کی معرفت احمد خاں کی رہائی کے متعلق سرداران مرہٹہ سے گفت و شنید شروع کی۔ مہادجی سندھیا بمشکل صلح کرنے اور دو لاکھ روپیہ کے معاوضہ میں احمد خاں کو رہا کرنے پر راضی ہو گیا۔ حافظ الملک نے یہ رقم اپنی جیب خاص سے ادا کی[1] جس کے بعد مرہٹے از خود بعض خانگی وجوہ

---

[1] تاریخ اخبار حسن

سے دہلی کی طرف واپس ہو گئے۔

حافظ الملک پر مرہٹوں سے سازباز کا الزام اور اس کی تردید

مذکورۂ بالا جنگ کے حالات لکھتے ہوئے مولوی نجم الغنی خاں مسٹر ہملٹن اور سر جان اسٹریچی نے اپنی کتابوں میں شجاع الدولہ اور سر رابرٹ بارکر کی بعض اس قسم کی تحریریں نقل کی ہیں جن میں حافظ الملک کی مرہٹوں سے سازباز، جنگ میں تساہل اور ان کی مفروضہ مکاری و دغابازی کو بیان کیا ہے[1]۔ لیکن تاریخ اخبار حسن، نقش سلیمانی، گل رحمت اور گلستان رحمت وغیرہ بکثرت مستند کتابیں ان الزامات سے قطعی پاک ہیں۔ ان میں نہایت شدومد اور تفصیل کے ساتھ حافظ الملک کی قول پروری، وفاشعاری اور بہادری کے واقعات درج ہیں، جن کو صحیح نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

۱۷۷۳ء کی اس جنگ میں انگریزوں اور شجاع الدولہ کے مبالغہ آمیز کارناموں کی تردید میں مشہور انگریز مورخ مسٹر مل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:-

> درانحالیکہ انگریزوں اور وزیر کی متحدہ فوجیں روہیل کھنڈ میں داخل ہوئیں اور انہوں نے دریا کے کنارے مرہٹوں کی اس فوج کے قریب اپنا کیمپ ڈالا جو صوبجات اودھ کو ڈرا پر حملہ آور ہونے والی تھی لیکن اس کے باوجود مرہٹوں نے دریائے گنگ کو عبور کر لیا اور روہیل کھنڈ کے بڑے حصے کو تاخت و تاراج کیا۔ اضلاع سنبھل و مرادآباد برباد کئے اور آخر ماہ تک ملک کو لوٹتے رہے اور مئی ۱۷۷۳ء میں خود بخود اپنے خانگی معاملات کے

---

[1] حافظ الملک پر یہ الزام عائد کرنے کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس جنگ میں ضابطہ خاں نے جو غلطی سے ان کے شریک کار سمجھے جاتے تھے مرہٹوں سے سازباز کر لیا تھا۔ فیض اللہ خاں بھی اپنے بہنوئی کی مروت سے شریک نہ ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے سرداران روہیل کھنڈ بھی عنایت خاں کے عالم نزع کے باعث میدان جنگ میں بریلی سے جلد روانہ نہ ہو سکے تھے۔

باعث اپنے ملک کو واپس ہو گئے ......"

"روہیلوں پر یہ بھی الزام ہے کہ انھوں نے مرہٹوں کو امداد دی، لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے انہوں نے مرہٹوں سے تھوڑی سی دنیا سازی ضرور برتی[1] جو بالکل قدرتی بات تھی لیکن تمام قوم کی طاقت مرہٹوں کو دریا کے اس پار ہٹانے میں پوری تندہی کے ساتھ صرف ہوئی۔"

---

[1] اس امر کی طرف اشارہ ہے جو حافظ الملک نے شجاع الدولہ سے واپسی تمسک کا وعدہ لینے سے قبل مرہٹوں کو کچھ عرصہ لیت و لعل میں رکھا تھا۔

(۳۱)

شجاع الدولہ کی احسان فراموشی اور روہیل کھنڈ فتح کرنے کے منصوبے

اپنی اور انگریزی فوج کی محض موجودگی کی دھونس دیکر اور روہیلوں اور مرہٹوں کو آپس میں لڑوا کر جب شجاع الدولہ کو اودھ پر مرہٹوں کے حملہ کا خطرہ جاتا رہا تو اب انہوں نے بکمال احسان فراموشی خود روہیلوں کی تخریب پر کمر باندھی اور روہیل کھنڈ پر قبضہ کرنے کے منصوبے گانٹھنا شروع کئے، چنانچہ ۱۶ مارچ ۱۷۷۳ء کو سر رابرٹ بار کر نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ایک پرائیویٹ خط میں مسٹر ہیسٹنگز کو لکھا تھا کہ:۔

"روہیلوں کی دغابازی سے ناراض ہو کر وزیر نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کو روہیل کھنڈ سے خارج کر دیا جائے اور اس ملک کو اپنے مقبوضات میں شامل کر لیں وزیر نے میرے ذریعہ آپ کو یہ اطلاع بھی دینی چاہی ہے کہ اگر انگریز اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں اس کو مدد دیں گے تو وہ کمپنی کو پچاس لاکھ روپیہ دے گا"[1]

اسی خط کی بنا پر ۳ اپریل کو ہیسٹنگز نے ولایت میں سر جان کول برک کو لکھا کہ:۔

وزیر نے روہیلوں کے ملک پر جو اس کے قریب واقع ہے اپنے دانت جمائے ہیں اور اس کو یہ ملک فتح کر دینے کے صلے میں ہمیں زبردست نذرانے دئے جائیں گے"[2]

---

[1] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔ [2] کلیگ۔ وارن ہیسٹنگز جلد اول۔

ان ہی خیالات کو دل میں لے کر جنگ مرہٹہ سے فارغ ہو کر شجاع الدولہ اور سر رابرٹ بارکر بظاہر آرام و تفریح کی غرض سے کچھ عرصہ رام گھاٹ میں مقیم رہے لیکن بہ باطن مقصد یہ تھا کہ روہیل کھنڈ میں کچھ عرصہ قیام کر کے حافظ الملک کی سپاہ کے سرداروں، رسالداروں اور سپاہیوں کو توڑنے اور اپنے سے ملانے کی کوشش کریں۔ گل رحمت میں مرقوم ہے کہ

"جو کوئی ان کی ملازمت اختیار کر لیتا اس پر طرح طرح کی عنایات مبذول کی جاتیں چنانچہ احمد خاں خلف بخشی سردار خاں کو خطاب نوابی، خلعت، پالکی اور اسپ و شمشیر عطا[1] کی اور محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں پسران دوندے خاں مرحوم کے ساتھ انواع و اقسام کی رعایتیں اور نوازشات عمل میں لائی گئیں۔ اکثروں سے خوش آئند وعدے کر کے انعامات کا متوقع بنایا اور اس کے بعد اپنے ملک کو واپس روانہ ہو گئے"۔

روانگی کے وقت انگریزی فوج کے ایک کرنل مسٹر چمپین نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی فوج کو روہیل کھنڈ کی سیر کراتا ہوا اودھ کو واپس لے جائے۔ حافظ الملک نے اس امر کی اجازت مرحمت کر دی اور ان حکام ضلع کے نام جن کی طرف سے انگریزی فوج گزرنا چاہتی تھی اس مضمون کے پروانے لکھ دیئے کہ مزاحمت نہ کریں اور رسد بہم پہنچائیں۔ چنانچہ انگریزی فوج آنولہ، بریلی اور شاہجہان پور کی راہ ہوتی ہوئی مشرق کو چلی گئی۔ واضح ہو کہ آئندہ براہ شاہجہانپور ہی انگریزوں اور شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا۔

شجاع الدولہ کی وعدہ خلافی تمسک کی واپسی سے انکار

جب شجاع الدولہ اودھ پہنچ گئے اور حافظ الملک کو اس امر کی اطلاع مل گئی تو انہوں نے خان محمد خاں اور عبید اللہ خاں کشمیری کو اپنا سفیر بنا کر شجاع الدولہ کے پاس روانہ کیا تاکہ مرہٹوں کو شکست ہو جانے کے بعد حسب

---

[1] یہ وہی احمد خاں ہے جس کو حافظ الملک نے دو لاکھ روپے اپنے پاس سے دیکر مرہٹوں کی قید سے رہا کرایا تھا۔

وعدۂ زبانی سید شاہ مدن ان سے چالیس لاکھ روپے کا تمسک طلب کریں جب یہ لوگ شجاع الدولہ کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض مطلب کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تمسک کو واپس کرنے کا ہرگز کوئی اقرار نہیں کیا تھا۔ اس پر سید شاہ مدن طلب کئے گئے اور شاہ صاحب حاضر دربار ہوئے تو شجاع الدولہ نے اشارۂ چشم کے ساتھ ان سے پوچھا کہ تمسک کے معاملہ میں آپ کے اور حافظ الملک کے درمیان کیا قول و قرار ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے جھوٹ بولنا اپنے مسلک کے خلاف سمجھا، تمام واقعہ بے کم و کاست بیان کر دیا اور فرمایا کہ میں نے حضور کے فرمانے کے بموجب حافظ الملک سے واپسی تمسک کا عہد وثوق کر لیا[1] ہے۔ شجاع الدولہ اس جواب پر بہت برافروختہ

---

[1] سید شاہ مدن شاہ آباد ضلع ہردوئی کے مشہور پیر زادے اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے نہایت ہوش مند اور خوش اخلاق تھے۔ ابتدا میں صفدر جنگ کی مصاحبت میں رہتے تھے اور ان کے ہر ایک مشورے میں شریک ہوتے تھے۔ صفدر جنگ کی وفات کے بعد الہ وردی خاں ناظم بنگالہ کے پاس چلے گئے وہاں بھی عزت کے ساتھ رہے جب بنگال میں انقلاب حکومت ہوا تو پھر اودھ میں چلے آئے۔ شاہ آباد ضلع ہردوئی میں جو شاہجہاں پور کے قریب ہے رہنے لگے اور شجاع الدولہ سے توسل پیدا کیا۔ شجاع الدولہ ان کی عزت کرتے تھے۔ پھر خالص پور میں جو لکھنؤ سے پانچ کوس پر ہے، سکونت اختیار کر لی کیونکہ شاہ آباد کی سکونت میں ان کی نسبت شجاع الدولہ کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ روہیلوں سے دوستی اور جنبہ داری رکھتے ہیں۔ سید شاہ مدن کے ہاں ہر سال حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا عرس ہوا کرتا تھا ہندوستان کے شہروں سے ہزارہا علماء، طلباء، مشائخ، پیرزادے آتے اور شریک ہوتے ان سب کی آمد و رفت کے مصارف شاہ صاحب کے یہاں سے ادا کئے جاتے اور سب کو کھانا دیا جاتا تین روز تک بڑا انبوہ رہتا اور صبح سے شام تک آدمیوں کو جنس تقسیم ہوتی رہتی تھی۔ کئی بقال اس کام پر مقرر رہتے تھے۔ بہت سے ناگے اور بیراگی بھی اس میں شریک ہوتے تھے جن کو خوراک کے علاوہ بھنگ، چرس اور بوزہ بھی ملتا تھا۔ بیس ہزار کے قریب آدمی جمع ہوتے تھے روہیلے بھی ان کی پیرزادگی کی وجہ سے ہمیشہ تحفے بھیجتے رہتے تھے

(اخبار الصنادید)

ہوئے اور کہا کہ یہ باتیں دروغ و بہتان ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں سازش کی گئی ہے میں نے اس قسم کی کوئی بات منہ سے نہیں نکالی ہے۔ سید شاہ مدن نے دو تین مرتبہ اپنی بات پر اصرار کیا، اس کے بعد مجبوراً خاموش ہو گئے۔ خاں محمد خاں سفیر حافظ الملک نے بھی کچھ رنجش آمیز کلمے زبان سے نکالے جن کا شجاع الدولہ نے نہایت سختی کے ساتھ جواب دیا اور غضبناک ہو کر محلسرا کو چلے گئے۔[1]

الغرض سفراء حافظ الملک ناکام و نامراد واپس آئے اور حقیقت حال بیان کی حافظ الملک نے اس وقت تمسک کے لینے پر اصرار کرنا مصلحت نہ جانا اور اپنی رنجیدگی خاطر بھی ظاہر نہ ہونے دی، سہل انگاری کو کام میں لا کر سکوت کیا اور صبر و شکر کے ساتھ پردۂ غیب سے آئندہ ظہور میں آنے والے واقعات کا انتظار کرنے لگے۔

شجاع الدولہ نے واپسی تمسک میں جو وعدہ خلافی کی اس کی ایک وجہ تو ان کی مخصوص محسن کش اور زرپرست فطرت تھی اور دوسری زیادہ زبردست وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے اخراجات کی کثرت اور آمدنی کی قلت کے باعث انگریزی فوج کے مصارف کا موعودہ مطالبہ پورا نہ کر سکے تھے اور اس طرح ان پر انگریزی قرضہ کا بار بڑھ گیا تھا جس کی ادائگی کی بجز اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ وہ شاہ مدن والے زبانی معاہدہ کو نظر انداز کر کے ۱۷۷۲ء کے معاہدہ کی رو سے روہیلوں سے چالیس لاکھ روپیہ جس طرح بھی ہو وصول کریں اور اپنے انگریز دوستوں کو ایفاء عہد کر کے خوش کریں جن سے انہیں آئندہ بھی کام لینا تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے جب اپنے روپیہ کا ان سے مطالبہ کیا تو انہوں نے گورنر جنرل ہسٹنگز کو ایک خط میں لکھا کہ :-

---

[1] واپسی تمسک کے سلسلہ میں شجاع الدولہ کی وعدہ خلافی اور سید شاہ مدن کی حق گوئی و اخلاقی جرأت کا واقعہ گلستان رحمت، گل رحمت، تاریخ اخبار حسن، نقش سلیمانی اور تاریخ روہیل کھنڈ وغیرہ بکثرت کتابوں میں درج ہے لیکن تعجب ہے کہ پھر بھی مخالف مورخین کو یہ واقعہ یا تو نظر نہیں آتا یا وہ اس کو دانستہ نظر انداز کر دیتے ہیں۔

"میں نے جنرل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ جب ہم مرہٹوں کو روہیلوں کے ملک سے نکال دیں گے اور حافظ رحمت خاں اپنا چالیس لاکھ روپیہ کی ادائگی کا وعدہ ایفا کریں گے تو میں اس میں سے نصف روپیہ انگریز سرداروں کو دوں گا بخلاف اس کے اگر روہیلہ سردار اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے اور انگریز ان کو نیست و نابود کر کے ان کے ملک پر مجھے قبضہ دلا دیں گے تو اس صورت میں پچاس لاکھ روپیہ نقد ادا کروں گا۔"[1]

ہیسٹنگز جیسے مشہور خود غرض اور طماع شخص کے لئے بیس یا پچاس لاکھ روپیہ کا لالچ کوئی معمولی بات نہ تھی فوراً ایک طویل خط جواب میں لکھا جس میں شجاع الدولہ کی تجاویز کی پر زور تائید کی اور بہت کچھ ثناء و صفت اور اظہار محبت و یگانگت کے بعد نہایت بے تابی کے ساتھ یہ خواہش کی کہ جملہ معاملات کو باقاعدہ طے کرنے کے لئے بنارس میں ایک ذاتی ملاقات کی اشد ضرورت ہے۔

---

[1] رپورٹ پنجم مرتبہ کمیٹی آف سیکریسی ضمیمہ ۱۲۔ برٹش میوزیم

(۳۲)

حافظ الملک کے خلاف زبردست سازش اور حکومت روہیل کھنڈ کا زوال

عہد نامہ بنارس اواخر جون ۱۷۷۳ء تک جملہ انتظامات مکمل ہو جانے پر اوائل جولائی ۱۷۷۳ء کو گورنر وارن ہیسٹنگز کلکتہ سے روانہ ہوا اور ۱۹ راگست کو شجاع الدولہ سے اس کی بنارس میں ملاقات ہوئی۔ اس سفر میں ہیسٹنگز کے دو مقصد تھے۔

اول کوڑا اور الہ آباد کو شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کرنا، دوم تسخیر روہیل کھنڈ کی بابت معاملہ کرنا۔ سب سے پہلے اول الذکر معاملے کے بارے میں گفتگو ہوئی اور مندرجہ ذیل شرائط پر کوڑا اور الہ آباد شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کر دئے گئے۔

> قرار پایا کہ چونکہ بموجب عہد نامہ الہ آباد مورخہ ۱۶ راگست ۱۷۶۵ء اضلاع کوڑا اور الہ آباد بادشاہ کو ان کے اخراجات کے لئے دید ئے گئے تھے اور ان اضلاع پر بادشاہ نے اپنا قبضہ چھوڑ کر انگریز کمپنی اور وزیر کے مفاد کے خلاف ان کی سند مرہٹوں کو دے دی اور چونکہ یہ فعل مذکورہ عہد نامہ کی منشاء کے خلاف ہے اس لئے یہ مقامات کمپنی ہی کو جس سے بادشاہ نے انہیں حاصل کیا تھا واپس ہو گئے اور اب وزیر اور کمپنی کے درمیان یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ اضلاع مذکور کو ان شرائط کے ساتھ وزیر کے قبضہ میں دیدیا جائے گا ....
>
> کہ وہ سکہ رائج الوقت اودھ کے پچاس لاکھ روپئے کمپنی کو دیں گے جس کی ادائگی کا یہ طریقہ ہو گا کہ بیس لاکھ روپئے فوراً نقد اور دو سال بعد بقیہ پندرہ پندرہ لاکھ

روپیہ سالانہ دو قسطوں میں ادا ہو گا۔"[1]

شاہی مقبوضات کو اس طرح بیچنے اور شجاع الدولہ سے پچاس لاکھ روپیہ کی کثیر رقم وصول کرنے کا ہیسٹنگز کو کوئی حق تھا یا نہیں اس بارے میں انگلستان کے سب سے بڑے سیاستداں اور مقرر مسٹر برک کی تقریر کا ایک حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"یہ پہلا بادشاہ ہے جسے کمپنی نے روپیہ لے کر فروخت کیا۔ آل تیمور کا مغل اعظم تھا یہ بلند شخصیت ایسی بلند جو انسانی عظمت کا مطمح نظر ہو سکتی ہے، عام روایات کے مطابق اپنے عمدہ طرز عمل، پاک باطنی اور ماہر علوم مشرقیہ ہونے کے باعث بہت ہر دلعزیز و محترم تھی۔ اس کی یہ خوبیاں اور نیز یہ امر کہ اسی کی سندات کے طفیل میں ہم نے تمام ہندوستانی مقبوضات حاصل کئے۔ اس کو سر بازار فروخت کرنے سے ہمیں نہ روک سکے۔ اسی کے نام کا سکہ چلتا ہے، اسی کے نام سے عدل و انصاف کیا جاتا ہے، ملک کے طول و عرض میں اسی کے نام کا تمام عبادت گاہوں میں خطبہ پڑھا جاتا ہے لیکن پھر بھی اسے بیچ ڈالا گیا۔ ایک سلطنت عطا کر دینے والے معطی اور بکثرت قوموں کے جائز حکمراں کے واسطے اس کے شاندار عطیات میں سے صرف دو ضلعے کوڑا اور الہ آباد بطور شاہی ملک محفوظ کر دئے گئے تھے۔ لیکن ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ کا زر خراج بند کر دینے کے بعد .... یہ اضلاع بھی اس کے وزیر شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کر دئے گئے۔ اس معاملہ کا سب سے مذموم پہلو جو کچھ لوگوں کو نظر آئے گا وہ یہ ہے کہ ان دو ضلعوں کا سودا بھی بہ شکل محض دو سال کے لئے کیا گیا۔ افسوس کہ اب یہ تیموری شاہزادہ اپنی معمولی ضروریات زندگی پوری کرنے سے بھی عاجز ہے اور اس کی موجودہ لاچاری میں ہم بخشش کے طور پر بھی اسے کچھ نہیں دے سکتے۔"[1]

برک کے یہ اعتراضات ناقابل تردید ضرور ہیں لیکن اس موقع پہ ہیسٹنگز کی ہوسناکی بھی ایک

---

[1] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

حاجت بدرجہ مجبوری کی کیونکہ اس زمانہ میں کمپنی سوا کروڑ روپیہ کی قرضدار تھی۔ خزانہ بالکل خالی تھا کورٹ آف ڈائرکٹرس کے خط پر خط آ رہے تھے کہ روپیہ بھیجو حتیٰ کہ کلکتہ سے روانگی کے وقت سرکاری خزانہ میں پچاس ہزار سے بھی کم روپیہ تھا اور قرض لینے کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہو چکی تھیں [۱]

کوڑا اور الہ آباد کے معاوضہ میں پچاس لاکھ روپیہ کا عہد و پیمان ہو جانے کے بعد اب ہیسٹنگز اور شجاع الدولہ کے درمیان روہیل کھنڈ کی بابت مشورہ ہوا اور بہت کچھ گفت و شنید کے بعد آپس میں ایک عہد نامہ لکھ لیا گیا جس کا اہم اقتباس حسب ذیل ہے :۔

چونکہ روہیلا سرداروں نے ماہ جون ۱۷۷۲ء میں جنرل سر رابرٹ بارکر کی موجودگی میں اور اس کی رضامندی سے وزیر کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے انہوں نے وزیر کو مرہٹوں کے خلاف مدد کرنے کے معاوضہ میں چالیس لاکھ روپیہ دینے کا عہد کیا تھا اور اب اس معاہدہ کو انہوں نے دغابازی سے توڑ ڈالا ہے لہٰذا یہ قرار پاتا ہے کہ کمپنی کی فوج کا ایک بریگیڈ وزیر کے ساتھ شامل ہو کر روہیلوں کو سزا دینے میں اس کی امداد کرے گا، وزیر اس بریگیڈ کے کل اخراجات ادا کرے گا...... اخراجات دو لاکھ دس ہزار روپے ماہوار طے ہوتے ہیں کمپنی کی فوجیں نہ دریائے گنگا کے پار جائیں گی اور نہ دامن کوہ تک کوچ کریں گی، وزیر صرف اس حصۂ روہیل کھنڈ پر اپنا قبضہ کرے گا جو گنگا کے شمال و مشرق میں واقع ہے [۲]۔ اس حصۂ ملک میں سے خود کمپنی کچھ لینے سے دستبردار ہوتی ہے اس لئے اس حق کو چھوڑنے کے معاوضہ میں چالیس لاکھ روپے بھی دینے کا وعدہ کرتا ہے [۳]......"

---

[۱] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

[۲] ضابطہ خاں کے مقبوضات کو کسی دوسرے مناسب موقع کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

[۳] رپورٹ پنجم ضمیمہ ۴۵۔ انتخابات فارسٹ جلد اول صفحہ ۱۵۰

شجاع الدولہ نے کوڑا، الہ آباد اور روہیل کھنڈ کے متعلق عہد نامے لکھنے کو تو لکھ دیئے لیکن آخر الذکر معاہدے کی تکمیل کے بعد اب ان کی آنکھوں پر سے غفلت کے کچھ پردے بھی اٹھنا شروع ہوئے اور انہوں نے جب اپنے دل میں یہ حساب لگایا کہ انہیں انگریزوں کو کس قدر روپیہ دینا ہے اور آیا وہ اس قدر روپیہ دے بھی سکتے ہیں یا نہیں تو ان پر اپنی معذوری کی حقیقت منکشف ہوگئی اور خیال کیا کہ انگریزی قرضہ کا ناقابل برداشت بار بڑھا کر روہیل کھنڈ فتح بھی ہوا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ شجاع الدولہ نے اپنے تکلیف دہ خیالات کا وارن ہیسٹنگز سے بھی ذکر کیا چنانچہ اس گفتگو کو وارن ہیسٹنگز نے بالتفصیل اپنی ڈائری میں قلم بند کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ:۔

> "شجاع الدولہ نے روہیلوں پر اپنے چالیس لاکھ روپیہ کے مطالبہ کو معاف کر دینے کی بابت مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے صلاح دی کہ جس قدر ممکن ہو وصول کرنا چاہئے اور ایک روپیہ بھی نہ چھوڑنا چاہئے ادائگی کے سلسلہ میں ان سے جو کمی ظہور میں آئے گی وہی آئندہ ان کے خلاف کارروائیاں کرنے میں ایک معقول وجہ کام دے گی"[1]

وارن ہیسٹنگز کے جواب سے شجاع الدولہ لاجواب ہوگئے اب ان کے لئے روہیلوں سے جنگ کرنا فعل ناگزیر تھا صرف کچھ مہلت حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے جو انہیں دیدی گئی اور وارن ہیسٹنگز شروع اکتوبر ۱۷۷۳ء میں شجاع الدولہ سے بیس لاکھ روپیہ نقد اور پینیتیس لاکھ کا وعدہ لے کر کلکتہ کو واپس ہوگیا۔

اٹاوہ پر شجاع الدولہ کا قبضہ

جس زمانہ میں ہیسٹنگز اور شجاع الدولہ روہیلوں کے خلاف بنارس میں سازش کر رہے تھے، حافظ الملک بھی اپنی حکومت کے استحکام و ترقی سے غافل نہ تھے اور انہوں نے روہیل کھنڈ کے اندرونی انتظامات کی درستی کے

---

[1] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلہ وار۔

ساتھ ساتھ یہ بھی ارادہ کیا کہ اٹاوہ پر دوبارہ قبضہ کرلیں تاکہ ملک کی وسعت سے آمدنی میں اضافہ ہو۔ اس ارادے کی تکمیل کے لئے اس وقت موقعہ بہت مناسب تھا کیونکہ نرائن راؤ پیشوا کے قتل کے باعث مرہٹہ سردار جنوبی ہند میں آپس میں مصروف قتال و جدال تھے اور انہوں نے شمالی ہند سے اپنی تمام فوجیں وہاں بلالی تھیں۔ اٹاوہ میں بھی نہایت قلیل مرہٹہ فوج رہ گئی تھی اور اس طرح میدان خالی دیکھکر حافظ الملک عنقریب وہاں پہنچنے والے تھے کہ کسی طرح ان کے اس قصد کی شجاع الدولہ کو خبر مل گئی جس سے وہ حد درجہ چراغپا ہوئے۔ بنارس کانفرنس ختم ہو چکی تھی۔ ہیسٹنگز کلکتہ پہنچ گیا تھا اس لئے شجاع الدولہ نے فوراً اپنے دوست ہیسٹنگز کو ایک خط لکھا جس میں مرقوم تھا کہ:-

"حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلہ سردار اٹاوہ اور اس سے متعلق مرہٹوں کے دوسرے مقبوضات پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ اگر ان کا ایسا ارادہ ہے تو میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا بلکہ ان کے خلاف بلاشبہ ایک مہم لے جاؤں گا کیونکہ اول تو انہوں نے حسب معاہدہ چالیس لاکھ روپیہ میں سے اب تک ایک درم نہیں دیا ہے۔ دوسرے وہ ایک اور ملک لینا چاہتے ہیں اس بات کو میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا اور میں نے انہیں سزا دینے کا پختہ تہیہ کر لیا ہے[1]....."

اس اطلاع کی بناء پر ہیسٹنگز نے ایک انگریز افسر کی ماتحتی میں چند بھاری توپیں لکھنؤ روانہ کردیں جن کو لے کر شجاع الدولہ حافظ الملک کے روانہ ہونے سے قبل ہی اٹاوہ پر حملہ آور ہوگئے اور مرہٹہ فوج سے معمولی سی لڑائی کے بعد اٹاوہ اور دوآبہ کے دوسرے اضلاع پر قبضہ کرلیا۔

مظفر جنگ، ضابطہ خاں اور شاہ عالم بادشاہ کی بیوفائی

فتح اٹاوہ سے فارغ ہو کر شجاع الدولہ نے اور بھی پیش قدمی کی اور حافظ الملک کے قدیمی و جاں نثار دوست نواب احمد

---

[1] رپورٹ پنجم۔ انتخابات فارسٹ۔

خاں بنگش مرحوم کے دار الحکومت فرخ آباد میں داخل ہوئے، یہاں آج کل احمد خاں کا وہی بڑا لڑکا مظفر جنگ حکمراں تھا جس کی رسم مسند نشینی حافظ الملک نے اپنے ہاتھ سے ادا کی تھی یہ مظفر جنگ کیا باعتبار تہور و مردانگی اور کیا باعتبار شرافت نفس اپنے والد مرحوم کی بالکل ضد تھا نہایت بزدل، بے مروت اور کمزور طبیعت واقع ہوا تھا، شجاع الدولہ کے فرخ آباد میں داخل ہوتے ہی خوف زدہ ہو کر اس نے نہ صرف یہ کہ حافظ الملک کے ساتھ عدم مشارکت کا عہد و پیمان کر لیا بلکہ ساڑھے چار لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینا منظور کر کے ان کے ہمراہ رکاب ہو گیا[1]۔

---

[1] مظفر جنگ نے شیعہ مذہب بھی اختیار کر لیا جس کی تفصیل "لوح تاریخ" قلمی از منور علی خاں میں اس طرح مرقوم ہے کہ "کول (علی گڑھ) کی راہ میں ایک قصبہ جلالی ہے کہ سید اس میں رہتے ہیں وہاں محرم کا چاند دکھائی دیا۔ تب نواب شجاع الدولہ نے وہیں مقام کیا اور تعزیہ داری وہیں کی۔ امام باڑہ کپڑے کا کھڑا کیا گیا اور چاندی کے تعزیے رکھے گئے، جو امیروں کے ہمراہ سفر میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ نواب مظفر جنگ اسی مقام پر شیعہ ہوئے، ایک روز نواب شجاع الدولہ نے نواب مظفر جنگ سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے چیلوں میں چنگا خاں نام مرثیہ بہت خوب پڑھتے ہیں انہیں بلوا کر مرثیہ پڑھواؤ تو ہم بھی سنیں، نواب مظفر جنگ نے چنگا خاں سے کہا کہ تم بھی مرثیہ پڑھو، چنگا خاں نے نواب شجاع الدولہ کے سامنے امام باڑہ میں مرثیہ پڑھا بہت سے سردار بیٹھے تھے مرثیہ پر بڑی رقت ہوئی اور سبھوں نے تعریف کی۔ نواب شجاع الدولہ نے ہزار روپیہ اور ایک دوشالہ کشتی میں منگوا کر چنگا خاں کو دئے۔ چنگا خاں نے سلام کر کے نواب شجاع الدولہ سے عرض کیا کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے ہم سپاہی ہیں اور واسطے ثواب کے پڑھتے ہیں، اگر آپ کسی لڑائی پر ہم کو بھیجتے اور کوئی کام ہم سے بن آتا تو حضور کے ہاتھ سے ایک پان کی گلوری تک سر پر رکھ لیتے۔ نواب مظفر جنگ کے فرمانے سے ہم نے مرثیہ پڑھا۔ غرض کہ بعد ماتم نواب مظفر جنگ کے ہمراہ اپنے لشکر میں آئے اور نواب مظفر جنگ چنگا خاں سے اس بات پر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ جو تم روپے نواب شجاع الدولہ کے دئے ہوئے لیتے تو میں تم سے ناراض ہوتا اور اس روز سے ایک روپیہ روز اپنے پاس سے ان کا مقرر کر دیا۔ بعد محرم کے نواب شجاع الدولہ

مظفر جنگ کو اپنا معاون بنا کر شجاع الدولہ نے ضابطہ خاں کی طرف توجہ کی جو مرہٹوں کے دکن چلے جانے کے بعد حافظ الملک سے از سر نو موافقت پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ضابطہ خاں کی بے وفائی اور دغا بازی کے واقعات اس سے پہلے بھی مذکور ہو چکے ہیں لہذا اس نے اس موقع پر اس واقعہ کو قطعاً فراموش کر کے کہ حافظ الملک پر چالیس لاکھ روپیہ کا مطالبہ صرف اس کی وجہ سے تھا اور محض اسی کے ضامن بننے کے باعث شجاع الدولہ ان کے ملک کو غصب کرنے اور خود ان کو نیست و نابود کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ عدیم المثال، ناحق شناسی اور بے غیرتی کو کام میں لا کر دنیا میں اپنے سب سے بڑے محسن حافظ الملک کے خلاف شجاع الدولہ کا شریک کار ہو گیا۔

۔۔۔ جلالی سے لوٹے اور کامپل میں ہو کر مئو کی ترائی میں ڈیرہ کیا۔

حکیم نجم الغنی رام پوری نے اپنی تاریخ اودھ میں ولیم ارون کی تاریخ فرخ آباد سے نقل کیا ہے کہ نواب شجاع الدولہ کے ہمراہ نواب مظفر جنگ ضلع علی گڑھ میں کوڑیا گنج وہر دوا گنج کو روانہ ہوا۔ اس سال محرم کے رسومات اسی ضلع کے قصبہ جلالی میں جو کہ شیعوں کی بستی ہے انجام دئے گئے۔ ایک حکایت یہ ہے کہ نواب مظفر جنگ اسی موقعہ پر شیعہ ہوئے۔

نواب مظفر جنگ اور نواب شجاع الدولہ کے جلالی پہنچنے اور عزاداری کے رسوم ادا کرنے کا سبب یہ ہوا کہ جلالی کے ایک بزرگ زبدۃ السالکین وقدوۃ العارفین حکیم سید شاہ خیرات علی سے نواب موصوف کو عقیدت تھی۔ ایام عزا میں ایک شب سخت آندھی آئی جس سے خیام اُڑ گئے۔ چراغ گل ہو گئے مگر وہ چراغ جس کے سامنے بزرگ موصوف روضہ خوانی اور آہ و بکا میں مصروف تھے روشن رہا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر نواب مظفر جنگ شیعہ ہو گئے اور نواب شجاع الدولہ نے بزرگ موصوف کے آبائی عزا خانہ کے لئے مال پور، کمال پور، نور تھہ، نرولی اور مبارکپور وقف کئے، چار گاؤں حکومت انگلشیہ نے ضبط کئے مگر موضع مبارکپور معافی پرگنہ بلرام تحصیل کاسگنج ضلع ایٹہ ہنوز وقف چلا آتا ہے اور عزا خانہ مذکورہ کی تولیت بھی خاندان حکیم سید شاہ ۔۔۔

روہیل کھنڈ پر آئندہ حملہ میں ضابطہ خاں سے امداد کا وعدہ لے کر شجاع الدولہ نے ضروری خیال کیا کہ اس بارے میں شاہ عالم بادشاہ کی بھی رضامندی حاصل کر لی جائے چنانچہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے وزیر اعظم نجف خاں سے خط و کتابت شروع کی اور بادشاہ کے حصولِ خوشنودی کے لئے جاٹوں کے مقابلہ میں آگرہ کی تسخیر میں بھی مدد دی، اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے فتح روہیل کھنڈ کی اجازت عطا کر دی اور شجاع الدولہ نے یہ جھوٹا وعدہ بھی کر لیا کہ:-

"غاصبوں کے ہاتھ سے نکال کر نصف روہیل کھنڈ بادشاہ کی ملکیت میں دیدیا جائے گا"

---

۴۲ خیرات علی میں قائم ہے۔ یہ عزاخانہ اندرون حصار جلالی معروف بہ گڑھی جلالی میں واقع ہے اور عزاداری آج تک اس میں جاری ہے۔ نواب آصف الدولہ کے دور میں پروانے بمہر میاں صاحب الماس علی خاں جاری ہوئے ایک پروانہ کی نقل حسب ذیل ہے:-

یا فتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہر شاہی

برائے نیاز حضرات ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین

پروانہ بمہر میاں صاحب الماس علی خاں صاحب مرقومہ بست و ہشتم شہر محرم الحرام ۱۲۰۲ھ متصدیان مہمات حال و استقبال پرگنہ بلرام عرف کاس گنج بدانند کہ موضع مبارکپور باسم سید شاہ خیرات علی صاحب مع فرزندان از قدیم مقرر و معاف و واگذاشت است لہذا نگارش میرود کہ الحال ہم موضع مذکور در تعلق و تصرف مشارٌ الیہ مع فرزندان واگذاشت دارند و حسب این طور بعمل آرند:-

مہر حکم

(بشکریہ حکیم سید کمال الدین حسین جلالوی لکچرار طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

انگریز۔ مظفر جنگ۔ ضابطہ خاں اور شاہ عالم بادشاہ جب سب کے سب روہیلوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تو شمالی ہند میں اب کوئی طاقت اور کوئی حکمراں ایسا نہ رہا جو حافظ الملک کا مددگار ہوتا۔ خود روہیل کھنڈ کا میدان بھی اس وقت جواں مردوں اور صف شکنوں سے خالی تھا۔ عنایت خاں، دوندے خاں، شیخ کبیر بخشی سردار خاں، فتح خاں خانساماں، سید احمد شاہ، عبدالستار خاں، بڈو خاں، ملا محسن خاں اور پیر مول خاں بڑے بڑے طاقت ور اور شجاع رسالدار یکے بعد دیگرے داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے لیکن بے یار و مددگار ہونے کے باوجود اور اس بے سروسامانی کے ہوتے ہوئے مصیبت زدہ، زخم خوردہ اور بوڑھے روہیلہ سردار حافظ الملک کے ابھی تک وہ دم خم تھے اور اس کی جرأت اور بے جگری کی شجاع الدولہ کے دل پر ایسی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ ہنوز وہ اپنے آپ کو اس کا مدّمقابل نہ سمجھتے تھے۔ چالاکی، عیاری اور مکاری میں شجاع الدولہ حافظ الملک سے بڑھے چڑھے ہوں تو ہوں لیکن میدان جنگ کی مردانگی و جانبازی کا جہاں تک تعلق تھا وہ خوب جانتے تھے اب سے نہیں بلکہ اپنے والد صفدر جنگ کے وقت سے ایک دو لڑائیوں میں نہیں بیسیوں معرکوں میں نہ صرف سُن سُنا کر بلکہ شریک جنگ ہو کر اپنی آنکھ سے اچھی طرح مشاہدہ کر چکے تھے کہ حافظ الملک کس جذبے، کس دل گردے اور کس لیاقت کے سردار ہیں۔ ایک شیر پر حملہ کرنا اور وہ بھی اس کی کچھار میں کوئی آسان اور سہل کام نہ تھا۔ اس لئے شجاع الدولہ نے شمالی ہند کے تمام بڑے بڑے حکمرانوں کو اپنا شریک بنا لینے کے بعد حافظ الملک کو کمزور کرنے کی غرض سے اب اس حربہ سے کام لینے کا عزم بالجزم کر لیا جس کا دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہ اب تک مقابلہ کر سکی ہے اور نہ آئندہ کر سکے گی یہ حربہ اندرونی غدّاری تھی۔ اسی اندرونی غداری کی بدولت شاہان دہلی تباہی کا شکار ہو چکے تھے۔ سراج الدولہ اور میر قاسم فنا کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ حافظ الملک اور ٹیپو سلطان کی بربادی کی باری تھی او خود والیان اودھ کے سروں پر اسی کی بدولت قضا کھیل رہی تھی۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ

جب اس زمانے کے تمام ہندوستانی حکمراں عمومیت کے ساتھ اس حربہ کا شکار بن رہے تھے تو شجاع الدولہ کیسے شکاری بن گئے الیکن یہ کسے معلوم تھا کہ آئندہ چلکر خود ان کی یہ مثل ہونے والی تھی: شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے! یعنی جنہوں نے ان کو اس فن کی تعلیم دی تھی اور جن کے مشورہ کے بغیر وہ تنکا بھی نہ توڑتے تھے وہی استاد جو روہیل کھنڈ کے زرخیز علاقہ کو فتح کرنے کی صلاح و مشورے دے رہے تھے کل جب اس فتح کا پھل کھانے کا وقت آئے گا تو ان کی اولاد کے حلق سے اس سونے کے نوالے کو نکال لیں گے۔

سرداران روہیل کھنڈ کی غداری حافظ الملک کے خلاف بغاوت پھیلانے کے لئے اس وقت روہیل کھنڈ کے طول و عرض میں شجاع الدولہ کے سیکڑوں ایجنٹ کام کر رہے تھے جن کے اغوا سے بکثرت چھوٹے بڑے حریص و طماع قلوب میں حرص و طمع جاگزیں ہو گئی۔ خواہی نخواہی خویش و بیگانے سرتابی پر آمادہ ہو گئے اور حافظ الملک جیسے حلیم و سلیم آقا سے کفران نعمت کر کے ان کے ملک و دولت کو تباہ کرنے اور روہیل کھنڈ پر شجاع الدولہ کی حکومت کا سکہ جمانے میں ممد و معاون بن گئے۔ اپنی اپنی ذاتی اغراض کو پورا کرنے کے لئے بعض پوشیدہ طور پر اور بعض علی الاعلان شجاع الدولہ کے ساتھ عہد و پیمان کر بیٹھے، چنانچہ محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں نے اپنے مطالب قرآن شریف پر لکھکر مہر ثبت کرنے کی غرض سے شجاع الدولہ کے پاس بھیجدیے۔ شجاع الدولہ نے بغیر کسی حیلہ و حجت کے ان کے تمام مقاصد کو منظور کر لیا اور قرآن شریف پر اپنی مہر ثبت کر کے اُسے ان کے پاس بھیجدیا بلکہ یہ بھی لکھدیا کہ روہیل کھنڈ پر قبضہ کرنے کے بعد تمہاری درخواست سے زیادہ تمہارے ساتھ سلوک کیا جائے گا اسی طرح احمد خاں پسر بخشی سردار خاں نے حافظ الملک کے ساتھ عدم مشارکت کا معاہدہ اپنے مطالبات

لہ شجاع الدولہ کے دوست ہیسٹنگز کے حکم سے مسٹر مڈلٹن اودھ کا ریزیڈنٹ مقرر کر کے بھیجدیا گیا تھا جو ہر وقت شجاع الدولہ کے ساتھ رہتا تھا اور ان کو ملک گیری کی چالیں بتاتا رہتا تھا۔

کی بابت شجاع الدولہ سے کرلیا۔ ایک معتمد سالار محتشم خاں جو ذاتی تنخواہ رسالہ کی تنخواہ اور دیہات کے علاوہ پندرہ سو روپیہ کا درماہہ پاتا تھا بے وجہ حافظ الملک کے خلاف سازش کرکے اور پچاس ہزار روپیہ کی ہنڈی لے کر شجاع الدولہ کے پاس گیا۔ عبداللہ خاں حاکم شاہجہاں پور نے بھی اپنے داد دارادت خاں ابن حافظ الملک کی حفاظت جان و مال و ناموس کا تحریری عہد لے کر شجاع الدولہ سے اپنا رشتہ اتحاد مستحکم کرلیا۔ اپنے سرداروں کی ان سازشوں کے حالات حافظ الملک برابر سنتے تھے اور تعجب کرتے تھے لیکن کبھی کسی سے اعتراض و استفسار نہ کیا اور فرماتے تھے کہ:۔

"ان نادانوں کو عنقریب اسی شخص کے ہاتھ سے جس سے بہبود کی امید رکھتے ہیں اپنی بد اندیشی کا نتیجہ مل جائے گا"[1]

حافظ الملک کی مصالحت کوشی لیکن جب پانی بالکل سر سے اونچا ہونے لگا اور شجاع الدولہ کی ریشہ دوانیاں حد سے گزر گئیں تو حافظ الملک نے جنگ واقع ہونے سے قبل یہ مناسب خیال کیا کہ اول مصالحت کی تمام کوششیں ختم کرلیں۔ چنانچہ اس بارے میں شجاع الدولہ سے براہ راست رجوع کرنے سے پہلے انہوں نے وارن ہیسٹنگز کو ایک خط لکھا جس میں ضروری القاب و آداب اور ایک ذاتی ملاقات کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے تحریر تھا کہ:۔

"ہمارے اور انگریز سرداروں کے درمیان روابط دوستی و محبت اور آپس کا گہرا راہ و رسم جو عرصے سے قائم ہے اس سے آپ بے خبر نہ ہوں گے۔ آپ کی ناموری کا شہرہ سن کر میری خواہش ہے کہ مجھ میں اور آپ میں مکمل اتحاد و اتفاق قائم و مستحکم ہو جائے میں امید کرتا ہوں کہ خود آپ کی طبیعت کا رجحان بھی یہی ہوگا۔ انہیں وجوہ سے نیز اس خیال سے کہ ہمارے درمیان کوئی نا اتفاقی یا اختلاف نہیں ہے، میں مندرجہ ذیل

---

[1] گل رحمت

حالات سے آپ کو باخبر کرنا چاہتا ہوں تاکہ گفتگو کے وقت یہ امور آپ کے پیش نظر رہیں۔

سال گزشتہ جب بادشاہ مرہٹہ سرداروں اور نواب ضابطہ خاں کے درمیان اختلاف ہوا اور نواب موصوف کے معاملات دگرگوں ہونے کی وجہ سے بادشاہ اور مرہٹوں نے ہمارے مقبوضات میں داخل ہونے کے مقصد سے گنگا کو عبور کیا تو روہیلہ سردار اپنے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے جنگلوں میں چلے گئے، اس وقت وزیر الملک اور جنرل بارکر نے شاہ آباد میں پہنچکر کیپٹن ہارپر کو مجھے بلانے اور ملاقات کرنے کا پیام دینے کی غرض سے بھیجا۔ اس بارے میں ان کا اصرار حد سے سوا ہوا تو چونکہ ہمارے ان کے مفاد یکساں تھے اس لئے میں گیا اور ان حضرات سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں ہم لوگوں کے درمیان ایک معاہدہ کی تکمیل ہوئی جس کی رو سے میں نے شجاع الدولہ سے بادشاہ اور مرہٹوں کو پیشکش کے طور پر مبلغ چالیس لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کرلیا۔ اس وعدہ کی بنا پر ان حضرات نے اپنی جانب سے اس امر کی ضمانت کی کہ میری بادشاہ اور مرہٹہ سرداروں سے صلح کرادیں گے یا ایک دو روز کے بعد شاہ آباد سے کوچ کر کے خود مرہٹوں پر سخت حملہ کریں گے اور ان کے جنگی اقدامات کا خاتمہ کردیں گے۔

لیکن اس معاہدہ کے باوصف ان لوگوں نے نہ مرہٹوں سے کوئی ایسا معاملہ کیا جس سے ان کے حملوں کا ہمیشہ کے واسطے سدِ باب ہو جاتا اور نہ ان پر حملہ کیا، اور عہد و پیمان کو پورا کئے بغیر فیض آباد کو واپس ہوگئے۔ اس عرصہ میں موسم برسات شروع ہوگیا تھا اس لئے مرہٹے بھی خود بخود گنگا عبور کر گئے اور دوآبہ میں پڑاؤ ڈال کر میرے خلاف کارروائیاں کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے۔ دوران برسات میں برابر نواب وزیر جنرل بارکر اور کیپٹن ہارپر کو توجہ دلاتا رہا کہ میرے قضیہ کو مرہٹوں اور

بادشاہ سے طے کرادیں، لیکن انہوں نے اس بارے میں نہ کوئی قطعی فیصلہ کیا اور نہ
موعودہ تحفظ کے واسطے کوئی عملی قدم اٹھایا یہاں تک کہ برسات ختم ہونے
کے قریب ہوتی اور مرہٹے پھر گنگا کے قریب پہنچکر مجھ سے روپیہ طلب کرنے
لگے۔ اس موقع پر میں انہیں بمشکل بلطائف الحیل تھوڑا سا روپیہ دیکر ٹال سکا
بعدازاں مرہٹے بادشاہ کے حضور میں جاکر وہاں سے کوڑا اور الہ آباد کی سند حاصل
کراتے اور دوبارہ گنگا کے کنارے واپس آکر دریا کو عبور کرنے کے لئے پل بنانے
کی تیاریاں کرنے لگے۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے ایک معتمد کو موعودہ چالیس
لاکھ روپیہ کی رقم کی ادائیگی کا مجھ سے مطالبہ کرنے کی غرض سے میرے پاس بھیجا
اور کہا کہ یہ رقم ان کے اور بادشاہ کے لئے طے ہوتی تھی۔ علاوہ بریں مرہٹوں نے
مجھے بکثرت لالچ دیکر مجھ سے یہ درخواست بھی کی کہ میں انہیں اپنے مقبوضات میں سے
گذرنے کی اجازت دیدوں اس صورت میں یہ یقین دلایا کہ رعایا کو لوٹ مار
اور قتل و غارت سے محفوظ رکھا جائے گا اور وہ صوبہ اودھ یا کسی اور جانب
جہاں مناسب سمجھیں گے کوچ کر جائیں گے۔ نیز یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر ہم ان کو ان
کی مطلوبہ اجازت دے دیں تو وہ رقم مذکورہ واگذاشت کردیں گے اس کے
علاوہ وہ ان تمام امور کو بھی سرانجام دینے کے لئے تیار تھے جن سے روہیلہ سردار
مطمئن ہوسکیں۔ عین اس موقع پر نواب وزیر اور جنرل صاحب نے جو کہ قریب
آگئے تھے سید شاہ مدن اور محمد مکرم خاں کو میرے پاس بھیجکر یہ خواہش کی کہ میں مرہٹوں
سے کوئی عہد و پیمان نہ کروں۔ جس کے بدلے میں وہ مجھے چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک
واپس کرکے میری موجودہ اور آئندہ حفاظت کے لئے ہر ممکن تدبیر کریں گے۔ نواب وزیر
اور انگریز صاحبان سے اپنی قدیمی دوستی کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں مرہٹوں کی تمام
پیش کردہ مراعات کو مسترد کرکے ان کا شریک ہوگیا میرے اس

طرز عمل کا انتقام لینے کی غرض سے مرہٹوں نے گنگا عبور کیا اور مراد آباد اور سنبھل کو لوٹ لیا۔ نواب وزیر اور صاحبان انگریز نے وعدہ کیا تھا کہ دریا پار جا کر دوران برسات میں مرہٹوں سے لڑیں گے اور اس وقت تک فیض آباد یا کلکتہ واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ مرہٹوں کو بالکل خارج کر کے اپنی اور میری حفاظت کا پورا پورا اطمینان نہ کرلیں گے۔ لیکن انھوں نے ہر کام ادھورا کیا اور عرصہ تک مرہٹوں سے کچھ چالبازیاں کر کے اپنے اپنے مقامات کو واپس ہو گئے اور مجھے مرہٹوں کا شکار بنا کر چھوڑ گئے۔ آپ یقیناً ان تمام کارروائیوں سے باخبر ہوں گے یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر آپ کو غور کرنا چاہیے اور انصاف سے کام لینا چاہیے چونکہ ہماری اور آپ کی دوستی دیرینہ ہے اس لئے مجھے بالکل شبہ نہیں ہے کہ آپ اس کو ہر زمانہ اور ہر موقع پر قائم رکھنے کے خواہش مند رہیں گے۔[1]

مذکورۂ بالا خط کے پہنچنے پر ہیسٹنگز نے نہ تو حافظ الملک کو ملاقات کا موقع دیا اور نہ تحریک مصالحت کو کامیاب بنانے میں کسی قسم کی امداد دی بلکہ روہیل کھنڈ پر فوراً حملہ کرنے کے ارادہ سے ۳ فروری ۱۷۷۴ء کو شجاع الدولہ نے جب اسے مطلع کیا تو حق و ناحق میں کسی قسم کا امتیاز کئے بغیر محض چالیس لاکھ کی رقم کی بدولت انگریزی فوج بسر کردگی کرنل چمپین اودھ کو روانہ کر دی۔

ہیسٹنگز کی جانب سے مایوسی ہو جانے اور ۱۲ اپریل ۱۷۷۴ء کو کرنل چمپین کا بریگیڈ اودھ کی سرحد پر پہنچ جانے کی حافظ الملک کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ اطلاع ملی تو انھوں نے ایک خط کرنل چمپین کو بھی لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ :۔

سال گزشتہ جب مرہٹے ساحل گنگا تک بڑھ آئے تھے اور نواب وزیر جنرل باکر اور آپ یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے نواب وزیر سے اپنے دیرینہ تعلقات

---

[1] ضمیمہ سوم۔ ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

کا لحاظ کرکے جیسا کہ آپ کو علم ہے پیمان دوستی کرلیا تھا اور مرہٹوں کے ساتھ اتحاد عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے تکو ہلکر ایک مرہٹہ سردار گنگا پار کرکے اس ملک میں داخل ہوگیا۔ نواب وزیر کی فوج کو میری امداد کرنی چاہیئے تھی لیکن ایسا نہ ہوا اور میں نے تنہا ہر ممکن سرعت کے ساتھ دشمن سے جنگ کی اور اسے ذلت و پشیمانی دے کر دریا کی دوسری جانب بھگا دیا۔ اس کے بعد نواب وزیر اور جنرل صاحب نے مجھے اپنے پاس بلایا اور ملاقات ہونے پر جب انہوں نے مرہٹوں سے گنگا کے اس پار جنگ کرنے کی اپنی تجویز سے مجھکو مطلع کیا تو میں ان کا ساتھ دینے پر تیار ہوگیا۔ خدا کا شکر ہے کہ امور محبت و وفاداری میں میری جانب سے کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے جس کا آپ کو بھی احساس ہوگا۔ شاہ آباد میں نواب وزیر سے ملاقات کے وقت جبکہ دوستانہ سمجھوتہ ہوا تو جنرل صاحب نے یہ کہا تھا کہ اس سمجھوتہ کی ہم دونوں پابندی کریں گے، چنانچہ اس عرصہ میں میری جانب سے شرائط دوستی کے خلاف کچھ عمل میں نہیں آیا ہے لیکن پھر بھی نواب وزیر نے بے وجہ دشمنی کو اپنے ذہن نشین کرلیا ہے۔ آپ کہ جنرل صاحب کی جگہ تشریف لا رہے ہیں اس لئے میں انتہائی مسرت کے ساتھ یہ تحریر لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ حسب دلخواہ انبساط انگیز خطوط سے مجھے سرفراز فرمائیں گے"[1]

کرنل چیمپین ایک نہایت شریف، رحمدل اور منصف مزاج شخص تھا اور اس کو روہیلوں اور ان کے سردار حافظ الملک سے بہت ہمدردی تھی، مگر اس موقع پر وہ کسی کی مدد کرنے سے بالکل قاصر تھا، کیونکہ اس کے اختیارات بہت محدود تھے اور صرف فوجی معاملات اس سے متعلق تھے سیاسی گفت و شنید کے لئے ہیسٹنگز نے ریذیڈنٹ مڈلٹن کو زیادہ قابل اعتبار سمجھا تھا۔ تاہم

---

[1] انڈیا آفس ریکارڈس۔ منقول از ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

کرنل چمپین نے معقولیت کو کام میں لا کر ۱۳ اپریل کو حافظ الملک کے خط کا جواب دیا اور دوستانہ مشورہ دیا کہ آپ اس موقع پر جس طرح بھی ہو شجاع الدولہ کے تمام مطالبات پورے کر دیجئے حافظ الملک نے طوعاً و کرہاً اس مشورہ کو قبول کر لیا اور کرنل چمپین سے شجاع الدولہ کے صاف و صریح الفاظ میں موجودہ مطالبات معلوم کرنے کی درخواست کی۔ اس پر ۱۹ اپریل ۱۷۷۴ء کو کرنل مذکور کا مندرجہ ذیل خط موصول ہوا کہ :۔

"گذشتہ تین سال کے عرصہ میں روہیلہ قوم کی اعانت و امداد کرنے کی وجہ سے نواب وزیر کے دو کرور روپئے صرف ہو گئے ہیں۔ ان کے یہ اخراجات آپ کے علم میں ہوں گے اس لئے میں آپ کو ان کی دو کرور روپیہ کی موجودہ خواہش سے مطلع کرتا ہوں، اگر آپ مناسب سمجھیں تو صاف صاف لکھئے کہ آیا آپ یہ رقم ادا کر سکتے ہیں...... اگر آج آپ کا جواب نہ ملا تو کل میں فوج لے کر آپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔"[1]

چالیس لاکھ سے دو کرور روپیہ کا نامعقول اور غیر منصفانہ مطالبہ معلوم کرنے کے بعد حافظ الملک کو یقین ہو گیا کہ اب مصالحت کوشی بیکار ہے اور چونکہ اس وقت تک انگریزوں اور شجاع الدولہ کی فوجیں بھی حدود روہیل کھنڈ میں داخل ہونا شروع ہو گئی تھیں اس لئے جنگ کی تیاری شروع کر دی لیکن ساتھ ہی انہوں نے اس خیال سے کہ شاید کسی موقع پر تمسک والے چالیس لاکھ روپیہ ہی پر معاملہ کی گفت و شنید عود کر آئے کرنل چمپین سے خط و کتابت کا سلسلہ منقطع نہ کیا اور ایک خط میں لکھا کہ کل سہ پہر کو روہیلہ سرداروں کا آپس میں مشورہ ہو گا اس کے بعد آپ کو قطعی جواب دیدیا جائے گا۔

دوسرے روز حافظ الملک نے روہیل کھنڈ کے تمام چھوٹے بڑے امراء اور سرداروں کو قلعہ بریلی میں مشورہ کے لئے طلب کیا۔ وقت مقررہ پر جب فتح اللہ خاں وغیرہ پسران دوندے خاں

---

[1] انڈیا آفس ریکارڈس۔ منقول از ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

اور فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں اور دیگر رؤسائے افاغنہ جمع ہو گئے تو حافظ الملک نے ایک تقریر کی اور فرمایا کہ :-

"شجاع الدولہ اپنے سامان جنگ، قواعد داں فوج اور انگریزوں کی اعانت کے بھروسے پر ہمارا ملک چھیننے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس وقت ہم لوگوں کی اس کے مقابلہ میں عہدہ برآئی مشکل ہے، پس مناسب یہی ہے کہ روپیہ ادا کر دیا جائے ورنہ انگریزی توپ خانہ کے سامنے سب آبرو خاک میں مل جائے گی، تمہارے اور تمہارے اہل خان کے سینوں سے دھوئیں کے بادل اٹھیں گے اور تم میدان جنگ سے فرار ہونے پر مجبور ہو گے۔ آبروئے مردمی جاتی رہے گی"[1]

حافظ الملک کی اس تقریر کا بہ استثنائے معدودے چند حاضرین دربار روہیلہ سرداروں پر کچھ اثر نہ ہوا، کیونکہ اس وقت تک قریب قریب تمام لوگ اپنی اپنی غیرت وحمیت کو بالائے طاق رکھ کر شجاع الدولہ سے سازش کر چکے تھے اور حافظ الملک کے درپئے تخریب تھے ان محسن کشوں نے اپنے اپنے حصہ کے اس روپیہ کے دینے سے بھی انکار کر دیا جس کے حافظ الملک ان کی جانب سے ضامن بنے تھے اور تنگ دستی کا عذر لنگ پیش کر کے نمائشی غرور و شجاعت کا اظہار کر کے لڑائی کی ترغیب دینے لگے، حافظ الملک ان لوگوں کے طرز عمل سے سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور اپنے دل میں سمجھ گئے کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ موت سے روگردانی ناممکن ہے۔ راضی بہ رضائے الٰہی ہو کر جام شہادت نوش کرنے کے لئے جس کی ہمیشہ سے انہیں تمنا و آرزو تھی تیار ہو گئے اور بریلی سے بہ ارادۂ جنگ دشمن کے مقابلہ میں کوچ کرنے کا اعلان فرما دیا۔

دیوان پہاڑ سنگھ کی ہمدردی حافظ الملک کا یہ اعلان سُن کر اُن کے دیوان راؤ پہاڑ سنگھ سے زیادہ ضبط نہ ہو سکا اور جذبۂ وفاداری میں مبہوت ہو کر اس نے انتہائی اخلاقی جرأت

---

[1] سیر المتاخرین۔

کے ساتھ سرِ مجلس عرض کیا کہ :۔

"اہلِ کٹھیر کی ناہمواری حضور پر روشن ہے اور بغیر سرداران سپاہ کا لڑنا امر دشوار ہے۔ صلاح دولت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کرنل چیمپین کے حسب خواہش صلح پر رضامندی کی جائے اور بندہ کو حکم فرمایا جائے کہ زرِ معاملہ جہاں کہیں سے ہو سکے بہم پہنچا کر جنرل صاحب کے پاس روانہ کر دوں[1]۔"

حافظ الملک جو ابھی ابھی اپنے سرداروں اور خانہ پروروں کی کور نمکی و بے وفائی کا اپنے قلب پر گہرا زخم کھا چکے تھے اور اس دنیائے دوں سے دل برداشتہ ہو کر اپنی شہادت کے خواہاں ہو گئے تھے فرمانے لگے کہ :۔

"اگر میرے پاس کافی روپیہ ہوتا تو میں بھیج دیتا۔ دوسرے لوگوں سے اب روپیہ طلب کرنا، زبردستی وصول کرنا یا شجاع الدولہ سے اس معاملہ میں خوشامد کرنا اپنے شایان شان نہیں سمجھتا۔ شاید خدا اسی قضیہ کو میری شہادت کا سبب بنا دے جس کی میرے دل میں آرزو ہے۔ اپنے ملک کی حفاظت میں ایسی عزت کی موت مجھے پھر کب میسّر آئے گی۔"

دیوان صاحب نے مکرر عرض کیا کہ :۔

"اتنے روپیہ کے سرانجام کے واسطے نہ دوسرے لوگوں سے طلب کرنے کی ضرورت ہے اور نہ شجاع الدولہ کی خوشامد کی حاجت۔ میں رائے بنرچند سے طلب کر کے حضور میں پیش کئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد ساہوکاروں سے قرض لے کر حسب وعدہ ادا کر دوں گا۔"

حافظ الملک نے دیوان پہار سنگھ کے اس معروضہ سے خوش ہونے کے بجائے ناراضی کا

---

[1] گل رحمت

کا اظہار کیا جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنے رفقاء اور سرداروں کی بے وفائی سے اس قدر دل تنگ ہو گئے تھے کہ اب ان کو سوائے شہادت کے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آتا تھا آپ نے دیوان پہاڑ سنگھ سے ارشاد فرمایا کہ:-

"اگر شجاع الدولہ کی زر معاملہ کے متعلق مہری رسید منگوا لینا تمہارے لئے ممکن ہے تو میرے بقائے دوام کا نوشتہ بھی خدا کے یہاں سے منگوا دو کہ اس پر مطمئن ہو کر طالب شہادت نہ بنوں[1]"

یہ جواب سنکر دیوان پہاڑ سنگھ نے سکوت اختیار کیا اور مزید اصرار کی جرأت نہ کی حاضرین مجلس میں سے دو ایک اور مخلصین مثل مستقیم خاں وغیرہ نے دیوان پہاڑ سنگھ کی تائید میں لب کشائی کرنی چاہی تو وہ بھی حافظ الملک کے جوابات عتاب آمیز و حسرت خیز سن کر مجبوراً خاموش ہو گئے۔ اس قدر کارروائی کے بعد حافظ الملک تن بہ تقدیر لڑنے مرنے پر کمر بستہ ہو گئے اور اپنے سرداروں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ:-

"جس کو میری ہمراہی منظور ہو میرے ساتھ رہے اور جس کو منظور نہ ہو اختیار ہے کہ ساتھ چھوڑ کر چلا جائے۔ مجھ کو اعدا کی کثرت اور احبا کی قلت کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اگر ایک شخص بھی میرے ہمراہ نہ ہوگا تو بھی میں شجاع الدولہ کے مقابلہ سے منہ نہ موڑوں گا۔"

ساتھ ہی حافظ الملک نے ایک اہم تاریخی خط شجاع الدولہ کو تحریر فرمایا جو فصاحت و بلاغت میں بے نظیر اور فن انشاپردازی کا اعلیٰ ترین نمونہ تسلیم کیا جاتا ہے اس مکتوب گرامی کا اصل فارسی متن حسب ذیل ہے

نواب صاحب مشفق مہربان قدردان مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ

اگر صلاح دولت کیشاں بہ صلح ہم رنگ است۔ بارک اللہ و گر

---

[1] گل رحمت

بستیز و جنگ است بسم اللہ۔

جہاں مرداں نتابند از کسے روئے
ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمی گوئے"[1]

---

[1] نواب بیگم صاحبہ والدہ نواب شجاع الدولہ نے ازراہ شفقت مادری نواب سے کہا کہ میں نے حافظ الملک کو دیکھا ہے وہ شخص نہایت جری، متقی و پرہیز گار معلوم ہوتا ہے۔ میرے نزدیک مناسب ہے کہ تم حافظ رحمت خاں سے ارادہ جنگ کا نہ کرو اول تو فتحیابی دشوار و اگر تمہاری فتح بھی ہوئی تو نتیجہ اس کا اچھا نہ ہوگا۔ نواب شجاع الدولہ نے اپنی والدہ شفقہ کی فہمائش کا کچھ خیال نہ کیا۔

تاریخ سلیمانی از سلیمان خاں اسد صفحہ ۹۳-۹۴

(۳۲)

حافظ الملک کی میدان جنگ کو روانگی اور رعایائے روہیلکھنڈ

شجاع الدولہ سے اتمام حجت کے بعد حافظ الملک اپنے صاحبزادوں، چند وفادار سرداروں اور تھوڑی سی سپاہ کے ہمراہ قلعہ بریلی سے باہر نکلے اور آنولہ کی طرف کوچ کیا۔ آنولہ پہنچکر سب سے پہلے حافظ الملک نواب علی محمد خاں مرحوم کے مقبرہ میں تشریف لے گئے جہاں کچھ دیر فاتحہ خوانی وغیرہ میں مشغول رہ کر مقبرہ کے بالمقابل ایک میدان وسیع میں برآمد ہوئے یہاں اس وقت تک ہمراہ رکاب فوج کے علاوہ ان کی تشریف آوری کی خبر سن کر اہالیان آنولہ بھی کثیر تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ اس تمام مجمع کے سامنے حافظ الملک نے جہاد کا علم سبز بلند کیا اور ایک پُراثر تقریر کی جس کا یہ اثر ہوا کہ حاضرین پر رقت طاری ہو گئی اور جوش و خروش میں سرشار ہو کر اپنے ولی نعمت کی حفاظتِ جان و مال اور اپنے وطن عزیز کی آزادی قائم و برقرار رکھنے کے لئے سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ عوام پر اس جذبہ کا طاری ہونا قدرتی امر تھا۔ کیونکہ عموماً عوام الناس غدّار و ملّت فروش نہیں ہوتے۔ غدّاری و ملّت فروشی نتیجہ ہوتی ہے آرام کوشی اور جاہ طلبی کا جو امراء اور دولت مند طبقہ کے لئے ہمیشہ سے مخصوص رہی ہے۔ چنانچہ حافظ الملک نے آنولہ میں چند ہی روز قیام کیا تھا کہ شہر فرخ آباد اور روہیل کھنڈ کے دوسرے شہروں کے قصبہ قصبہ اور گاؤں گاؤں سے کیا نوکر اور کیا غیر نوکر، کیا پٹھان اور کیا غیر پٹھان اپنے وطن کی عزت قائم رکھنے کی خاطر ہزاروں کی تعداد میں اپنے "حافظ بادشاہ" کے گرد جمع ہو گئے۔ اسی طرح بکثرت راجپوت زمیندار جو حافظ الملک کے زمانہ میں آسائش و آرام کے ساتھ بسر اوقات کرتے تھے بغیر بلائے جوق جوق فوج میں شامل ہو گئے

اس قسم کے لوگوں کی جمعیت لشکر میں روز بروز زیادہ ہوتی گئی خویش و بیگانہ کے طعن و تشنیع کے خوف سے ارباب نفاق اور سازشی لوگ بھی اس خیال سے کہ مبادا حافظ الملک کو کامیابی ہو جائے اور پھر ان سے واسطہ پڑے، حافظ الملک کی جمعیت میں شامل ہونے کی کوشش کرنے لگے چنانچہ جب یہ اطلاع ملی کہ شجاع الدولہ نے براہ مہدی گھاٹ دریائے گنگ کو عبور کر لیا اور شاہ آباد کی طرف سے روہیل کھنڈ پر حملہ کر دیا۔ حافظ الملک آنولہ سے موضع ٹانڈا پہنچ گئے تو وہاں محب اللہ خاں کی عرضی پہنچی کہ آج کل چند در چند تکالیف کے سبب سے ہمارے ملازموں کی تنخواہ نہیں ملی ہے جس کے باعث تمام اہل سپاہ رفاقت سے علیحدہ ہو کر اپنے اپنے گھروں میں جا بیٹھے ہیں اگر حضور سے کچھ خرچ مرحمت ہو جائے تو سپاہ کو تقسیم کر کے ہمراہ لے آؤں ورنہ میرے تنہا آنے سے کوئی فائدہ مترتب نہ ہوگا، اگرچہ حافظ الملک کو یہ بات معلوم تھی کہ تنگ دستی کا عذر محض بہانہ ہے تاہم اپنی علو ہمتی سے پندرہ ہزار روپیہ اس کے پاس روانہ کر دیا۔ دس ہزار روپیہ محمد یار خاں خلف نواب علی محمد خاں کو دیا اور اسی طرح اور بھی جس کسی نے اپنی حاضری میں تہی دستی کا عذر کیا اسے اپنی تنگدستی کے باوجود کچھ نہ کچھ ضرور عنایت کیا۔ ٹانڈا میں حافظ الملک کی فوج کی تعداد بیس پچیس ہزار ہو گئی تو انہوں نے دریائے گنگ کو عبور کیا اور فرید پور میں داخل ہو گئے، ادھر شجاع الدولہ بہ ہمراہی کرنل چمپین، ضابطہ خاں اور مظفر جنگ وغیرہ ایک لاکھ پندرہ ہزار فوج کے ساتھ حدود شاہجہاں پور میں داخل ہوئے شاہجہاں پور میں داخلہ کے وقت وہاں کا حاکم عبد اللہ خاں حافظ الملک سے عزیزداری اور ان کے دیرینہ احسانات کو فراموش کر کے تین چار کوس سے استقبال کو آیا۔ شجاع الدولہ پر شاہجہاں پور کے پٹھانوں کا جو بیس ہزار مرد جنگی تھے بہت خوف طاری تھا اس لئے انہوں نے عبد اللہ خاں کی حد درجہ دلجوئی اور خاطر داری کی اور خلعت سرفرازی عنایت کر کے اپنے ہمراہ راہ بری کے لئے لے لیا ایک رات اور ایک دن شاہجہاں پور میں ٹھہر کر شجاع الدولہ تلہر کو روانہ ہوئے۔

شجاع الدولہ کی شاہجہاں پور سے تلہر کو روانگی کی خبر پاکر حافظ الملک بھی فرید پور سے چل دئے اور دریائے بھگل کو عبور کر کے کٹرہ میران پور میں وارد ہوئے۔ اس مقام سے شجاع الدولہ کی

لشکر گاہ کا سات آٹھ کوس کا فاصلہ تھا اور دونوں لشکروں کے درمیاں نہایت گھنے آموں کے باغ واقع تھے جن کے باعث ہر دو فریق اپنی اپنی جگہ جم کر سامان جنگ کے درست کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اسی حال میں دو تین دن گذارنے کے بعد شجاع الدولہ نے کرنل چمپین کے مشورہ سے جو نقشہ جنگ تجویز کرنے میں یگانۂ عصر تھا۔ پیلی بھیت کی طرف کوچ کا ارادہ کیا اور قریب ہی موضع موسلی میں ایک میدان وسیع و ہموار میں پہلی منزل کی۔ پیلی بھیت کی جانب شجاع الدولہ کے رخ کرنے کی افواہ مشہور ہوئی تو حافظ الملک کو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے جو پیلی بھیت میں تھے اپنی موجودہ جائے قیام کو جو توپوں کی زد سے بہت محفوظ تھی چھوڑنا پڑا اور موضع موسلی کے میدان ہموار میں ۲۲ را پریل ۱۷۷۴ء بروز جمعہ ڈیرے ڈال دئے اور اس طرح سے دشمن کے پیلی بھیت کی طرف بڑھنے کا راستہ مسدود کر دیا۔

گلستان رحمت، گل رحمت، تاریخ سلیمانی اور تاریخ اخبار حسن وغیرہ میں مذکور ہے کہ اسی روز ایک اجنبی درویش حافظ الملک کے خیمہ کے دروازے پر پہنچا اور حاضر خدمت ہونے کی اجازت حاصل کرکے عرض کیا کہ:۔

میرے پیرومرشد اسی جگہ سکونت رکھتے ہیں انہوں نے مجھ کو آپ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا ہے کہ آپ کو یاد ہوگا کہ ہندوستان کو روانگی کے وقت میں نے علاقہ روہیل کھنڈ کی حکومت کی خوش خبری آپ کو پہنچائی تھی جو عمل میں آگئی اب فتح یا شہادت ان دونوں میں سے آپ ایک امر کو قبول کر لیجئے تاکہ اس کے واسطے درگاہ حق تعالےٰ میں دعا کی جائے کیونکہ یہ امر ہنوز خدائے تعالیٰ کے حکم سے قضائے معلق کے طور پر ہے"!

حافظ الملک نے درویش سے دریافت فرمایا کہ

اگر میں فتح مانگوں تو اس کے بعد بھی مجھے شہادت نصیب ہوگی یا نہیں؟

درویش نے جواب دیا۔

دید نہیں"

اس پر حافظ الملک نے تھوڑے تامل کے بعد ارشاد فرمایا کہ:۔

"میں اپنی اولاد کے معاملہ میں جن کو ابھی پست و بلند زمانہ کا تجربہ نہیں ہے غور کرتا تھا لیکن چونکہ حصول شہادت کے مرتبہ کو سب سے مقدم جانتا ہوں اس لئے اپنی اولاد کے معاملہ کو خدا کے سپرد کرکے اب شہادت کا خواہاں ہوں"

فقیر روشن ضمیر نے کہا کہ:۔

اس طرف سے آپ خاطر جمع رکھیں آپ کی اولاد کو ڈیڑھ سال سے زیادہ تکلیف نہ پہنچے گی اور آپ کا دشمن جس روز پیلی بھیت پہنچکر دریائے دیوہا کے کنارے خیمہ انداز ہوگا اور سیمل کا درخت اس کے خیمہ میں ہوگا اسی روز پیک اجل اس سے ملاقات کریگا۔[1]

یہ باتیں کرکے درویش رخصت ہوگیا اور حافظ الملک اسی وقت سے اپنی شہادت کی دھن میں پڑ گئے اور سپاہ کے نظم ونسق اور تدابیر جنگ کی پرواہ چھوڑ دی۔ آج جمعہ کا روز تھا حافظ الملک کے خادم خالص صالح محمد نے غسل اور تبدیل پوشاک کے واسطے عرض کیا تو فرمایا کہ انشاءاللہ کل کو غسل اور تبدیل لباس دونوں ہوجائیں گے۔

صالح محمد نے اپنے آقا کے اس غیر معمولی رنگ طبیعت کا حافظ الملک کے صاحبزادوں سے ذکر کیا تو وہ مع نواب فیض اللہ خاں، مستقیم خاں اور عبدالجبار خاں وغیرہ حاضر خدمت ہوئے لیکن چہرۂ اقدس پر غیر معمولی تغیرات مشاہدہ کرکے اور رعب وجلال کے آثار ہویدا دیکھ کر دریافت حال کی جرأت نہ کرسکے اور بہت کچھ پس وپیش کے بعد یہ لوگ صرف اتنا عرض کرسکے کہ اگر حکم ہو تو مورچے ترتیب دیکر دو چار روز تک جنگ قراولی کرتے رہیں تاکہ اس عرصہ میں ہمارے لشکر کی تعداد زیادہ ہوجائے کیونکہ ہمارے پاس روزانہ دو تین ہزار تازہ سوار اور پیادے طول وعرض روہیل کھنڈ

---

[1] گل رحمت۔ اس روایت کی ظاہر ہے کہ تاریخی اہمیت کچھ نہیں ہے، لیکن اہل باطن کے نزدیک ایسی باتیں حقیقت کا درجہ رکھتی ہیں (مولف)

سے آ رہے ہیں۔" حافظ الملک نے جواب دیا کہ چونکہ فریق ثانی کو جنگ میں عجلت منظور ہے۔ توقف و درنگ کرنا طریقۂ نام و ننگ کے خلاف ہوگا فتح و شکست کا معاملہ فوج کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے جیسا خدا کو منظور ہوگا ظہور میں آئے گا۔ مخلوق خدا کو زیادہ عرصہ تک ورطۂ ہلاکت میں ڈالنا مردانگی و دانش سے بعید ہے۔

(۳۴)

کٹرہ میراں پور کی لڑائی اور حافظ الملک کی شہادت

کٹرہ میران پور کے باغوں میں سے نکل کر حافظ الملک کے میدان ہموار میں خیمہ افگن ہوجانے پر شجاع الدولہ اور کرنل چیمپین نے جنگ میں زیادہ توقف کرنا خلاف مصلحت سمجھا کیونکہ ہر چہار جانب سے بکثرت افغانوں اور راجپوتوں کے روزانہ آنے سے حافظ الملک کی طاقت میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا اور اب ان کی فوج کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ گیارھویں صفر بروز شنبہ ۱۱۸۸ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۷۷۴ء کو شجاع الدولہ نے علی الصباح طبل جنگ بجا دیا۔ اور اپنی فوجوں کو آراستہ ہونے کا حکم دے دیا۔ سپیدۂ صبح نمودار ہوتے ہوتے تمام لشکر صف بستہ ہوگیا کرنل چیمپین کی انگریزی فوج جس میں توپ خانہ بھی شامل تھا بطور ہراول لشکر سب سے آگے متعین ہوئی۔ لبنت علی خواجہ سرا اور سید علی خاں بھی اٹھارہ ہزار بندوقچی تلنگوں کے ساتھ اسی فوج میں شریک تھے۔ نو ہزار برق اندازوں اور سات ہزار پیادوں کے ہمراہ محبوب علی اور لطافت علی خاں خواجہ سرا میمنہ اور میسرہ پر مقرر ہوئے۔ خود شجاع الدولہ نے سواروں کے ایک بہت بڑے غول کے ساتھ ضابطہ خاں اور مظفر جنگ کی معیت میں لشکر گاہ سے دور فوج ہراول کے عقب میں اپنی جگہ اختیار کی۔ فوج کی ترتیب مکمل ہوگئی تو شجاع الدولہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ حافظ الملک کے لشکر کی طرف بڑھے۔

اس طرف حافظ الملک نے تمام رات شب بیداری اور عبادت و ریاضت میں بسر کی تھی صبح کے وقت شجاع الدولہ کی جنگ کے ارادے سے روانگی کی خبر سنی تو بھی معمولی ورد وظائف میں

مشغول رہے اور اپنی فوج کو کوئی حکم صادر نہیں فرمایا حتیٰ کہ نماز اشراق سے بھی فراغت حاصل کی اس کے بعد مصلے سے اٹھ کر پالکی میں سوار ہوتے اور نواب فیض اللہ خاں کے خیمہ میں آئے اور ان سے فرمایا کہ:۔

میرا وقتِ آخر قریب آگیا ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ جس وقت تک میں زندہ رہوں اس وقت تک تو آپ لڑائی سے منہ نہ موڑیں لیکن میرے بعد جنگ کا قصد ہرگز نہ کریں۔ بلکہ اسی وقت میدان جنگ سے واپس ہو کر میرے ان فرزندوں کے ساتھ جو آپ کے ہمراہ جانا چاہیں دامن کوہ کی طرف چلے جائیے کیونکہ آپ کے واسطے اس سے بہتر کوئی مامن نہیں ہے۔ اگر میرے کہنے کے مطابق آپ نے عمل کیا تو انشاء اللہ اس کا نتیجہ اچھا پائیے گا۔ ورنہ اس کے برعکس ہوگا۔[1]

ان ارشادات کے بعد حافظ الملک نواب فیض اللہ خاں کے پاس سے اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور دس ہزار سواروں کو ہمراہ رکاب لے کر آہستہ آہستہ میدان جنگ کی سمت روانہ ہوئے بقیہ لشکر بھی بغیر کسی خاص ترتیب کے بمین و لیسار سے بسرکردگی نواب فیض اللہ خاں، محمد مستقیم خاں محب اللہ خاں اور احمد خاں وغیرہ غنیم کے مقابلہ میں روانہ ہوا۔ تھوڑا سا میدان طے کیا تھا کہ شجاع الدولہ کا لشکر ہراول دکھائی دیا اور چند ہی لمحے بعد حافظ الملک کے لشکر میں توپ کے گولوں کی بارش ہونے لگی۔ دشمن کی گولہ باری کے جواب میں اوّل محمد مستقیم خاں نے فوراً دو تین ہزار سواروں کو ساتھ لے کر جانب لیسار سے انگریزی فوج پر ایک زور شور کا حملہ کیا اور آناً فاناً میں ہمراہی فوج کی کشتگی اور خستگی کی پرواہ کئے بغیر پہلے توپوں کی حد کو پار کیا پھر بندوقوں کی زد کو گزارا اور وہ اور اس کے ساتھی تلواریں نیام سے نکال کر انگریزی فوج پر لوٹ پڑے۔ وفور دلاوری سے اس قدر سخت شمشیر زنی کی کہ دشمن کے چھکے چھڑا دئے اور دست بدست لڑائی میں کشتوں کے

---

[1] گل رحمت۔

پشتے لگا کر مخالف سے چند عدد توپیں چھین لیں۔ تاہم انگریزی فوج جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھی اس ثابت قدمی سے لڑی کہ پٹھانوں کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ مستقیم خاں کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر جابجا زخم تھے پھر بھی تلوار قبضہ میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا اس کی یہ بے جگری اور دلاوری دیکھ کر دوسرے بہادروں کو بھی حوصلہ افزائی کا موقع ملا اور نواب فیض اللہ خاں نے پانچ ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت سے جانب یمین سے لشکر غنیم پر حملہ کر دیا ان کے ہمراہی انتہائی دادِ مردانگی دے کر فوج مقابل سے بھڑ گئے اور دشمن کو اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اسی اثناء میں حافظ الملک بھی اپنے دس ہزار سواروں کو لے کر ہنگامۂ کارزار میں شریک ہو گئے۔ اب سب طرف جنگ ہونے لگی۔ انگریزی فوج نے حافظ الملک کے دستۂ فوج پر خاص طور سے نہایت سرگرمی کے ساتھ توپیں سر کرنا شروع کیں۔ جب حافظ الملک کے لشکر پر پے بہ پے گولے گر رہے تھے اور افغان نہایت پامردی کے ساتھ مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے تو احمد خاں غدار نے جنگ کے شباب پر آنے سے پہلے ہی ہلڑ مچا دیا اور اس نے اور اس کے ساتھیوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ اس بھاگڑ سے خاص حافظ الملک کے لشکری لوگ بھی اصل واقعہ کی تحقیق و تفتیش کئے بغیر اس کی پیروی کرنے لگے۔ حتیٰ کہ چار پانچ سو سپاہیوں کے علاوہ حافظ الملک کے ہمراہ رکاب کوئی نہ رہا۔ اس صورت حال کے واقع ہونے پر لشکر غنیم زیادہ دلیر ہو گیا۔ ایک طرف محمد مستقیم خاں کے لشکر پر دوسری طرف فیض اللہ خاں کے لشکر پر اور قلب لشکر میں حافظ الملک پر مزید زور باندھا اور پہلے سے بھی زیادہ گولہ باری شروع کر دی۔ گولہ باری کی نہایت کثرت ہو گئی تو حافظ الملک کے باقی ماندہ سپاہی بھی منتشر ہونے لگے یہاں تک کہ ان کے فرزندوں اور معدودے چند مخصوص لوگوں کے سوا کوئی ساتھ نہ رہا۔ ایسے نازک وقت میں محمد مستقیم خاں کا ایک فرستادہ کمک طلب کرنے کی غرض سے حضور میں پہنچا۔ حافظ الملک اسی قلیل جماعت کے ساتھ اس کی کمک پر روانہ ہو گئے۔ کچھ ہی دور گئے تھے کہ معلوم ہوا مستقیم خاں ٹھہرنے کی تاب نہ لا کر اپنی قرار گاہ سے پیچھے ہٹ آیا ہے۔ مجبوراً دوبارہ انگریزی فوج کے مقابلہ میں لوٹ آئے اور براہ راست

صرف پچاس آدمیوں سے غنیم پر حملہ کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کو مہمیز کیا، جب بہت قریب پہنچ گئے تو انگریزی فوج کے سرداروں نے آفتاب گیر کی علامت سے انہیں پہچانا اور ان کی طرف توپ کے گولے سر کرنا شروع کئے، اس وقت حافظ الملک اپنے ہمراہیوں سے آگے آگے گھوڑے پر سوار جارہے تھے اور گولے مرکب خاص کے ادھر ادھر گر رہے تھے، جب ان کا ایک جلو دار گولے سے ہلاک ہو گیا تو اس وقت اپنے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کو اذان کہنے کا حکم دیا اور تلوار نیام میں کر کے اور گھوڑے کو روک کر اپنی توجہ اپنے معبود حقیقی کی طرف منعطف کر لی۔ دوران اذان میں ایک بار اپنی زبان مبارک سے کلمہ ادا کرنے کے بعد دوبارہ ادا کرنا چاہتے تھے کہ توپ کا ایک گولہ حافظ الملک کے سینۂ صفا گنجینہ کو بائیں جانب محاذ قلب کو چھوتا ہوا تین گز کے فاصلہ پر جا گرا۔

مؤلف تنقیح الاخبار لکھتا ہے کہ راجہ بلاس رائے پسر راجہ مان رائے اس جگہ موجود تھا کہتا تھا کہ گولہ حافظ صاحب کے پہلو کے برابر سے گزرا تھا جس کا ایک نیلگوں داغ ان کی جلد پر پڑ گیا۔ قیصر التواریخ میں لکھا ہے کہ یہ عجیب بات ہے جسے سب نے آنکھ سے دیکھا کہ اس وقت حافظ صاحب جامۂ ہندوستانی پر تین قرآن شریف پہنے ہوئے تھے وہ جامہ قرآن شریف کی برکت سے نہ جلا چھاتی میں ایک سیاہ دھبہ گولے کی دھمک کا ضرور لگ گیا تھا جس کے صدمہ سے حافظ صاحب گھوڑے سے گر پڑے۔ گل رحمت میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ گولہ سینہ سے ٹکرا کر زمین پر جا گرا۔ اور ایسی آواز ہوئی۔ گویا کہ وہ گولا کسی پہاڑ سے ٹکرایا ہے جسم مبارک پر بجز اس صدمۂ قوی کے اور کوئی اثر نہ ہوا سینہ میں نہ کوئی شگاف ہوا نہ کوئی ہڈی ٹوٹی نہ جلد میں سوختگی کا کوئی اثر نمایاں ہوا نہ جسم گھوڑے سے زمین پر گرا اور نہ روح جسم کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس وقت صدمۂ ناگہانی کی وجہ سے گھوڑے کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ گھوڑا باگ ڈھیلی ہونے کے سبب سے لشکر غنیم کی طرف دوڑا۔ حافظ الملک باوصف اس کے کہ جان جسم میں نہیں رہی تھی اسی گھوڑے پر قائم رہے اور سر سے دستار گرتے ہوئے پا کر اس کو سنبھالنے کے لئے ہاتھ سر پر لے گئے۔ اس حال کو مشاہدہ کر کے جلو داروں نے دوڑ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اس شہسوار

لہ گل رحمت کی بیان کردہ یہ تفصیلات شہادت کافی محیر العقول ہیں۔ واللہ اعلم (مولف)

عرصۂ عدم کو دست بدست خانۂ زین سے اتار کر زمین پر لٹا دیا اور منہ میں پانی ڈالا۔ دو ایک مرتبہ لبوں کو جنبش ظاہر ہوئی اور حسب تمنا جام خوشگوار شہادت نوش کیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۰

حافظ الملک کے صاحبزادے محبت خاں، حافظ محمد یار خاں۔ محمد دیدار خاں، الہ یار خاں اور عظمت خاں جواب تک معدودے چند ملازموں کے ہمراہ پروانہ وار اپنے پدر والا شان کے گرد جمع تھے جوش انتقام میں لاش کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر چاہتے تھے کہ انگریزی فوج میں گھس پڑیں کہ ایک مصاحب نے اور فوج ہمراہ لانے کے حیلہ سے ان لوگوں کو میدان جنگ سے باہر نکال لیا اور بہت کچھ منت وسماجت کر کے انہیں پیلی بھیت کی طرف روانہ کر دیا۔

نواب فیض اللہ خاں اور دوسرے سردار جو اس وقت تک اپنی اپنی مقابل فوج سے لڑائی میں مشغول تھے حافظ الملک کی شہادت کا حال سن کر جنگ وجدال سے دستبردار ہو کر بہزار دشواری اپنی اپنی جاگیروں کو روانہ ہو گئے۔ فوج غنیم نے مفرورین کا دور تک تعاقب کیا اور شجاع الدولہ نے اپنے سواروں کے ایک دستہ سے روہیلوں کا کیمپ لٹوا کر ان کے تمام مال واسباب کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

حافظ الملک کا سر بریدہ حافظ الملک کی لاش ابھی تک دوسرے مقتولین کے ساتھ کس مپرسی کے عالم میں فرش خاک پر پڑی ہوئی تھی۔ اتفاقاً ایک شخص سلطان خاں نامی کی اس پر نظر پڑی۔ چونکہ یہ شخص شجاع الدولہ کی ملازمت کرنے سے قبل حافظ الملک کی سرکار میں بھی نوکرہ چکا تھا اس لئے اس نے پہچان لیا اور سر مبارک کو جسم سے علیحدہ کر کے بڑی شیخیاں اور ڈینگیں مارتا ہوا شجاع الدولہ کے پاس لے گیا گویا کہ میدان جنگ میں دست بدست لڑنے کے بعد سر کاٹ کر لایا ہے۔ شجاع الدولہ کو اصل حال پہلے سے معلوم تھا تاہم تعرض نہ کیا سر کو ہاتھ میں لے لیا اور سلطان خاں کو ایک ہاتھی، دوشالہ اور زرنقد انعام میں عطا کیا جس وقت حافظ الملک کا سر شجاع الدولہ

کے ہاتھ میں تھا تو اس وقت چہرۂ انور گرد آلود تھا اور اس پر خون کی سیاہ دھاریاں کھنچی ہوئی تھیں۔ پھر بھی ایک قسم کی شگفتگی کے آثار نمایاں تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ معرکہ جنگ میں شجاع الدولہ کو نہیں بلکہ حافظ الملک کو کامیابی ہوئی تھی جس کی خوشی میں لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ کھلی ہوئی بڑی بڑی نورانی آنکھوں پر نظر پڑی تو ان میں رعب و جلال کی بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔ ایک محسن محسن کش کو دیکھ رہا تھا۔ شجاع الدولہ کے ہاتھ کانپنے لگے، جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دل و دماغ پر خوف وہراس کے جذبات طاری ہو گئے۔ بے اختیار زبان سے نکلا۔

"خدا شاہد ہے میں ایسا روز بد آپ کے لئے نہ چاہتا تھا"[1]

عین اسی عالم میں شجاع الدولہ کے سالے سالار جنگ نے حاضر خدمت ہو کر مبارکباد پیش کی۔ مبارکباد! ان دو لفظوں میں کیا جادو تھا کہ پرواز تخیل کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ روحانی شکست پر مادی کامیابی غالب آگئی اور دل کی نرمی سختی سے مبدل ہو گئی۔ اب جو حافظ الملک کے چہرہ کو دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ :۔

"الحمد للہ۔ آج اس قوم کی بے انتہا گستاخیوں کا جو میرے باپ اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کی تھیں خاطر خواہ بدلہ لے لیا"

سالار جنگ نے چاہا کہ حافظ الملک کی پیشانی کی خاک اپنے رومال سے صاف کر دے تو شجاع الدولہ نے منع کیا اور کہا کہ یہ خاک میری پیشانی کی زینت ہے۔ اس کے بعد براہ ستم ظریفی حکم دیا کہ یہ سر نواب ضابطہ خاں اور نواب مظفر جنگ کے پاس شناخت کے لئے لے جاؤ اور شاہ مدن پیرزادے کو بھی دکھاؤ۔

نواب ضابطہ خاں نے دیکھ کر کہا کہ :۔

---

[1] قیصر التواریخ

"واقعی یہ سر حافظ رحمت خاں کا ہے دوسرے کا نہیں"

اور نواب مظفر جنگ نے یہ کہا کہ :۔

"اسی ریش فش پر جناب عالی سے لڑنے کو آمادہ ہوتے تھے"[1]

مذکورہ نوابوں نے شجاع الدولہ کی خوشنودی مزاج کی خاطر پانچ پانچ سو روپیہ کا سلطان خاں کو انعام بھی دیا[2]

شیر کا سر ان دونوں روباہ صفت نوابوں کے پاس سے سید شاہ مدن کے پاس لے جایا گیا۔ سید صاحب با حمیت اور اہل دل تھے، حافظ الملک کا سر دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے کہ :۔

"ہاں یہ اسی مسلمان کا سر ہے"

اور بآواز بلند برجستہ یہ شعر پڑھا :۔

سر گشتہ بر نیزہ میزد نفس ؎ کہ معراج مرداں ہمیں است و بس

سید شاہ مدن کی یہ دلیری اور راست گوئی شجاع الدولہ کو سخت ناگوار گذری اس وقت تو بہر حال ضبط کیا، لیکن بسولی میں داخل ہونے کے بعد سید موصوف کا تقریباً ایک لاکھ روپیہ کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا اور بے گناہ قید کر کے ان پر اس قدر مظالم توڑے کہ بالآخر ان کا قید خانہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ سید شاہ مدن کی اخلاقی جرأت اور حق پژوہی کا آج تک سرزمین روہیلکھنڈ میں چرچا ہے اور ان سے نسبت دیتے ہوئے یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے۔

بڑھائی شیخ نے داڑھی اگرچہ سن کی سی ؎ مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

سید شاہ مدن کی نیک نامی کے ساتھ ہی ساتھ سلطان خاں مردود شمر لعین کی طرح بدنام ہے، چنانچہ مندرجہ ذیل قطعہ بہت مشہور ہے :۔

---

[1] قیصر التواریخ [2] اخبار الصنادید [3] تاریخ سلیمانی

ہر کس کہ در جہاں کند از قوم خود بدی — از دے یزید در ہمہ اوصاف کمتر است
داری اگر بدل ہوس امتحاں ببیں — سلطان خاں بشمر حرامی برابر است

حافظ الملک کی تجہیز و تکفین

فی الجملہ شجاع الدولہ نے شام ہوتے ہوتے حافظ الملک کی لاش بے سر کو بھی ایک پالکی بھیجکر میدان جنگ سے منگوالیا اور سر کو جسم سے سلوا کر عزیز خاں سالار کے ہمراہ راتوں رات بریلی کو روانہ کر دیا۔ صبح ہوتے ہوتے بروز یکشنبہ لاش بریلی پہنچی۔ شجاع الدولہ کی فتح اور حافظ الملک کی شہادت کی خبر اس سے قبل ہی پہنچ چکی تھی۔ شہر پر غنیم کے حملہ کی افواہیں گرم ہو رہی تھیں اور اہل شہر اپنے اپنے اہل و عیال کو لے کر شدید انتشار و بدحواسی کے عالم میں جس کا جدھر کو منہ اٹھ رہا تھا بھاگ رہے تھے۔ حافظ الملک کی لاش پہنچی تو سب لوگ اپنی اپنی پریشانی اور ہر قسم کے خطرات کو فراموش کر کے اپنے محبوب و ہر دلعزیز سردار کا آخری دیدار کرنے کے لئے اور نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے ٹھہر گئے۔

لاش قلعہ میں داخل ہوئی تو مخلوق کا ایک جم غفیر ساتھ تھا۔ سارے شہر میں گھر گھر صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ مرد و زن برنا و پیر نالہ کناں تھے۔ آہ ایک وہ وقت تھا کہ حافظ الملک بڑے بڑے معرکوں سے با فتح و فیروزی نہایت کروفر اور جاہ و حشم کے ساتھ لوٹا کرتے تھے یا آج وہ وقت ہے کہ ان کی لاش بصد حسرت و یاس ناکام و نامراد شہر میں لائی گئی ہے۔

حافظ الملک کے عہد مبارک میں مخلوق کو جو خوش حالی و فارغ البالی نصیب تھی وہ آفتاب لب بام ہو رہی تھی اور جو شہر ان کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے اپنی سرفرازی و سربلندی میں بے نظیر تھا چرخ گردوں کی ایک ہی گردش سے قعر مذلت میں گرنے والا تھا قریب سہ پہر درمیان ظہر و عصر قاضی و مفتی، علماء و مشائخ، سادات اور فقراء نے مراسم تجہیز و تکفین ادا کئے اور شہر کی جانب غرب بیرون شہر خان محمد خاں کے باغ میں سپرد خاک کر دیا اور وہ آفتاب عالمتاب سترہ سال اور چند ماہ اپنی تابانی و درخشانی دکھا کر ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

سراپائے گیتی ہمہ عبرت است ؛ پس و پیش او حسرت و حیرت است

قبر میں اتارنے کے وقت تک گردن سے خون جاری رہا۔ اس واقعہ کو مجتہدین عصر اور علماء وقت نے شہادت کبریٰ سے تعبیر کیا۔

حافظ الملک کا مقبرہ حافظ الملک کی قبر پر ۱۷۷۵ء میں راؤ پہار سنگھ[1] نے مقبرہ کی تعمیر شروع کر دی تھی لیکن اجل نے انھیں مہلت نہ دی کہ وہ تکمیل کر سکتے۔ تعمیر سے دس ماہ بعد جب ان کا انتقال ہو گیا تو حافظ الملک کے صاحبزادے نواب ذوالفقار خاں نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور ۱۷۸۰ء میں یہ عمارت مکمل ہو گئی۔ ۱۸۱۹ء میں لارڈ مائرا کے حکم سے شہر پناہ پیلی بھیت کا ملبہ فروخت کر کے اس کے روپیہ سے ایک گنبد عالی شان۔ بھول بھلیاں، مسجد بلند و بالا پھاٹک اور مقبرہ کے گرد تقریباً پانچ ہزار گز کے رقبہ میں پختہ چہار دیواری بنائی گئی۔ ۱۸۴۴ء میں زوجہ ملک احمد خاں بنت حافظ الملک نے مقبرہ اور عمارات متعلقہ کی مرمت کرائی اور گنبد پر طلائی کلس چڑھوایا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے کچھ عرصہ قبل مسٹر تھامسن نے بھی مرمت کرائی تھی لیکن

---

[1] راؤ پہار سنگھ قوم کے کھتری تھے اور ضلع ہوشیار پور قصبہ گرسہ دیوالا سے بریلی آئے تھے۔ حافظ صاحب نے انہیں ۴۶۰ گاؤں اضلاع پیلی بھیت، شاہ جہاں پور اور بدایوں میں جاگیر میں دئے تھے۔ تحصیل بیسلپور ضلع بدایوں میں موضع پہار گنج انہیں کے نام سے موسوم ہے۔ راؤ پہار سنگھ کے ایک حقیقی بھائی جنپت رائے تھے ان کو بھی حافظ الملک نے بکثرت دیہات جاگیر میں دئے تھے ان کا دان کیا ہوا ایک نہایت عریض و طویل باغ جو باغ جنپت رائے کہلاتا ہے جانب غرب بیرون شہر بریلی۔ آر۔ کے۔ آر۔ لائن پر (علاوہ خاندانی احاطہ چھتریاں) سادھوؤں کی ملکیت میں آج تک موجود ہے۔ راؤ پہار سنگھ کی حویلی جو پہار سنگھ کی گڑھی کہلاتی ہے، محلہ گڑھیا بریلی میں شکستہ حالت میں باقی ہے اور اس میں ان کے خاندان کے ایک قابل احترام فرد کنور پرتاب سنگھ بعض دوسرے متعلقین کے ساتھ رہتے ہیں۔ انقلابات زمانہ کے ستائے ہوئے تنگدست اور پریشان حال ہیں۔ ان کا شجرہ راؤ پہار سنگھ سے اس طرح ملتا ہے۔ کنور پرتاب سنگھ ابن کنور جوالا پرشاد ابن راؤ بسنت رائے (یہ وہ چودھری بسنت رائے نہیں ہیں جو ۱۸۳۷ء میں ایک دری والے کے ہاتھ سے مارے گئے) ابن راؤ چھل ابن راجہ گوپال۔ ابن راؤ پہار سنگھ۔ پرتاب سنگھ جی کے پاس ان کے بزرگوں کے جمع کئے ہوئے دو صندوق فارسی کے قلمی کاغذات کے محفوظ ہیں بعض بعض کاغذ فن انشاء پردازی کے بہترین نمونے ہیں (مؤلف)

بعد سکون جب انگریزی عمل داری پھر قائم ہوئی خاندان حافظ الملک کی تباہی و بربادی کے باعث مقبرہ کو شکست و ریخت سے بچانے کی کوئی معقول تدبیر نہیں کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گنبد کے علاوہ مقبرہ کی تمام دوسری عمارتیں قریب قریب منہدم ہو چکی ہیں اور قرب وجوار کے رہنے والے کچھ بے درد لوگ ان کے اینٹ مسالہ سے اپنے مکانات تعمیر کر رہے ہیں۔

پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ پیلی بھیت میں نواب انور علی خاں صاحب میونسپل کمشنر بریلی اور مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایونی نے خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب سی آئی۔ای۔ایم۔ایل سی کو اس بارے میں توجہ دلائی تھی اور موصوف کی کوشش سے گورنمنٹ کے محکمہ آثار قدیمہ نے صرف گنبد کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ لیکن گنبد کی حالت بتا رہی ہے کہ محکمہ آثار قدیمہ کی حفاظت میں آجانے کے باوجود بھی وہ بے مرمتی اور کس مپرسی کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ کاش محکمہ مذکور کے ذمہ دار افسر اس جانب اپنی توجہ خاص منعطف فرماتے اور نہ صرف گنبد بلکہ مقبرہ سے متعلق تمام دوسری عمارتوں کی بھی ضروری مرمت کرا کر روہیل کھنڈ کے سب سے بڑے حکمراں اور اس سرزمین کے لاکھوں انسانوں کے ہر دلعزیز ہیرو حافظ الملک مرحوم کی اس آخری یادگار کو صفحۂ ہستی سے فنا ہونے سے بچاتے۔

روہیل کھنڈ کی اس عظیم المرتبت شخصیت کی مادی یادگار کو اچھی حالت میں قائم رکھنے کی ذمہ داری تمام اہالیان روہیل کھنڈ اور دوسرے درجہ پر ساکنان بریلی

عاید ہوتی ہے ضرورت ہے کہ وہ سب مل کر اس طرف توجہ کریں اور مقبرہ کی عمارت اسی حالت میں نظر آنے لگے جیسی آج سے تقریباً سو سال پیشتر نظر آتی تھی۔ اب سے کچھ زمانہ قبل تو بہت سے ایسے لوگ ملتے تھے جو اپنے چشم دید مشاہدہ کی بناء پر یہ کہا کرتے تھے کہ اس مقبرہ کا منظر نہایت پرفضا اور بارونق تھا۔ احاطہ کے اندر خوشنما روشیں اور نہریں نظر آتی تھیں۔ ہر سال مقبرہ اور مزار پر سپیدی ہوتی تھی۔ تاریخ شہادت پر عرس ہوتا تھا جس میں ہزاروں مخلوق خدا جمع ہوتی تھی۔ قل ہوتا تھا اور مشائخ و فقرا کا مجمع ہوتا تھا۔ یہ تو سالانہ ہجوم کا حال تھا۔ یوں بھی

سال کے ۳۶۰ دن میں اس عمارت کے گنبد پر "پیچ نوبت می زند" کی مثل صادق نہیں آتی بلکہ قوم کے چھوٹے بچے اپنے دلکش لہجے میں کلام پاک پڑھتے تھے اور مدرسہ کی صورت میں حافظ الملک کا روحانی فیض اپنا کام کیا کرتا تھا۔

دنیا کی مہذب اور متمدن قوموں نے اپنے اپنے قومی سورماؤں اور مشاہیر کی یادگاریں آج ان کے مقبروں پر سالانہ میلوں کے انعقاد کو اپنا دستور العمل بنالیا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ روہیل کھنڈ بلکہ ہندوستان کی اٹھارویں صدی کے سب سے بڑے ہیرو کی اس سالانہ یادگار کو جو ہمارے پیشرو منایا کرتے تھے پھر زندہ نہ کیا جائے۔

امید ہے کہ ان اوراق کے مطالعہ کا یہ نتیجہ ہوگا کہ کم سے کم لوگوں کے قلوب میں حافظ الملک کی یاد تازہ ہو جائے گی اور آج بھی کوئی خدا کا بندہ اس کام کے لئے کھڑا ہو جائے گا اور اس کی کوشش سے تمام قوم سے بے حسی اور عدم توجہی کا الزام دور ہو جائے گا۔

قطعات تاریخ وفات

ہمارے اپنے زمانہ میں بڑے لوگوں کی وفات پر جیسے جیسے ہنگامے برپا ہوتے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ قیاس کرنا کچھ بیجا نہیں کہ حافظ الملک جیسی عظیم المرتبت شخصیت کی تہلکہ خیز شہادت پر کیسا کچھ اظہار رنج وغم نہ کیا گیا ہوگا۔ چنانچہ اس رنج وغم کا کچھ حال تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور باقی کا اظہار اس زمانہ کے بکثرت نامی وگرامی شعراء کے لاتعداد قطعات تاریخ وفات سے ہوتا ہے جو کتابوں اور لوگوں کے حافظہ میں عرصہ دراز تک محفوظ رہے۔ چند قطعات بطور مشتے نمونہ از خروارے درج ذیل ہیں:-

---

از نواب محبّت خاں ابن حافظ الملک

اذا مات خان النصیر الکبیر ‏ ‏ سئلنا من اللہ تاریخہ
علی سنۃ المصطفیٰ عامل ‏ ‏ فقد قال "فی جنتی داخل"
۱۱۸۸ھ

تاریخ پشتو لا اعلم

آں حافظ جاں حافظ دیں بعد شہادت ‏ ‏ چوں رفت سوئے خلد بریں بہر تماشا
رضواں پئے تعظیم زجا جست وہمی گفت ‏ ‏ در معنی تاریخ کہ "خانا دل راشا"
۱۱۸۸ھ

تاریخ فارسی لا اعلم

شہادت یافت نواب فلک قدر ‏ ‏ بضرب گولۂ توپے علی الصدر
زبس در جنگ آں شیر نرینہ ‏ ‏ دلاور بُد سپر بنمود سینہ
خطابش حافظ الملک ست مشہور ‏ ‏ باکناف جہاں نزدیک وہم دور
قلم سالش بطرز نو رقم کن ‏ ‏ "دو انگشت از چہار انگشت خم کن"
۱۱۸۸ھ

دیگر لا اعلم

چو از لفظ "ظفر" تاریخ جستند ‏ ‏ پئے باقی سر حافظ بریدند
۱۱۸۰ھ ‏ ‏ ۱۱۸۸ھ

دیگر لا اعلم

چو شد حافظ الملک راہی بجنت ‏ ‏ بشوق بہشت از جہاں کرد پدرود
شدم طالب سال تاریخ فوتش ‏ ‏ بگفتا خرد "حافظ مومناں بود"
۱۱۸۸ھ

مقبرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں (بریلی)

از غلام محی الدین اُویسی

رحمت سرشت حافظ ملک ولضیر جنگ | چوں کرد سوئے خلد ز دار الفنا سفر
روز شہادتِ وی و تاریخ ماہ و سال | آں روز شنبہ یازدہم بود از صفر

تاریخ اردو لا اعلم

حافظ کہ جو رحمت میں وہ مستغرق ہے | اس کے غمِ مرگ سے دل اپنا شق ہے
از بس کہ وہ حافظ کلام حق تھا | تاریخ بھی "حافظ کلام حق ہے"

۱۱۸۸ھ

(۳۵)

حافظ الملک کی شہادت کے بعد روہیلوں کا استیصال

حافظ الملک کے شہید ہونے اور روہیلہ فوج کی پوری پوری شکست ہو جانے کے بعد شجاع الدولہ اور کرنل چمپین نے تین روز تک میدان جنگ ہی میں قیام کر کے تسخیر روہیل کھنڈ کا انتظام کیا اور اپنی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے چاروں طرف روانہ کر دئے۔ سواروں کے ایک دستے نے بریلی پر قبضہ کر لیا اور باقی فوج دوسرے اضلاع، قصبات اور دیہات میں پھیل گئی۔ اس فوج نے شجاع الدولہ کے حکم سے سارے علاقے میں ہلچل ڈال دی۔ قتل و غارت اور لوٹ مار کا طوفان عظیم برپا کر دیا۔ ایک ہزار سے زائد گاؤں جلا کر خاک سیاہ کر دئے ہزاروں مکانات اور سیکڑوں مشہور عمارتیں توڑ پھوڑ کر مسمار کر ڈالیں۔ اس موقع پر مشہور انگریز مورخ مسٹر مل لکھتا ہے کہ:۔

> "پورا روہیلکھنڈ، وزیر کے رحم و کرم تھا۔ فتحمندی کے حقوق کا اس سے پہلے شاید ہی کسی نے ایسا وحشیانہ استعمال کیا ہو۔ نہ صرف خونخوارانہ غارت گری کا بدبخت باشندوں پر بازار گرم کیا گیا بلکہ جیسا کہ وزیر کا ارادہ تھا اور جس کا کہ بارہا انگلش گورنمنٹ سے اس نے اظہار بھی کر دیا تھا کہ وہ روہیلوں کا استیصال کر دے گا اس کے حکم سے ہر وہ شخص جو روہیلہ کہلاتا تھا یا تو ذبح کر دیا گیا یا جلا وطن کر دیا گیا"۔

کرنل چمپین ان مظالم کا مخالف تھا لیکن شجاع الدولہ اور ہیسٹنگز کے احکام کے سامنے عاجز و لاچار تھا چنانچہ وہ اپنے تاثرات کو اس طرح قلم بند کرتا ہے کہ:۔

اس علاقہ کے سابق حکمرانوں اور ان کے اہل خاندان کے ساتھ جس بے رحمی اور ذلت کا برتاؤ کیا گیا ہے وہ ان اطراف میں ہر شخص جانتا ہے .... مجھ سے ایسی عدیم المثال تباہی پر ترس کھائے بغیر نہ رہا گیا اور میں نے وزیر سے نرمی کرنے کی بکثرت درخواستیں کیں۔ لیکن یہ درخواستیں ایسی ہی بے سود ہوئیں جس طرح گاؤں کو جلانے سے باز رکھنے کے میرے ہر ہر گھنٹہ کے مشورے بیکار ثابت ہوئے تھے......

اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ رحمت خاں کی شکست کے بعد سے اس وقت تک ایک لاکھ سے زیادہ باشندگان روہیل کھنڈ اپنے، اپنے مکانوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں[1]۔"

ترک وطن کرنے والوں میں بعض بڑے بڑے روہیلہ سردار اور نواب فیض اللہ خاں بھی تھے جو اپنے اہل وعیال مال و دولت اور میدان جنگ کی ہزیمت خوردہ فوج کے ایک بہت بڑے حصہ کو ساتھ لے کر حدود روہیل کھنڈ سے باہر ایک مقام محفوظ لال ڈانگ میں جو نجیب آباد سے آٹھ کوس کے فاصلے پر گڈھوال کی ترائی میں گھنے جنگل میں واقع تھا چلے گئے۔

شجاع الدولہ کا پیلی بھیت میں داخلہ اور خاندان حافظ الملک پر مظالم

حافظ الملک کے صاحبزادے نواب محبت خاں وغیرہ شجاع الدولہ اور انگریزی فوج کے ارادہ ہائے بد اور دست درازیوں سے مطلع ہونے کے باوجود میدان جنگ سے واپس ہو کر بریلی و پیلی بھیت سے باہر نہ نکلے اور حافظ الملک کی وصیت کے مطابق دامن کوہ میں جانے کے بجائے حد درجہ نافہمی اور ناتجربہ کاری کو کام میں لاکر شجاع الدولہ سے راہ و رسم پیدا کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ سلاطینِ ملک گیر کا شیوہ ہے کہ جب زیردست اور یتیم لوگ ان کے پاس ملتجی بن کر حاضر ہوتے ہیں تو اپنے معقود

---

[1] مِلس ہسٹری آف انڈیا جلد پنجم باب اول۔

میں کامیاب ہوتے ہیں...... کیونکہ ملک گیری سے مقصود طلب اطاعت ہوا کرتا ہے نہ زیردستوں کو ملک سے خارج کرنا[1]۔

چنانچہ اسی خام خیالی کی بنا پر یہ لوگ خاندانی عظمت وخودداری کو بالائے طاق رکھ کر اپنے باپ کے قاتل سے انتقام لینے کی بجائے اس کے حضور میں زیردست ویتیم بن کر اظہار اطاعت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ نواب ذوالفقار خاں بریلی سے اور نواب محبت خاں پیلی بھیت سے شاہ ابوالفتح کی ہمراہی میں شجاع الدولہ سے ملاقات کرنے روانہ ہو گئے۔ دونوں بھائی یکے بعد دیگرے ازخود بغیر بلائے شجاع الدولہ کے لشکر میں پہنچ گئے تو وہاں ان کا آنا بہت غنیمت سمجھا گیا اور جب ایک دن ایک رات کے انتظار کے بعد ان کی شجاع الدولہ کے حضور میں پیشی ہوئی تو وہ بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور باعزاز تمام معانقہ کر کے فرمایا کہ

میرا ارادہ جنگ کا ہرگز نہیں تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ شکل ظہور پذیر ہو لیکن حافظ الملک کے مشیروں نے ہم دونوں میں صلح نہ ہونے دی چونکہ مرضی الٰہی اسی طور سے تھی مجبوری ہے۔ آپ کچھ اندیشہ نہ کریں میں آپ کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا کہ آپ اپنے والد کی وفات کو فراموش کر دیں گے"[2]

اپنے اس قول کی تائید میں شجاع الدولہ نے قسم موکد کھائی اور دونوں بھائیوں کے لئے خلعت منگاتے اس پر محبت خاں نے عرض کیا کہ:۔

"اگر ہماری سرفرازی منظور ہے تو کل جبکہ آپ کا دائرۂ دولت پیلی بھیت میں داخل ہوگا تو وہاں پہنچکر خلعت سرفرازی عطا فرمائیے تاکہ اس امر کو مشاہدہ کر کے خویش وبیگانوں کی پریشانی دور ہو"

شجاع الدولہ نے بصد شکریہ پیلی بھیت آنے کی دعوت قبول کی اور محبت خاں کو مکان

---

[1] گل رحمت [2] گل رحمت۔

جانے کی اجازت مرحمت کر کے کہا کہ :۔

اپنے تمام لواحقان و متوسلان اور اپنے والد مرحوم کے ملازمان وغیرہ کی تسلّی و تشفی کیجئے لیکن اس امر کا خیال رکھئے کہ کوئی شخص شہر چھوڑ کر کسی طرف کو جانے نہ پائے میں پرسوں وہاں پہنچکر آپ کو خلعت دوں گا۔[1]"

محبت خاں کو رخصت کر کے اور نواب ذوالفقار خاں کو اپنے پاس ٹھہرا کر شجاع الدولہ نے اپنے حبشی غلام شیدی البشیر کو جو پیلی بھیت کے قریب ڈیرے ڈالے ہوئے تھا تحریر کیا کہ :۔

"محبت خاں حضور سے رخصت ہو کر پیلی بھیت کو جا رہا ہے۔ مکر و حیلہ کے ساتھ اس کو اپنے پاس ٹھہرا کر صبح کو اپنے ہمراہ پیلی بھیت کو لے جانا اور اپنی سپاہ کو شہر پناہ کے دروازوں پر متعین کر کے یہ انتظام کر دینا کہ کوئی شخص شہر سے باہر نہ جا سکے۔"

شیدی البشیر نے تعمیل حکم کر کے ۲۶ اپریل ۱۷۷۴ء کو پیلی بھیت کا محاصرہ کر لیا، باشندگان شہر میں سے جو لوگ اس محاصرہ سے قبل باہر نکل گئے تھے ان کا مال و متاع تو محفوظ رہا لیکن جو لوگ حافظ الملک کے صاحبزادوں کی ناوانی کا شکار ہو کر ان کے بھروسے پر اب تک ٹھہرے رہے تھے سب کے سب گرفتار دام بلا ہو گئے۔ ۲۸ اپریل کو شجاع الدولہ اپنے لشکر اور کرنل چیمپین و مسٹر مڈلٹن کی انگریزی فوج کے ہمراہ پیلی بھیت پہنچ گئے اور دریائے دیوہا کے کنارے خیمہ افگن ہو کر انہوں نے منادی کرا دی کہ تمام سپاہی اپنے ہتھیار اور گھوڑے سرکاری محصّلوں کے حوالے کر کے خود شہر سے باہر چلے جائیں اور کوئی شخص زر و جواہر اور مال و متاع کو پوشیدہ نہ کرے۔ حکم کے موافق باشندگان شہر نے مجبوراً اپنے آلات حرب اور مال و متاع کو کارپردازان شجاع الدولہ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد باشندگان شہر میں سے بعض کو جو ضعیف و بیمار تھے

---

[1] گل رحمت۔

ان کے مکانوں پر چھوڑ دیا۔ کثیر التعداد اشخاص کو جو خطرناک و سربرآوردہ تھے قید کر لیا اور بقیہ کو مع زن و فرزند مفلس و کنگال کر کے بہ یک بینی و دو گوش شہر بدر کر دیا۔ جن لوگوں نے تعمیل حکم میں ذرا بھی حیل و حجت کی انہیں نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر کے خاک و خون میں لٹا دیا۔ اہالیان شہر کی لوٹ مار اور قتل و غارت سے فارغ ہو کر شجاع الدولہ نے محبت خاں کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے والد کے خزانوں اور دفینوں کا پتہ بتلائیے۔ محبت خاں نے جن کی آنکھوں سے اب غفلت کے پردے اٹھ چکے تھے آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ:۔

"بجز یاد پدر ہمارے پاس کوئی دولت نہیں ہے، اگر خزانے اور دفینے ہوتے تو آج یہ نوبت نہ پہنچتی۔ اسباب اور عورتوں کے زیورات ضرور موجود ہیں جو آپ لے سکتے ہیں"

اس پر حکم پہنچا کہ:۔

"ایک دو روز کے واسطے محلسرا کو خالی کر کے مع متعلقین لشکر میں چلے آئیے اسباب اور مستورات کے زیورات جیسے کے تیسے وہیں چھوڑ دیجئے، تاکہ خزانے اور دفینے وغیرہ تلاش کر لئے جائیں بعد تلاش آپ کو دوبارہ گوناگوں مراحم و عنایات کے ساتھ محلسرا کو واپس کر دیا جائے گا"۔

اس حکم کے مطابق نواب محبت خاں اپنی والدۂ محترمہ، بہنوں اور سارے تمام بھائیوں اور دیگر متعلقین کو ہمراہ لے کر جو پہلی بھبت[1] میں موجود تھے تن کے کپڑوں کے علاوہ ہر قسم کا سامان مکانوں میں چھوڑ کر محلسرا سے باہر نکل آئے اور ایک قمچی ہاتھ میں لے کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر شجاع الدولہ کے لشکر کی جانب روانہ ہو گئے، جب وہاں پہنچے تو ان کو ایک ڈیرے میں ٹھہرا دیا گیا اور بسنت علی خاں خواجہ سرا نے اپنے دستہ فوج سے ان کے ڈیرے کو حراست میں لے لیا۔ اس حال میں تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حسن رضا خاں نے محبت خاں کو شجاع الدولہ کا یہ پیغام پہنچایا کہ:۔

---

[1] گل رحمت۔

"وزیر الملک نے بعد دعا ارشاد فرمایا ہے کہ میں چاہتا تھا کہ تم کو آج بلا کر خلعت سرفرازی عطا کروں لیکن گزشتہ رات سے ایک دنبل نکل آیا ہے درد کی شدت کے باعث نہیں بلا سکتا ہوں جو نہی دو ایک روز میں افاقہ ہوگا ایفاء وعدہ کروں گا۔"

شجاع الدولہ کی علالت کا حال سن کر محبت خاں وغیرہ کو فقیر کی پیشین گوئی یاد آئی جو اس نے حافظ الملک سے ان کی شہادت کے ایک روز قبل کی تھی۔ اور ایک شخص کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ شجاع الدولہ کے ڈیرے کے قریب سینبھل کا درخت موجود ہے۔ اس وقت سے سب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ شجاع الدولہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکے گا اور فتح روہیل کھنڈ کی بہار نہ دیکھ سکے گا۔

روح آئی جو بدن میں تو قضا بھی آئی
جب یہ چونکھ ہوئی روشن تو ہوا بھی آئی

خاندان حافظ الملک کی گرفتاری کے بعد شجاع الدولہ کو ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ پیلی بھیت کی لوٹ میں بقول کرنل چمپین کم از کم پچاس لاکھ روپیہ کے جواہرات زیورات، ہاتھی گھوڑے، اونٹ اور دوسری قیمتی چیزیں انبار در انبار ہاتھ لگیں جو سب کی سب شجاع الدولہ نے اپنے قبضہ میں کر لیں اور انگریزی فوج کو ان میں ہاتھ نہ لگانے دیا کیونکہ ان کے حق الخدمت کے چالیس لاکھ روپیہ پہلے ہی سرکار کمپنی کو دئیے جانے طے ہو چکے تھے۔ اس پر انگریزی فوج شجاع الدولہ کے سخت خلاف ہو گئی اور اس نے مطالبہ کیا کہ نصف مال غنیمت کے وہ حقدار ہیں۔ شجاع الدولہ نے اس مطالبہ کو پورا نہ کیا تو انگریزی فوج کے سپاہیوں نے ان کے کچھ افسروں کو لوٹ لیا اس واقعہ سے صورت حال سخت نازک ہو گئی اور انگریزی فوج کی عام بغاوت کے خوف سے شجاع الدولہ کو بدقت دس لاکھ روپیہ دیکر اپنی جان چھڑانی پڑی۔

اس قضیہ سے نجات پا کر اور پیلی بھیت میں اپنا کام ختم کر کے شجاع الدولہ نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور نواب وقدے خاں مرحوم کے دار الحکومت بسولی کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر کے

ہمراہ محبت خاں اور ان کے بھائیوں کے علاوہ حافظ الملک مرحوم کی اہلیۂ محترمہ۔ نواب عنایت خاں مرحوم کی بیوہ اور دوسری بیگمات اور بچوں کو بھی شیدی بشیر نے کشاں کشاں سخت بے حرمتی اور رسوائی کے ساتھ پیدل اور باربرداری کے چھکڑوں پر سوار کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔ مئی کا مہینہ جو روہیل کھنڈ میں سخت گرمی اور دھوپ کا زمانہ ہوتا ہے شروع ہو گیا تھا اور ان نازپروردوں کو بیبیوں کو بس چٹیل میدانوں میں اسی دھوپ اور لو میں پیدل یا چھکڑے پر تمام تمام دن کا سفر کرایا جاتا تھا۔ تمام قیدی ایک دوسرے سے رسیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ جسموں پر میلے کپڑے نہایت کثیف اور بوسیدہ ہو گئے تھے۔ کئی کئی وقت بھوکے پیاسے رکھے جاتے اور کوئی نہ پوچھتا کہ تم نے کیا کھایا اور کیا پیا۔ اگر دوسروں کو کھاتے پیتے دیکھکر یہ لوگ خود کچھ مانگتے تو لشکر کے وحشی سپاہی ان پر قہقہے لگاتے اور جھڑک کر خاموش کر دیتے۔

کرنل چیمپین نے خاندان حافظ الملک کے قابل احترام افراد بالخصوص عورتوں اور بچوں کی ان دردانگیز تکالیف کو دور کرنے کی حتی الامکان بہت کوشش کی لیکن شجاع الدولہ نے اپنی سخت گیری میں کوئی کمی نہ کی۔ مجبوراً اس صورت حال سے کرنل موصوف نے ہیسٹنگز کو مطلع کیا اور لکھا کہ :۔

"......میں قلب صمیم سے یقین کرنے پر مجبور ہوں کہ بورڈ کو یہ گمان ہرگز نہ ہوا ہوگا کہ ان کے احکام کا ایسا برا انجام ہوگا جیسا کہ واقع ہوا انہوں نے یہ پیش بینی بھی نہ کی ہوگی کہ ایک پوری قوم کا ایسا اچانک اور مکمل زوال و اخراج عمل میں آجائے گا انہوں نے یہ خیال بھی نہ کیا ہوگا کہ انگریزی فوج سے امداد پانے والا ایک بڑا شخص ایک برٹش کمانڈر کے صلاح و مشورہ کی اس قدر کم وقعت کرے گا اور نہ یہ تصور کرنے کا امکان تھا کہ ایک ایسا شخص جو خود بھی مصائب و آلام کا آب تلخ چکھ چکا ہو ان لامحدود بے مثل عنایتوں کو جو اس کے ساتھ کی گئی تھیں قطعی فراموش کر کے دوسروں کے ساتھ تھوڑی سی مہربانی کرنے سے بھی انکار کر دے گا... میں کہہ سکتا

ہوں کہ گو ظلم و تعدی کا ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے تنہا نواب ہی مجرم ہے لیکن

پھر بھی تمام ایشیا والے جانتے ہیں کہ انگریزوں نے اسے یہ قوت دی ہے ......

کیا ایسی صورت میں وہ یہ نتیجہ نہ نکالیں گے کہ ان کے ایجنٹ کے ہاتھوں جو مظالم

ہو رہے ہیں وہ انہیں کی چشم پوشی کے باعث ہیں......... میرا مطلب یہ نہیں

ہے اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ حافظ الملک کے اہل و عیال کو شجاع الدولہ سے آزاد کرا

دیا جائے بلکہ نواب پر یہ اثر اندازی کی جائے کہ وہ ان کی خاندانی حیثیت کے مطابق

ان کے ساتھ سلوک کرے۔ ان لوگوں نے خود یہ التجا کی تھی کہ ایک یا جس قدر

لڑکے نواب چاہے اپنی قید میں رکھے لیکن بیگم صاحبہ یا دوسری مستورات کی بے

حرمتی نہ کرے اور ان کو اپنے لشکر کے بدمعاشوں کے ہنسی مذاق اور دوسری سخت

ذلیل حرکتوں کا شکار نہ بنائے[۱] ......"

اسی طرح ایک اور خط میں لکھا کہ :۔

یہ گرفتاران بلا عاجز و لاچار ہو کر قُوت لا یموت خریدنے کے لئے مجھ سے اور میرے

متعلقین سے بھیک مانگنے اور خیرات لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اور تو اور پینے کے

پانی کے لئے ان کا گڑگڑانا اور ہر ایک کی یہ کوشش کہ پہلے اسے دیا جائے...

... ناقابل برداشت مناظر ہیں[۲]۔

اپنے خطوط کے ساتھ کرنل چیمپین نے اسی زمانہ میں حافظ الملک مرحوم کی بیگم کا ایک خط بھی گورنر

ہیسٹنگز کے پاس کلکتہ بھجوایا، جس میں مظلوم و مصیبت زدہ بیگم نے اپنی داستان غم اس طرح

قلم بند کی تھی کہ :۔

---

[۱] رپورٹ پنجم ضمیمہ ۲۷، ۲۸ منقول از ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

[۲] رپورٹ پنجم ضمیمہ ۲۷، ۲۸ منقول از ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

".......حافظ رحمت خاں نے چالیس سال تک اس ملک پر حکومت کی اوران کی بہادری سے جنگل کے درندے تک کانپتے تھے، حکم الٰہی سے کون سرتابی کرسکتا ہے وہ شہید ہوگئے اوران کے بچوں کے پاس کوئی رتی بھر چیز نہیں رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ننگا کرکے انہیں خانہ بدر کیا گیا ہے۔ دھوپ اور جلتی ہوئی ریت کی تکلیفیں اٹھا رہے ہیں تھوڑے سے چاولوں اور پانی کے لئے تڑپ رہے ہیں اور ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہائے میں اپنا حال کیا بیان کروں اور کیسے لکھوں میری آہ سوزاں روشنائی کو خشک کئے دیتی ہے اور کاغذ کو جلائے ڈالتی ہے۔ کل میں ایک لاکھ آدمیوں کی ملکہ تھی آج ایک پیالہ پانی کو ترستی ہوں۔ کل میں حکومت کرتی تھی آج بھیک مانگ رہی ہوں۔ اے فلک کج رفتار تو بے وفا ہے۔ تو بلند کو پست اور پست کو بلند کرتا ہے۔ لیکن میں تو بے خطا ہوں۔ اگر کوئی خطا تھی تو حافظ کی تھی۔

یہ بچے کیوں ستائے جا رہے ہیں۔ باپ کی خطاؤں پر بچوں کو سزا۔ آہ! ایک جانور کی طرح پھندا ڈال کر مجھے لے جایا جا رہا ہے۔ نہ رات کو قیام میسر ہے اور نہ دن کو سایہ نصیب ہوتا ہے جو ذرا تو آرام کرلوں۔

صرف آپ سے رحم و انصاف کی امید باقی ہے۔ میں ایک پرندے کی مانند محبوس قفس ہوں۔ بھوک پیاس کی تکلیف اٹھا کر مرنے سے تو یہی بہتر ہے کہ چھری مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

مجھے امید ہے کہ آپ میری حالت زار پر توجہ فرمائیں گے ورنہ میری مصیبتیں دو چند ہو جائیں گی۔ اب کاغذ ختم ہوگیا، میری اس تحریر کو معاف فرمائیے[1]....

---

[1] رپورٹ پنجم ضمیمہ ۲۷ منقول از ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

کرنل چمپین کی درد انگیز اپیلوں اور بیگم حافظ الملک کی جگر خراش التجاؤں کا ہیسٹنگز اور انگلش گورنمنٹ پر کیا اثر ہوا ذیل کے ایک جواب سے ظاہر ہو جائے گا۔

"... آج کل ہمارا وزیر سے یہ معاملہ ہے کہ کمپنی کے لئے ایک رقم کے معاوضہ میں ہم نے ایک خاص کام کے لئے اس سے پشت پناہی اور امداد کا عہد کیا ہے جب وہ کام ختم ہو جائے گا تو مفتوحہ ملک اس کی دولت اور اس کے باشندے وغیرہ محض وزیر کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ ہمیں اپنے معاہدے کی پابندی کرنی ہے اور دخل دینے کا حق نہیں ہے۔" [1] ......

اسی طرح مسٹر جان مارلے نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب ان مظالم کو ہیسٹنگز کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے بڑے اطمینان خاطر سے جواب دیا کہ مشرقی جنگ و جدال میں یہ معمولی باتیں ہیں۔

محاصرہ لال ڈانگ اور نواب فیض اللہ خاں سے صلح

کئی ہفتے مسلسل کوچ پر کوچ کرنے کے بعد انگریزوں اور شجاع الدولہ کا لشکر بریلی اور آنولہ ہوتا ہوا بسولی پہنچا اثنائے راہ میں اول الذکر مقامات پر بھی شجاع الدولہ نے بیلی بھیت کی طرح دل کھول کر قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا حتیٰ کہ اس قتل و غارت میں ان غداروں کو بھی نہیں چھوڑا جنہوں نے حافظ الملک سے نمک حرامی کی تھی، اور شجاع الدولہ سے اس کے صلے کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے جس وقت شجاع الدولہ بسولی میں داخل ہوئے فتح اللہ خاں اور محب اللہ خاں پسران نواب دوندے خاں مرحوم اپنے معاہدات سابقہ کے اعتماد پر سرفرازی کے امیدوار ہو کر اور اس قرآن شریف کو جس پر اپنے مطالب لکھ کر ان لوگوں نے شجاع الدولہ کی مہر ثبت کرائی تھی بطور شفیع ہمراہ لے کر حاضر خدمت ہوئے شجاع الدولہ نے مطلق التفات نہ کیا اور دونوں بھائیوں اور ان کے تمام متعلقین کو قید

---

[1] رپورٹ پنجم ضمیمہ نمبر ۲۷ ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

کر کے ان کا تمام نقد و جنس جو سالہا سال کا اندوختہ تھا نہایت سختی کے ساتھ چھین کر ضبط کر لیا۔
اس لوٹ کھسوٹ سے فارغ ہونے کے بعد بسولی میں شجاع الدولہ کو خبر ملی کہ فیض اللہ خاں کے زیر قیادت لال ڈانگ میں افغانوں کا اجتماع روز بروز بڑھ رہا ہے اور چونکہ وہ دنبل جس کی ابتدا ایلی بھیت سے ہو گئی تھی۔ دن بدن زیادہ تکلیف دے رہا تھا اس لئے شجاع الدولہ نے جلد وطن واپس ہونے کے ارادے سے فیض اللہ خاں کے معاملے میں اب زیادہ توقف نہ کیا اور اسی وقت حافظ الملک اور نواب دوندے خاں کے اہل خاندان زن و مرد خورد و کلاں کو دوسرے کثیر التعداد ممتاز اسیران روہیل کھنڈ کے ساتھ سالار جنگ کے ہمراہ الہ آباد کو وہاں کے قلعہ میں قید رکھے جانے کی غرض سے روانہ کر دیا۔ قیدیوں کی طرف سے اپنا اطمینان کر کے شجاع الدولہ نے بہ عجلت تمام انگریزی لشکر کے ساتھ لال ڈانگ کی جانب کوچ کیا۔

لال ڈانگ میں اس وقت نواب فیض اللہ خاں کی سرداری میں افغانوں کی ایک بھاری جمعیت مجتمع ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ بخشی سردار خاں کے بیٹے فتح خاں خانساماں کی اولاد۔ محمد حسن خاں ابن ملا محسن خاں، عبدالجبار خاں ابن عبدالستار خاں، سیف الدین خاں ابن پرمول خاں، ملا میر باز خاں اور محمد مستقیم خاں وغیرہ دوسرے بڑے بڑے رسالدار بھی موجود تھے جنہوں نے حافظ الملک کے کسی لڑکے کی وہاں عدم موجودگی کے باعث نواب فیض اللہ خاں کو جنہیں حافظ الملک نے شہادت کے روز اپنا وصی بنایا تھا سردار تسلیم کر کے شجاع الدولہ کے مقابلہ میں مدافعانہ جنگ کی پوری پوری تیاری کر رکھی تھی۔ لال ڈانگ کا موقع بھی ایسا تھا کہ وہ چاروں طرف گھنے جنگل اور دشوار گذار پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور غنیم کا وہاں پہنچنا شدید مشکلات سے خالی نہ تھا چنانچہ جب شجاع الدولہ کا لشکر لال ڈانگ کے قریب پہنچا تو ۱۰ اکتوبر ۱۷۷۴ء تک چار ماہ کا طویل زمانہ اس جنگل کے درخت کاٹنے میں لگ گیا۔ پھر بھی افغانوں کی جائے پناہ تک پہنچنے میں ابھی ایک میل کا فاصلہ باقی تھا ادھر افغانوں کی سرفروشی کا یہ عالم تھا کہ درخت کاٹنے

والوں پر برابر حملے کرتے تھے اور ایک ایک درخت کے پیچھے دس دس آدمی اپنی گردنیں کٹا دیتے تھے۔ افغانوں کے اس قدر سخت مقابلہ نے شجاع الدولہ کا ناطقہ بند کر دیا۔ علاوہ بریں دنبل کی تکلیف ہر قسم کے علاج کے باوجود دن بدن ناقابل برداشت ہوتی جاتی تھی۔ ادھر برسات شروع ہوگئی تھی جس کے باعث ان کے لشکر میں وبا پھیل رہی تھی۔ مرہٹوں کے حملے کی افواہیں بھی گرم ہورہی تھیں اور سب پر طرہ یہ کہ اپنے اور انگریز فوج کے غیر معمولی اخراجات نے پریشان کر رکھا تھا۔ ان سب باتوں نے مل کر شجاع الدولہ کے جوش وخروش کو ٹھنڈا کر دیا اور اب وہ دل تنگ ہوکر افغانوں سے آمادۂ مصالحت ہوگئے۔

نواب فیض اللہ خاں اور محمد مستقیم خاں وغیرہ اکثر بڑے بڑے افغان سرداروں کو اضافۂ مناصب و جاگیرات کے وعدے لکھ لکھ کر بھیجے لیکن چونکہ ان لوگوں کو شجاع الدولہ کی بے اعتباری حد سے سوا ہوگئی تھی اس لئے کسی نے یقین نہ کیا اور محمد مستقیم خاں نے جواب دیا کہ:۔

"پہلے حافظ الملک کے اہل خاندان کو قید سے رہائی دے کر سرفراز فرمایا جائے اس کے بعد ہم سب مطیع و منقاد ہیں۔ ورنہ جس وقت تک جسموں میں جان باقی ہے جنگ وجدال سے دست کش نہ ہوں گے"۔

لیکن محمد مستقیم خاں کا سادہ ٹوک جواب نواب فیض اللہ خاں نہ دے سکے کیونکہ ان کے پاس شجاع الدولہ کی جو تحریر آئی تھی اس کی نوعیت دوسری تحریروں سے بالکل مختلف تھی اس میں لکھا تھا کہ:۔

"اگر آپ فوراً میرے پاس حاضر ہوں تو آپ کی جاگیر قدیمی میں کچھ اور اضافہ کر کے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ نہیں تو میں محبت خاں کو الہ آباد سے بلا کر سرفراز کردوں گا اس وقت اس کے باپ کے جتنے رسالدار جو بالفعل آپ سے متفق ہیں اس کے شریک ہوجائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے"[1]

---

[1] گل رحمت۔

ساتھ ہی شجاع الدولہ نے ایک شقہ الہ آباد کے قلعہ دار کے نام محبت خاں کو طلب کرنے کے بارے میں ارسال کر دیا اور قلعہ دار مذکور نے محبت خاں کو اپنے لوگوں کے ہمراہ لال ڈانگ کی طرف روانہ بھی کر دیا۔

اندریں حالات نواب فیض اللہ خاں نے یہی مصلحت دیکھی کہ پیش کش صلح کو منظور کریں لیکن چونکہ وہ نہایت ذکی و فہیم تھے اس لئے انہوں نے پچھلے تجربات کی بنا پر اپنے معاملات میں شجاع الدولہ کے مواعید پر یقین کرنے اور ان سے کوئی معاملہ کرنے کے بجائے کرنل چیمپین کو جدید شرائط کے ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ :-

"اگر مجھ کو پورے روہیل کھنڈ پر قبضہ دلا دیا جائے تو میں تین سال کے عرصہ میں سرکار کمپنی کو اسّی لاکھ روپیہ دوں گا۔ اور اگر یہ رقم وزیر ہی کو دینا پسند کی جائے تو میں روپیہ ادا ہو جانے کے وقت تک اپنے لڑکے کو انگریزوں کے ہاتھ میں کفالت میں دوں گا تاکہ انگریز وزیر کی دیانت داری کی ضمانت کر سکیں، یا بصورت دیگر تیس لاکھ روپیہ سالانہ وزیر کو اور پچیس لاکھ کمپنی کو اس شرط پر دوں گا کہ وہ مجھے میرے ملک پر قبضہ دلا دیں اور صلح نامہ کی پابندی کی ضمانت کر لیں[1]"

علاوہ بریں نواب فیض اللہ خاں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ پندرہ ہزار فوج سے ہمہ وقت انگریزوں اور شجاع الدولہ کی امداد کے لئے تیار رہیں گے۔

نواب فیض اللہ خاں کی مندرجہ بالا تجاویز کو کرنل چیمپین نے بہت پسند کیا اور نواب شجاع الدولہ اور گورنر ہیسٹنگز سے ان کو منظور کرنے کی پرزور سفارش کی لیکن آخر الذکر حضرات نے ان کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ فیض اللہ خاں کو پورا روہیل کھنڈ واگذاشت کر دینے سے روہیلہ جیسی بہادر اور جری قوم کے مکمل استیصال کا مقصد حاصل نہ ہوتا تھا۔ بالآخر کافی گفت و

---

[1] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار صفحہ ۱۴۷۔

شید اور وکلاء طرفین کی بہت کچھ آمد و رفت کے بعد نواب فیض اللہ خاں نے کرنل چیمپین کی وساطت سے شجاع الدولہ سے خود ملاقات کرنے کا ارادہ کیا۔ جس وقت نواب فیض اللہ خاں انگریزی کیمپ کو روانہ ہونے لگے تو محمد مستقیم خاں بھی ان کے ہمراہ جانے پر مستعد ہو گیا۔ لیکن نواب فیض اللہ خاں نے اس کو ساتھ لے جانا پسند نہ کیا اور کہا کہ:۔

"آپ کو شجاع الدولہ کے سوء مزاج کا حال خوب معلوم ہے کہ غدّاری کرنے میں کوئی باک نہیں کرتا اس لئے میرا یا آپ کا لشکر میں رہنا ضروری ہے تاکہ کوئی امر خلاف امید واقع نہ ہو۔ چونکہ میں بضرورت جا رہا ہوں آپ کو لشکر میں ٹھہرنا چاہئے تاکہ لشکر کی دلجمعی رہے"[1]

محمد مستقیم خاں نے جواب دیا کہ:۔

"میں حافظ الملک کے خاندان کی رہائی اور ان کے واسطے جاگیرات کے تقرر کے واسطے جانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ پختہ وعدہ کریں کہ ان لوگوں کے معاملات کی درستگی کے بغیر صلح نہ کریں گے تو البتہ لشکر میں میرا رہنا مناسب ہے"

اس پر نواب فیض اللہ خاں نے قسم کھا کر وعدہ کیا اور مستقیم خاں کا اطمینان خاطر کر کے چند مصاحبین خاص کی معیت میں کرنل چیمپین سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ احتیاطاً محمد مستقیم خاں نے اپنے ایک معتمد کو بھی نواب فیض اللہ خاں کے ساتھ کر دیا۔ جس کو ہمراہ لے کر پہلے وہ کرنل چیمپین سے ملے اس کے بعد تنہا کرنل چیمپین کے ساتھ شجاع الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شجاع الدولہ نے نواب فیض اللہ خاں سے نہایت گرم جوشی سے ملاقات کی اور ان کے تشریف لانے کو بہت غنیمت خیال کیا کیونکہ دنبل کی تکلیف نے ان کو جاں بلب کر دیا تھا اور شدت درد سے مچھلی کی طرح تڑپ رہے تھے۔ کچھ دیر رسمی باتوں کے بعد گفتگوئے مصالحت شروع ہوئی اور پچیس لاکھ

---

[1] گل رحمت۔

روپیہ سالانہ آمدنی کا علاقہ رام پور نواب فیض اللہ خاں کو دیا جانا قرار پاگیا۔[1] فوج کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ پانچ ہزار سے زائد سپاہی نواب فیض اللہ خاں ملازم نہ رکھ سکیں گے اور بوقت ضرورت تین ہزار آدمیوں تک سے شجاع الدولہ کی امداد کرنی ہوگی۔ باقی سپاہیوں کو جن کی تعداد اس وقت بیس ہزار سے متجاوز تھی ملک سے گنگا پار نکال دینا طے ہوا۔ ان مراعات کے بدلے میں نواب فیض اللہ خاں نے پندرہ لاکھ روپیہ نقد بھی شجاع الدولہ کو دینا منظور کیا۔[2]

شرائط معاہدہ کی تکمیل کے بعد کرنل چیمپین نے نواب صاحب کو یاد دلایا کہ :۔

> "حافظ الملک کی اولاد کے متعلق بھی تصفیہ کر لیجئے تاکہ اس کے بعد عہد نامہ لکھا جائے۔"

نواب فیض اللہ خاں نے جواب دیا کہ :۔

> "ان کے معاملہ میں وزیر الممالک خود جیسا مناسب سمجھیں گے عمل کریں گے میں کیا کہوں۔"[3]

یہ جواب سن کر کرنل چیمپین تو خاموش ہو گیا مگر شجاع الدولہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے فوراً عہد نامہ پر اپنی مہر کر کے اور کرنل چیمپین کی تصدیق کرا کر نواب صاحب کے حوالے کر دیا اور اس طرح ۷ اکتوبر ۱۷۷۴ء کو شمالی ہند کی مشہور اسلامی ریاست رام پور معرض وجود میں آگئی۔[4] عہد نامہ لیکر نواب فیض اللہ خاں لال ڈانگ کو واپس آئے اور محمد مستقیم خاں سے فرمایا کہ :۔

> "بالفعل شجاع الدولہ حافظ الملک کی اولاد کی رہائی وغیرہ پر راضی نہیں ہوئے اور میں نے یہ مناسب نہ جانا کہ اپنے معاملہ کو تعویق میں ڈالدوں لہذا میں نے صلح کر لی۔"

صلح کے اس واقعہ کے بعد ہی شجاع الدولہ نے دامن کوہ سے کرنل چیمپین کے ساتھ فیض آباد کی طرف کوچ کیا اور ۱۳ اکتوبر ۱۷۷۴ء کو نواب فیض اللہ خاں بھی حسب معاہدہ صرف پانچ ہزار روہیلوں

---

[1] مذکورہ علاقہ میں وقتاً فوقتاً مزید اضافہ بھی ہوا اور ریاست رام پور کی سالانہ آمدنی بعض روایات کے تحت ایک کروڑ روپیہ کے قریب تک پہنچ گئی تھی [2] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار [3] گل رحمت [4] یہ ریاست تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۷ء

نقرئی تمغه

جو نواب شجاالدولہ والی اودہ نے انگریزی افواج کی امداد سے سنہ ۱۷۷۴ع میں روھیلوں پر فتح حاصل کرلے اور انکے سردار حافظ‌الملک حافظ رحمت خاں کے مقتول ہونے کی خوشی میں مضروب کیا اور تمام امراو اعیان اودہ نیز انگریزی افسران اور جنرل چیمپین کو بطور ھدیہ‌پیش کیا۔ اسکے ایک طرف یہ عبارت ہے۔

”نواب شجاع‌الدولہ نواب وزیر ھندوستان نے بروز شنبہ - ماہ صفر ۱۱۸۸ھ مطابق ۲۳/اپریل سنہ ۱۷۷۴ع) بمقام الھی کٹرہ روھیلوں کو شکست دی‌اور ان کا سردار رحمت خاں مقتول ھوا“۔

تمغہ کے دوسری جانب دوتلواریں دکھائی گئی ہیں - ایک افتادہ ہے اور دوسری جس کا پھل سرے پر تراش کیا ہے اس کا دستہ اس افتادہ شمشیر کے پھل کو کاٹ کر اس میں پیوست ھوگیا ہے۔ یہ تراشیدہ پھل والی تلوار ”زوالفقار“ ہے جس کے لئے کہا گیا ہے کہ لا فتی‌الاعلی لا سیف‌الا زوالفقار۔

ان تلوروں کے گرد یہ عبارت ثبت ہے - ”تحقیق ھم نے تم کو صریح فتح بخشی جسکے نتیجہ میں اھالیان ھند اپنے وطن پر شاران و فرحان ہیں۔

کو اپنے ہمراہ لے کر رام پور کو روانہ ہو گئے۔ باقی بیس ہزار سے زائد روہیلہ سپاہی اور ان کے سردار بھیڑ بکریوں کی طرح حدود روہیل کھنڈ سے باہر نکال دیئے گئے جو طول و عرض ہندوستان میں مدتوں خانماں برباد مارے مارے پھرتے رہے۔ اکثر نے کچھ عرصہ کے بعد اپنے ہم قوم ضابطہ خاں کی ریاست میں داخل ہو کر خان مذکور اور اس کے بیٹے غلام قادر روہیلہ کی ملازمت اختیار کر لی اور بعض نواح ٹونک و بھوپال میں جا کر بس گئے۔

دوران واپسی میں جس وقت شجاع الدولہ سنبھل پہنچے نواب محبت خاں ابن حافظ الملک جوان کے حسب الطلب قلعہ آباد سے لائے جا رہے تھے ان کو ملے۔ شجاع الدولہ نے محبت خاں کو اپنے ساتھ لے لیا اور اثناء راہ میں چند مرتبہ حضور میں طلب کر کے تسلی اور دلاسا دیا اور وعدہ کیا کہ فیض آباد پہنچکر ان کے بارے میں جو کچھ تجویز کی گئی ہے عمل میں آئے گی جب فیض آباد پہنچ گئے تو مرض کی شدت کا ذکر درمیان میں لا کر ایفائے وعدہ سے معذوری ظاہر کی۔ صرف ان کی ذات کے لئے ایک ہزار روپیہ ماہوار مقرر کر کے اجازت دی کہ خاص اپنے متعلقین کو الہ آباد سے طلب کر لیں اور جب وہ لوگ آجائیں گے تو ایک ہزار سوار کا رسالہ عنایت کیا جائے گا۔ نواب محبت خاں کی غیرت نے یہ تقاضا نہ کیا کہ ان کی والدہ، بہنیں، بھائی اور دوسرے عزیز و اقارب تو قید میں رہیں اور محض ان کے بیوی بچوں کو رہائی مل جائے۔ اس لئے اس امر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور تنہا اپنے بھائی نواب ذوالفقار خاں کے ساتھ جو ابتدا سے شجاع الدولہ کے لشکر میں نظر بند تھے رہنے لگے۔

---

۵۵ میں صوبہ یو۔ پی میں ضم ہو گئی۔ آخری نواب رضا علی خاں تھے۔

(۳۶)

شجاع الدولہ کی ایک خواب پریشان اور وفات

اس دوران میں شجاع الدولہ کے مرض نے غیر معمولی ترقی کی، یہاں تک کہ ہلاکت کی نوبت آگئی۔ جب صحتیابی کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں تو انہیں ایام میں ایک روز ان کی والدہ گریہ و زاری کرتی ہوئی سرہانے آئیں اور فرمایا کہ:۔

"اے لخت جگر اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ تم اپنی صحت کی نیت سے پٹھانوں کے خاندان کو چھوڑ دو اور ان کی مدد معاش کے لئے وظیفے اور کفاف مقرر کر دو تاکہ بیوہ عورتیں اور چھوٹے بچے جو رات دن آہ و نالہ کرتے ہیں اور شام و سحر تمہارے حق میں درگاہ رب العزت میں بددعا کرتے ہیں اپنی بددعا کا سلسلہ موقوف کر دیں[1]"۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

شجاع الدولہ نے دلِ پُر درد سے ایک آہ سرد کھینچ کر جواب دیا کہ:۔

قبائل افاغنہ کے قید رکھنے میں بڑی مصلحت ہے اس سے فساد عظیم رکا ہوا ہے اگر یہ لوگ چھوڑ دئے جائیں تو فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ مجھ کو اپنے مرنے کا کوئی

---

[1] تاریخ تموریہ۔

غم نہیں، اگر میں اس وقت پٹھانوں کو چھوڑ دوں تو لوگ کہیں گے کہ یہ شخص موت
سے ڈر کر عاجزی کرنے لگا اور یہ بات شجاعت و حمیت سے بعید جانتا ہوں۔
مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہی مرض میرے مرنے کا بہانہ ہے اس لئے کہ کل رات میں
نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک صحرائے لق ودق میں میرا پاؤں کیچڑ میں پھنس گیا ہے
میں نے بہت زور لگایا اور کوشش کی کہ نکل جاؤں لیکن نہ نکل سکا اور نہ اس
وقت کوئی مددگار پایا........ اس واقعہ کے خوف وہول سے میری آنکھ کھل
گئی........ اب میرا اس جہان فانی سے سفر ہے[1]"

اپنی والدہ سے خواب بیان کرنے کے بعد شجاع الدولہ نے دوسرے معتمد لوگوں کو جو اس وقت حاضر خدمت تھے وصیت کی کہ میرے بعد میرے بیٹے آصف الدولہ کو مسند نشین کیا جائے اور انگریزوں سے جو برتاؤ میں کرتا تھا وہی میرے بعد کیا جائے۔ فوج کی کثرت پر مغرور ہو کر ان سے مخالفت نہ کی جائے، لیکن ان کو اپنے ملک ومال میں دخل بھی نہ دیا جائے، کیونکہ ان کا قدم جم جانے کے بعد اکھڑنا سخت دشوار ہے۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری وصیتیں کرتے کرتے روز پنجشنبہ چار گھڑی رات باقی رہے ۲۳ ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء کو بعمر ۴۴ سال وفات پائی۔ ۲۳-۲۴ برس کی عمر میں مسند نشین ہوئے اور ۲۱ سال حکومت کی۔

مؤلف سیر المتاخرین شجاع الدولہ کی موت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔
شجاع الدولہ۔ نوجوان وآرزو مند دنیا سے گزرے جس قدر انہوں نے اقتدار پایا
تھا اس سے بخوبی ارمان نہ نکلا اور حسرت ویاس لے کر دنیا سے چلے گئے اگرچہ اوصاف
حمیدہ بھی ان کی ذات میں تھے لیکن بعض باتیں ایسی بھی ان سے سرزد ہوئیں کہ جن

---

[1] تاریخ تیموریہ۔

کی پاداش میں حق تعالےٰ نے عین جوانی میں دولت وحشمت سے لذت اٹھانے کی مہلت نہ دی اور ہزارہا ہزار افسوس کے ساتھ رہگزائے ملک عدم ہوئے۔ میر قاسم عالی جاہ کے ساتھ بدعہدی کی گو خان مذکور اس کا سزاوار تھا[1] لیکن شجاع الدولہ کو یہ لازم نہ تھا کہ جو کوئی پناہ میں آئے اور جس کے ساتھ کلام الٰہی انبیاء اور ائمہ طاہرین کی قسموں کا واسطہ کر کے عہد و پیمان کیا جائے اسی کے ساتھ بدعہدی کر کے دغابازی کرے اور لوٹ مار کر کے ایسے امیر باتوقیر کو ننگ وعمر ننگ نکال دے۔

اپنے ممالک محروسہ کے وظیفہ خواروں سے ایسے بدگمان ہوئے کہ اس جماعت کو جو لاکھوں سے زیادہ تھی یک قلم روزینہ اور وجہ معاش سے محروم کر دیا ان کی اراضیات اور دیہات کو ضبط کر لیا جس کے نتیجہ میں خلق اللہ ایسی تنگ ہوئی کہ بعض نے تو غیرت کے مارے اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے شرم سے منہ نہ دکھایا اور جان دیدی اور بعض نے کاسۂ گدائی ہاتھ میں لے کر دربدر بھیک مانگنی شروع کر دی ممکن ہے دس بیس نے کوئی خطا کی ہوگی۔ پس مناسب یہ تھا کہ صرف مجرمین کو سزا دی جاتی اور اس سے بھی بہتر یہ تھا کہ ان سے بھی اغماض فرمایا جاتا جیسا کہ حق تعالےٰ کسی نیک وبد کی روزی کبھی بند نہیں فرماتا۔

عموماً اپنے خاص آدمیوں اور ماتحتوں کے ننگ وناموس کا پاس ولحاظ بہت کم کرتے تھے اور نہ ان کی عرض ومعروض پر توجہ کرتے تھے۔

اپنے مکانات کے بنوانے میں کسی محل اور جھونپڑے کی پرواہ نہ کرتے تھے اکثر لوگوں کے مکانات مع مال واسباب بیلداروں کے ہاتھ سے کھدوا ڈالے اور اپنی عمارات خاطر خواہ بنوالیں اس ظلم وبے داد کی بجز خدا کے اور کون سزا دے سکتا تھا[2]"

---

[1] میر قاسم کی سزاواری غلط ہے۔ دیکھو رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا۔

[2] سیر المتاخرین۔

اسی طرح مؤلف تاریخ اودھ لکھتے ہیں:۔

روہیلوں کو نہایت قساوت اور بے رحمی کے ساتھ پامال کردیا۔ ہزاروں امراء، علماء فضلا، مشائخ اور گوشہ نشینوں کی جاگیریں اور ملکیں ضبط کرکے نان شبینہ کو محتاج کردیا اور سادات میں سے ہزاروں کو نہایت مصائب کے ساتھ قید کیا ان کی عبادت گاہوں کو خراب و برباد کرادیا۔ ان کی عورتوں کی عزت و آبرو کو خاک میں ملایا۔ ان کے گاؤں میں آگ لگوادی۔ بچوں کو ماؤں کی چھاتیوں پر قتل کرایا۔ لاکھوں آدمیوں کو گھر سے بے گھر کردیا اور سادات کو قتل کراکے ان کی لاشیں چیل کوؤں کو کھلوائیں ان کے ساتھ اللہ و رسول کی قسمیں کھائیں۔ پنجتن اور قرآن کا درمیان میں واسطہ کیا اور پھر دھوکا دیا اور کسی وعدہ کا لحاظ نہ کیا۔ غرض کہ روہیلوں کے ساتھ شجاع الدولہ نے ایسی بے رحمی کی کہ ان بے کسوں کی مظلومی سے غیرت الٰہی جوش میں آکر شجاع الدولہ سے انتقام لینے پر آمادہ ہوگئی اور جن لوگوں نے ان کے خون سے ہاتھ رنگے تھے ان کے گھروں میں سے یک لخت حکومت و ثروت مستاصل ہوگئی۔ نیز منتقم حقیقی نے مکافات میں ایسی مساوات برتی کہ شجاع الدولہ نے جو روہیلوں کی بیکس عورتوں پر زر و مال کے لئے تشدد کیا تھا اس سے زیادہ تشدد خود ان کی بیوی او رماں وغیرہ پر پانچ چھ ہی برس کے عرصہ میں ظہور میں آگیا۔"[1]

دوران بقا چو باد صحرا بگذشت ؛؛ تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت

پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد ؛؛ بر گردن او بماند و بر ما بگذشت

---

[1] تاریخ اودھ حصہ دوم

(۳۷)

ہیسٹنگز کے طرزِ عمل پر بعض انگریز مصنّفین کا تبصرہ

شجاعت شعار و معدلت گستر روہیلہ قوم کی خوفناک تباہی اور ان کے محبوب و ہر دلعزیز سردار کی حسرتناک بربادی پر جس طرح ہم لوگ شجاع الدولہ کی ناحق شناسی اور ظلم و تعدی کی مذمت کرتے ہیں اسی طرح کچھ درد مند اور ایمان دار انگریز محققین اور مدبّرین نے بھی اپنے ہم قوم گورنر ہیسٹنگز پر جو اس ظالمانہ جنگ کا بانی مبانی تھا بہت سخت لعنت ملامت کی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے۔

مسٹر برک ممبر پارلیمنٹ

اس بڑے نیلام کنندے ہیسٹنگز نے لڑائی کی بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے بلند بانگ فرض شناسی اور اصول پروری کے باوصف اسی شجاع الدولہ کے ہاتھ دوسرا نیلام تمام روہیلہ قوم کا کر ڈالا اور چالیس لاکھ روپیہ لے کر مخلوق خدا کو مکمل استیصال کے لئے بیچ ڈالا۔ ہماری جانب سے معاہدہ کی پوری پوری پابندی کی گئی۔ اور روہیلوں کے ممتاز ترین سردار اور اپنے عہد کے سب سے بہادر انسان حافظ رحمت خان پر جو تمام ایشیا میں اپنی دلیری کی طرح اپنی عمدہ شاعری میں بھی شہرت عام رکھتا تھا انگریزی بریگیڈ اور ایک لاکھ فوج سے حملہ کر دیا۔ یہ شخص اپنے پاس نسبتاً کم فوج رکھنے کے باوجود اپنے ملک کی حفاظت میں نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے مارا گیا۔ اس کا سر کاٹ ڈالا گیا اور روپیہ کے بدلے میں ایک انسان نما درندے کو دیدیا گیا۔ حافظ رحمت خاں کی عظیم المرتبت بیوی اور بچے انگریزی کیمپ

میں مٹھی بھر چاولوں کی بھیک مانگتے دیکھے گئے اور پوری روہیلا قوم باستثنائے معدودے چند ناقابل ذکر افراد کے یا تو ہلاک کردی گئی اور یا ملک بدر کردی گئی تمام ملک نذر آتش و شمشیر کر کے اجاڑ ڈالا گیا اور وہ سرزمین جس میں ایک خود مختار موروثی حکومت کی خوشگوار برکات ضوفشاں تھیں اور جو مزدوروں کی حفاظت جان و مال اور ایک منتخب مرکز زراعت و اشیاء خورد و نوش کے ہونے کے لحاظ سے دوسری بکثرت سرزمینوں میں بہت ممتاز تھی اب ایک لق ودق بھیانک ویرانہ ہے جس میں خودرو درخت۔ کانٹے دار جھاڑیوں اور وحشی درندوں سے بھرے ہوئے جنگلوں کی فراوانی ہے۔ اس انگریز افسر نے جو فروخت شدہ مخلوق کو بکریوں کی طرح قصاب خریدار کو حوالے کرنے کے کام پر متعین تھا اپنی خدمت کی بجا آوری میں کچھ رنج و قلق محسوس کر کے ان بے پناہ مظالم کو جو عمل میں لائے جا رہے تھے کم کرانے کے لئے پریسیڈنٹ بنگال کو آمادہ کیا تو ایک سول گورنر نے اس کو سخت ملامت کی۔[1]"

لارڈ میکالے

"......اس کے بعد روہیل کھنڈ کی سرسبز و شاداب وادی اور خوبصورت شہر خوفناک جنگ و جدال کا شکار بنائے گئے۔ تمام ملک آتش کدۂ نمرود بنا ہوا تھا ایک لاکھ سے زیادہ آدمی اپنے مکانات چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے ان لوگوں نے بھوک۔ وبا اور بھیڑیوں کے منہ میں پڑنے کو اس شخص کے مظالم پر ترجیح دی جس کے ہاتھ ایک عیاشی گورنمنٹ نے ان کی جان و مال اور بیوی اور لڑکیوں کی عزت و آبرو بیچ ڈالی تھی۔ کرنل چیمپین نے ان مظالم کی نواب وزیر سے شکایت کی اور فورٹ ولیم میں اپنا سخت احتجاج لکھ کر بھیجا۔ لیکن چونکہ گورنر نے وزیر سے معاہدہ کے وقت فاتح وزیر کو مفتوح روہیلوں پر اپنے مجوزہ مظالم عمل میں لانے سے باز رکھنے کے

---

[1] یہ تقریر مسٹر برک نے یکم دسمبر ۱۷۸۳ء کو پارلیمنٹ میں کی تھی۔

متعلق کوئی شرط نہیں کی تھی۔ اس لئے اس نے بجز اپنے چالیس لاکھ روپیہ کے اور کسی بات سے واسطہ نہ رکھا۔۔۔۔۔ مسٹر ہیسٹنگز کا کام تو اپنی خاص فوج سے صرف ان بے گناہ لوگوں کو کچلوانا تھا جو نہایت بہادری کے ساتھ اپنی آزادی قائم رکھنے کے لئے لڑ رہے تھے۔ جوں ہی ان لوگوں کی فوجی طاقت کچل گئی اس کا فرض ختم ہو گیا۔ اب اس کو اس کے سوا اور کیا کرنا باقی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سمیٹ کر گاؤں کے جلنے۔ بچوں کے ذبح ہونے اور عورتوں کی عصمت دری کے تماشے دیکھا کرے[1]۔"

مانسن۔ کلیورنگ اور فرانسس ممبران کلکتہ کونسل

"۲۳ اپریل کو متحدہ فوجوں نے روہیلا سرداروں پر مکمل فتح حاصل کر لی۔ اس وقت سے اس وقت تک کے وزیر کے اقدامات۔ اس کی غیر ضروری اور ظالمانہ ملک کی لوٹ کھسوٹ۔ بد قسمت قیدیوں پر مظالم۔ بالخصوص عورتوں اور لڑکیوں پر جابرانہ سختی وغیرہ کرنل چیمپین کے خطوط سے مفصل طور پر معلوم ہوتے ہوں گے۔۔۔۔ حضرات مظالم کی یہ تفصیلات غالباً کبھی آپ کے علم میں نہ آتیں اگر ہم مسٹر ہیسٹنگز سے کرنل چیمپین اور مسٹر مڈلٹن ریزیڈنٹ کی خط و کتابت کے کاغذات طلب نہ کر لیتے۔ پھر بھی اس خط و کتابت کے وہ کاغذات ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں جن کا تسلسل شکستہ ہے اور جو نامکمل حالت میں ہیں۔ نیز بکثرت خطوط دانستہ چھپائے گئے ہیں اور ہمیں یہ نتیجہ نکالنے میں کچھ پس و پیش نہیں ہے کہ ان سے بھی زیادہ ظالمانہ حالات و واقعات دبا دیے گئے ہیں[2]۔"

---

[1] مضامین میکالے [2] مانسن۔ کلیورنگ اور فرانسس۔ ہیسٹنگز کی کونسل کے ممبران نے یہ خط ۳۰ نومبر ۱۷۷۴ء کو لندن میں کورٹ آف ڈائرکٹرس کو روانہ کیا تھا۔ اس خط کے ضروری اقتباسات ہم نے ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار سے ترجمہ کر کے نقل کئے ہیں۔

مسٹر جے کلارک

"غالباً دنیا میں ایسی دوسری مثال ضبط تحریر میں نہیں آتی ہے جس میں ایک مہذب گورنمنٹ ایک ایسی قوم کو تباہ کرنے کے لئے جنگ میں شریک ہوئی ہو جس سے خود اس کا کوئی نزاع نہ ہو"[1]

مسٹر ہاوٹ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہیسٹنگز کے دماغ میں انسانی ہمدردی کے جذبات کا مطلق وجود نہ تھا۔ ایک ایسی تجویز کو جو ہر دوسرے انسان کو ناقابل بیان طور پر لرزہ براندام کر دیتی۔ اس کو اس نے ایک معمولی کاروباری معاملہ کے طور پر قبول کر لیا۔ ہیسٹنگز کہتا ہے کہ "دیکھو ہم پر بھاری قرضہ کا بار ہے جو ایک کروڑ پچیس لاکھ روپیہ تک پہنچ چکا ہے، اور اس تجویز (یعنی دو لاکھ دس ہزار روپیہ ماہوار پر شجاع الدولہ کو فوجی امداد دینے) سے دوران جنگ میں تقریباً ایک تہائی فوجی مصارف نکل آنے کے علاوہ نہ صرف چالیس لاکھ روپیہ کی رقم خطیر ہمارے خزانے میں آجائے گی بلکہ نواب وزیر بھی۔ ایک تکلیف دہ ہمسایہ سے نجات پا جائے گا، اس خوفناک انسان کے یہ خود اپنے الفاظ ہیں۔ شجاع الدولہ سے سودا پٹ گیا لیکن کچھ عرصہ کے لئے اسے کونسل اور کورٹ آف ڈائرکٹرس سے پوشیدہ رکھا گیا۔ اپنے ایک خط میں جو اب تک موجود ہے۔ ہیسٹنگز نے شجاع الدولہ کو لکھا کہ۔ اگر روہیلے قرار داد کی خلاف ورزی کریں گے تو ہم ان کا مکمل استیصال کر دیں گے اور آپ کو ملک پر قابض کر دیں گے پس چالیس لاکھ روپیہ کا روہیلوں سے اچانک مطالبہ کیا گیا اور چونکہ اس شرارت آمیز کارروائی میں ہر بات بدمعاشی کا پہلو لئے ہوتے تھی اس لئے پہلے روہیلوں سے ان کا مال و متاع اور روپیہ مانگا گیا۔ اس کے بعد انہیں ہلاک کر ڈالا گیا"[2]

---

[1] برٹش انڈیا اینڈ انگلینڈس ریسپانسبلٹی صفحہ ۲۵۔

[2] منقول از فٹ نوٹ۔ رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا جلد دوم صفحہ ۷۔

مسٹر جان مارلے "کیا کوئی انگریز جس کو ذرا بھی اپنے ملک سے محبت ہے اس قدر فاصلہ پر بیٹھکر بھی اس قابل نفرت جرم کے حالات کو اپنے کانوں میں سنسناہٹ محسوس کئے بغیر پڑھ سکتا ہے؟ ...... جب ان بد ذاتیوں کو ہیسٹنگز کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے عدیم المثال خود اعتمادی کے ساتھ جواب دیا کہ مشرقی جنگ و جدال میں یہ معمولی باتیں ہیں۔ ہم خود دس سال قبل جب اسی نواب اودھ سے جنگ کر رہے تھے تو ہم نے بھی اس کے ملک کو اسی طرح غارت و نذر آتش کر دیا تھا جس طرح آج اس نے روہیلوں کے ملک کو تباہ و برباد کیا ہے۔ لڑائی میں گلاب نہیں چھڑکا جاتا، ....[1]"

---

[1] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار صفحہ ۱۷۷

(۳۸)

حافظ الملک کا طرز حکومت اور ذاتی حالات

حکومت روہیل کھنڈ جس کی بناء داؤد خاں نے ڈالی۔ جس کو نواب علی محمد خاں نے قائم کیا اور جس کو حافظ الملک نے مضبوط و مستحکم اور ترقی پذیر بنایا۔ اٹھارویں صدی کی ان کثیر التعداد ہندوستانی ریاستوں میں سے ایک تھی جو دہلی کی مرکزی حکومت کے کمزور ہو جانے کے باعث عالم وجود میں آئی تھیں۔ لیکن روہیل کھنڈ کے حکمرانوں نے باوجودیکہ حکومت دہلی کو حتی الامکان کسی قسم کا خراج نہیں دیا۔ تاہم ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ شاہان دہلی سے ان کے تعلقات خوشگوار رہیں۔ جب کبھی دہلی پر کوئی مصیبت نازل ہوئی یا بادشاہ دہلی کو ان کی امداد کی ضرورت ہوتی۔ یہ حکمراں فوراً سینہ سپر ہو کر سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ اگر صفدر جنگ اور شجاع الدولہ کی فتنہ پردازیاں اس زمانہ میں کارفرما ہوتیں اور یہ لوگ روہیلوں کو اپنی طاقت بڑھانے اور اس کو قائم رکھنے کی کچھ بھی فرصت دیدیتے تو ناممکن تھا کہ ان کی موجودگی میں سلطنت دہلی یا آگے چل کر خود ریاست اودھ کا بآسانی خاتمہ ہو جاتا۔ خان بہادر مولوی مطیع اللہ خاں مرحوم اپنی غیر مطبوعہ تاریخ شاہجہاں پور میں لکھتے ہیں کہ:۔

"ہندوستان میں اسلامی حکومت کا خاتمہ روہیل کھنڈ میں در اصل حافظ الملک کی شہادت کے دن ہو چکا تھا۔ اودھ کی حکومت رقص بسمل تھی جو بہت جلد سرد ہو گئی۔ اگر شجاع الدولہ نے انگریزی توپوں کے استعمال سے روہیلوں کا خاتمہ نہ کیا ہوتا تو لارڈ ڈلہوزی کی باریک بیں نظر کو انڈیا کے نقشہ پر ریاست اودھ کبھی بدنما داغ نہ معلوم ہوتی اور وہ اس کو مٹانے میں عجلت سے کام نہ لیتے۔"[1]

---

[1] منقول از تاریخ صبیح مولفہ مولوی محمد صبیح الدین میاں صاحب شاہجہاں پوری مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ۔

روہیلوں کی یہ طاقت و حکومت جس کو بد اندیش اور خود غرض لوگوں نے اس قدر بے دردی کے ساتھ برباد کر دیا۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی ماتحتی میں بڑے بڑے سرداروں پر علاقوں اور جاگیروں میں بٹی ہوئی تھی۔ مثلاً پچاس لاکھ روپیہ کا علاقہ خاص حافظ الملک کی جاگیر میں اور بقیہ عبد اللہ خاں رئیس شاہجہاں پور، نواب دوندے خاں، نواب فیض اللہ خاں فتح خاں خانساماں اور بخشی سردار خاں وغیرہ پر علیٰ قدر مراتب منقسم تھا۔ یہ تمام روہیلہ سردار گو ایک دوسرے کے تابع فرمان نہ معلوم ہوتے تھے لیکن بباطن یک دل اور یک قالب تھے دانشمندی، بہادری اور آپس کے اتفاق میں مشہور تھے، جس کے باعث جس وقت ہندوستان میں لاہور سے راس کماری تک کہیں امن و امان نہ تھا اور ہر طرف فتنہ و فساد کی گرم بازاری تھی۔ اس وقت روہیلوں کے ملک میں کہیں پتہ بھی نہ ہلتا تھا۔ روہیلوں کے اتفاق کی یہ صورت تھی کہ ضرورت کے وقت اپنے سردار کی ایک آواز پر ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے اگر کسی ایک سردار کی ریاست پر کوئی حملہ کرتا تو تمام دوسرے سردار قومی جوش میں آ کر لڑنے مرنے کو مستعد ہو جاتے تھے۔

روہیلہ حکومت کے قوانین نہایت قابلِ تعریف تھے۔ ان کی عملداری میں چوری، ڈکیتی اور ٹھگی ہرگز نہ ہوتی تھی۔ اگر اتفاقیہ کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جاتی تو کسی نہ کسی طرح اس کا کھوج لگایا جاتا، دیہات اور شہروں میں مختلف اہلِ مذاہب کی مخلوط پنچایتیں اور برادریاں ان پیشوں کے اعتبار سے جو انہوں نے اختیار کر رکھے تھے قائم تھیں۔ ان کا ایک سرپنچ یا چودھری ہوا کرتا تھا جس کا فیصلہ جملہ امور میں سرکاری حکم سے زیادہ وقعت رکھتا تھا۔ ان پنچایتوں میں ہر قسم کے مال اور فوجداری کے مقدمات طے ہونے کے علاوہ بازار میں فروختنی اشیاء کے نرخ بھی طے ہوتے تھے۔ اور حکومت کے مقرر کردہ عاملوں، قاضیوں اور مفتیوں کے پاس پنچایتی برادری کے لوگوں کے مقدمات شاذ و نادر ہی جاتے تھے۔ عوام کی اس اندرونی آزادی و خود مختاری کو حافظ الملک نے عام رواج دینے کی بہت کوشش کی چنانچہ چودھریوں کی انتہائی عزت و توقیر کرتے تھے اور

ان کی ہمت افزائی کی تمام ممکن تدابیر عمل میں لاتے تھے۔

شخصی حکومت میں جمہوری حکومت کی برکات

حافظ الملک کی حکومت اس زمانہ کے عام رواج کے مطابق شخصی تھی لیکن اس کا انداز اور اس کے نتائج جمہوریت سے ملتے جلتے تھے، امور مملکت میں عوام کو دخل اندازی کا زیادہ سے زیادہ حق حاصل تھا جو جمہوری حکومت کی خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔ بڑے سے بڑے رکن سلطنت حتیٰ کہ مسند نشین حکومت کی اولاد تک کی یہ مجال نہ تھی کہ کسی عامی مسلم یا غیر مسلم فرد قوم پر بیجا جبر و تشدد کر سکے۔ راعی و رعایا کے درمیان "تحفظات خاص" کی خلیج حائل نہ تھی۔ اخوت اور مساوات و آزادی کا دور دورہ تھا اور جس طرح اللہ کی اس سرسبز و شاداب سرزمین پر حکمراں جماعت کے لوگ افتخار و سربلندی کے ساتھ چلتے تھے اسی طرح ایک معمولی دہقان اکڑ کر اور سینہ تان کر چلتا تھا۔ سردار قوم کی حریت نوازی کے باعث کسی کی یہ جرأت نہ تھی کہ عوام کی آزادی خیال اور آزادی عمل میں رخنہ اندازی کر سکے اور اگر کوئی ایسا کرتا تو عوام اس سے کہ اس کی شخصیت کیسی ہی بڑی سے بڑی کیوں نہ ہوتی ہرگز ہرگز خطا پوشی نہ کی جاتی تھی۔ اس طریقہ حکمرانی کا نتیجہ یہ تھا کہ عوام میں روح آزادی و حریت فنا نہ ہونے پاتی تھی۔ جو حافظ الملک کو حد درجہ عزیز تھی۔

ایک واقعہ ہے کہ ایک روز حافظ صاحب کے صاحبزادے حافظ محمد یار خاں نواح پیلی بھیت میں ہرن کے شکار کے واسطے گئے۔ جب جنگل کے قریب پہنچے تو اپنے ہمراہیوں اور ہاتھی گھوڑوں کو ایک گاؤں میں چھوڑ کر تنہا محمد خاں خلجی کو جو فن شکار میں بڑی مہارت رکھتا تھا ساتھ لے کر جنگل کی راہ لی۔ اثنائے راہ میں چند ہرن دکھائی دئے۔ فوراً ان کا تعاقب کیا اور نزدیک پہنچکر خود تو ایک جگہ تاک لگا کر بیٹھ گئے اور محمد خاں کو ہرنوں کو گھیر کر لانے کے واسطے روانہ کر دیا۔ اتفاقاً ایک دہقان بھی اس وقت ادھر آنکلا اور ہرنوں کی طرف جانے لگا۔ محمد خاں نے آواز دیکر اس کو ہرنوں کی طرف جانے سے منع کیا، لیکن وہ آواز سننے کے باوجود اپنا قدم اٹھائے آگے ہی چلا گیا۔ محمد خاں نے بار بار آوازیں دیں لیکن اس نے کچھ پرواہ نہ کی یہاں تک کہ اس کے پیروں کی آہٹ سے

ہرن دہشت کھا کر دوسری طرف بھاگ گئے اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ اس پر محمد خاں غضبناک ہو کر اس کی طرف جھپٹا۔ وہ دہقان بھی لوٹ پڑا۔ محمد خاں نے اس کو گالی دیکر کہا کہ:-

تجھ کو کیا ہو گیا تھا جو تو نے میری بات نہیں سنی اور میرا شکار نکال دیا۔

گالی کے جواب میں دہقان نے بھی محمد خاں کی شان و شوکتِ ظاہری کا لحاظ کئے بغیر گالی دی اور کہا:-

میں تمہارے واسطے کیوں اپنا راستہ چھوڑ دیتا؟

اس جواب پر محمد خاں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔ دہقان طمانچہ کھا کر ایک طرف کو چند قدم بھاگا اور سات اور دہقانوں کو جو اپنے چھکڑوں پر جنگل سے لکڑیاں لاد کر لا رہے تھے بلا لیا اور آتے ہی اپنے ساتھیوں کے بھروسے پر ایک لاٹھی محمد خاں کے سر پر ماردی۔ محمد خاں قوی الجثہ شخص تھا دہقان کو لپٹ گیا اور زمین پر پٹک کر اس کی چھاتی پر بیٹھ گیا۔ اسی دارو گیر میں حافظ محمد یار خاں بھی وہاں آپہنچے اور انہوں نے غصہ میں بھر کر اپنی چھری نکال کر محمد خاں کے ہاتھ میں دیدی۔ عنقریب تھا کہ محمد خاں دہقان کا چھری سے کام تمام کر دے کہ دوسرے دہقانوں نے اپنے ساتھی کو بچا لیا اور سب کے سب محمد خاں اور حافظ محمد یار خاں کو لات گھونسوں سے مارنے لگے۔ محمد خاں نے حتی الوسع اپنی اور حافظ محمد یار خاں کی بہت مدافعت کی لیکن ایک پیش نہ گئی مجبوراً محمد خاں نے کہا کہ:-

"اے بے وقوفو یہ حافظ الملک کے صاحبزادے ہیں ان کی خدمت میں کچھ بے ادبی نہ کرو"

لیکن ان مغلوب الغضب لوگوں نے محمد خاں کی بات کا یقین نہ کیا اور دل میں یہ خیال کر کے کہ بھلا حافظ الملک کا بیٹا کیوں اکیلا حیران و پریشان جنگلوں میں مارا مارا پھرے گا۔ مار پیٹ سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ اتنے میں حافظ محمد یار خاں کے پیادے اور سوار جو دیر ہو جانے کے باعث ان کی تلاش میں نکلے تھے اس طرف کو آتے دکھائی دئے۔ دہقانوں نے اس لشکر کو دیکھ کر یقین کر لیا کہ

محمد خاں سچ کہتا تھا۔ واقعی یہ حافظ الملک کا لڑکا ہے اور اب اس کی ہمراہی فوج آرہی ہے بدحواس اور خوف زدہ ہوکر جنگل میں بھاگ گئے اور منتشر ہوکر درختوں کی آڑ میں پوشیدہ ہو گئے۔ جب سوار اور پیادے وہاں پہنچے تو صاحبزادے صاحب کے حکم سے حملہ آور دہقانوں کی تلاش شروع کی گئی۔ ہر چند ڈھونڈھا مگر ایک شخص ہاتھ نہ لگا۔ آخر کار ان کی گاڑیاں کھینچ کر پیلی بھیت لے آئے چند روز کے بعد دہقان مذکور از خود شہر میں داخل ہوکر ملک سید خاں خٹک عامل پیلی بھیت کے پاس آئے اور کہا کہ :۔

«کوئی شخص ہماری گاڑیاں جنگل سے ہانک کر پیلی بھیت لے آیا ہے»

جب ملک سید خاں نے اس شخص کا نام دریافت کیا تو کہا کہ نام ہم حافظ الملک کے حضور اقدس میں بتائیں گے ملک موصوف نے اس واقعہ کو حضور اقدس میں عرض کیا جس پر ان لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم صادر ہوا۔ جب وہ حضور میں حاضر ہوئے حافظ الملک نے اپنے نزدیک بلا کر بکشادہ پیشانی ان کو حقیقت حال بیان کرنے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ :۔

«حضور کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادے ہمارے گاڑی بیل جنگل سے لے آئے ہیں»

ارشاد ہوا کہ :۔

«اس کا سبب کیا تھا اور ہمارے بیٹوں میں سے کس نے یہ کام کیا ہے»

چونکہ یہ لوگ قصوروار تھے اس لئے حافظ الملک کے بار بار اصرار کے باوجود صاف صاف نہ بتلا سکے۔ اس پر حافظ الملک نے فرمایا کہ :۔

«ثابت ہوتا ہے کہ قصور تمہارا ہے لیکن میں تمہارے قصور کو معاف کرتا ہوں۔ اب تم بتلاؤ کہ کون تمہاری گاڑیاں زبردستی لے آیا ہے اور اس کا سبب کیا تھا»

جان بخشی اور معافی قصور کا اطمینان ہو گیا تو دہقان نے کہا کہ :۔

خداوند زادے حافظ محمد یار خاں ہماری گاڑیاں اور بیل جنگل سے لے آئے ہیں اور

ان کے گاڑی خانہ میں اب تک موجود ہیں،

حکم ہوا کہ حافظ محمد یار خاں کو مع گاڑیوں اور بیلوں کے حاضر کیا جائے جب وہ حضور میں حاضر ہوئے تو بکمال قہر و غضب ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ :۔

"ان بے گناہوں نے کیا گناہ کیا تھا کہ ان کی گاڑیاں اور بیل تم زبردستی یہاں پکڑ لائے ہو،"

حافظ محمد یار خاں نے عرض کیا کہ اس کا سبب انہیں لوگوں سے دریافت کیا جائے حافظ الملک نے دوبارہ نہایت شفقت و محبت سے فرمایا کہ :۔

"اس وقت مدعی اور مدعا علیہ دونوں موجود ہیں۔ واقعہ بے کم و کاست بیان کرو عدالتی معاملات میں ہمارے نزدیک اپنے اور بیگانے سب برابر ہیں،"

تب ان لوگوں نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد حافظ محمد یار خاں کو حکم ہوا کہ تم ہی اس واقعہ کا اظہار کرو۔ بموجب حکم حافظ محمد یار خاں نے اصل واقعہ کو مفصل عرض کیا اور اپنا ہاتھ اور اپنی پیٹھ جو اب تک زخمی تھی کھول کر دکھائے۔ ساتھ ہی محمد خاں خلجی کو بھی حضور میں حاضر کر کے اس کا تمام جسم جو زخموں سے چور چور ہو گیا تھا مشاہدہ کرایا۔ حافظ الملک نے تمام حال سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ :۔

"ان بے چارے بے خبر لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم خود اس تکلیف و صعوبت کے سزاوار ہو۔ . . . . خبردار آئندہ پھر اس قسم کی حرکت ناپسندیدہ کے قریب نہ جانا . . . . . . ان بے خبر لوگوں سے نادانستگی کے عالم میں اس قسم کی حرکت وقوع میں آئی ہے۔ اس وجہ سے ان سے کوئی مواخذہ اور باز پرس نہیں ہو سکتی جاؤ ان لوگوں کی گاڑیاں اور بیل مع ان تمام چیزوں کے جو ان میں ہوں ان لوگوں کے حوالے کر دو اور ان کو رضامند کرو،"

حافظ محمد یار خاں جو حافظ الملک کے غصہ اور غضب سے سہمے ہوئے تھے اس حکم کو غنیمت سمجھ کر

سے اٹھ کر چلے گئے اور مطابق حکم علاوہ بہاؤں، گاڑیوں اور ان چیزوں کے جو ان میں تھیں کچھ روپیہ بھی اپنے پاس سے دے کر ان لوگوں کو حضور اقدس میں روانہ کر دیا۔ تاکہ یہ لوگ خوش ہو کر حافظ الملک کو ان کی طرف سے مطمئن کر دیں۔[1]

عدالت و انصاف

حافظ الملک کے عہد فرخ عہد میں رعایا اور برایا دولت مند یا گدائے بے نوا کوئی ظلم وستم کا نام نہ جانتا تھا۔ زبردست لوگ ان کے انصاف کے ڈر سے کمزوروں اور زیردستوں پر ظلم کرنے کے بجائے مسکینوں اور ناتوانوں کی امداد کرتے تھے اور بازپرس کے خوف سے خصائل ذمیمہ اور افعال شنیعہ سے تائب ہو گئے تھے۔ ان کے انصاف کی کچہری میں وضیع و شریف، خورد و بزرگ، ادنی و اعلی سب کے ساتھ ایک سا سلوک کیا جاتا تھا اور قانون کے اجراء میں جو مطابق شریعت اسلام ہوتا تھا۔ امراء کے بیٹوں، عزیزوں اور دیگر عوام الناس میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا تھا۔ خطاکاروں، گنہگاروں اور مجرموں کی سزادہی میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کیا جاتا تھا اور حکومت کی جانب سے بڑے بڑے اشتعال کے موقع پر بھی حق و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جاتا تھا۔ خود حافظ الملک کی ذات پر قاتلانہ حملہ کیا جاتا اور مجرم کو صرف اس قدر سزا دینا گوارا کرتے جس قدر کہ قانون شریعت اجازت دیتا۔ یہ نہیں کہ اپنی شخصیت کو فوق المعمول تصور کر کے غیر معمولی سزا دیتے۔ نواب عبداللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں نے اپنے مکان میں حافظ صاحب کو بلا کر قتل کرانا چاہا تو اس کی سزا انہیں صرف یہ دی گئی کہ عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے ملک بدر کر دئے گئے۔ اسی طرح ایک اور اہم واقعہ کا ذکر ہے کہ ایک روز حافظ الملک بریلی میں اپنی محلسرا مبارک محل میں مقیم[2] تھے رات کے وقت موافق

---

[1] گلستان رحمت۔

[2] مبارک محل نام کی ایک پرانی حویلی محلہ چھپی ٹولہ متصل قلعہ بریلی میں موجود ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوا یہ حویلی حافظ صاحب کی محلسرا نہ تھی۔ حافظ صاحب کی محلسرا غالباً کھنڈر میں مرزائی باغ کے قریب واقع تھی جس کا اب کوئی وجود نہیں ہے۔

معمول نماز تہجد کے واسطے اٹھے اور حسب قاعدہ کسی اہل حرم یا ملازم کو بیدار کئے بغیر جب پہلے بیت الخلاء تشریف لے گئے تو اس کے دروازے پر انہیں پاؤں کی آواز معلوم ہوئی۔ خیال کیا کہ اہل حرم میں سے کوئی اندر ہے۔ کچھ دیر توقف کیا، تھوڑی دیر کے بعد ایسی آہٹ معلوم ہوئی جیسے کوئی بیت الخلاء کے اندر سے باہر نکلتا ہے لیکن وہ آہٹ دروازے تک پہنچنے کے بعد موقوف ہوگئی۔ اس پر حافظ الملک کو شبہ ہوا کہ شاید کوئی چور ہے بلا پس و پیش اندر داخل ہوگئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک قوی الجثہ شخص ایک بہت بڑا چھرا ہاتھ میں لئے ایک گوشہ میں کھڑا ہے۔ اس شخص کو بعض ناعاقبت اندیش سرداروں نے روپیہ کا لالچ دیکر حافظ الملک کو قتل کرنے کی غرض سے بھیجا تھا اور یہ شخص پہرے والوں اور دربانوں کی آنکھ بچا کر یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ حافظ الملک نے اس کے ارادۂ بد کو محسوس کرنے اور اپنے پاس کوئی ہتھیار نہ ہونے کے باوجود نہ تو قدم پیچھا ہٹایا اور نہ کسی ملازم کو آواز دی بلکہ فوراً ایک ہاتھ سے اس شخص کے چھرے والے ہاتھ کو پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر ایسے زور سے طمانچہ مارا کہ وہ چکر کھا کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد اس کو کھینچکر اندرون مکان سے باہر لے آئے اور دربانوں کو سپرد کر کے فرمایا کہ "اپنے اس دوست کو پکڑو"، پاسبان اور دربان اس حال کا مشاہدہ کر کے بدحواس ہوگئے اور سب کو یقین ہوگیا کہ ان سب کی زندگی ختم ہو جائے گی، لیکن حافظ الملک اس شخص کو ان لوگوں کے سپرد کر کے محلسرا میں تشریف لے گئے اور نماز تہجد اور ورد و وظائف میں مشغول ہوگئے دوسرے روز بطریق معمول جب دیوان عام میں تشریف لائے تو راؤ پہاڑ سنگھ دیوان اور دوسرے سرداروں نے اس واجب القتل کے قتل کا حکم صادر کرنے کی التجا کی۔ حافظ الملک کو چونکہ حد شرعی سے تجاوز ہرگز منظور نہ تھا اس لئے ان کے معروضہ کو قبول نہ کیا تب ان لوگوں نے عرض کیا کہ :-

"اگر حکم ہو تو اس معاملہ کی حقیقت حال کا استفسار شروع کریں تاکہ یہ معلوم ہو کہ کن کن لوگوں کے اغوا سے اس شخص نے یہ جرأت و جسارت کی۔"

لیکن حافظ الملک نے اس رازِ سربستہ کی تفتیش اور انکشاف کی کبھی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ

"اس معاملہ کی تحقیق و تفتیش میں بہت سے خطرات ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ فتنہ پرداز شخص گروہ اشرار کے اغوا سے ہمارے دولت خواہوں اور خیر اندیشوں میں سے کسی کو متہم کر دے یا سرداروں میں سے کسی بے گناہ کا نام بتا دے۔ اس صورت میں لازم ہوگا کہ ان لوگوں کے ساتھ واجبی سلوک کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے خیر اندیشوں اور ان کے علاوہ بہت سے بے گناہوں کو نقصان پہنچ جائے گا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ شخص جن لوگوں کے نام بتلائے ان کو کچھ سزا نہ دی جائے۔ کیونکہ یہ بات آئین امارت و ریاست سے بعید ہوگی۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ اس زیاں کار سے کسی قسم کی تحقیق و تفتیش نہ کی جائے!"

اس ارشاد کے بعد حافظ الملک نے مجرم کو صندل خاں[1] شحنہ بریلی کے سپرد کر دیا اور تاکید تمام حکم دیدیا کہ اس کو کھانے پینے کی کوئی تکلیف مطلق نہ دی جائے، دو تین دن کے بعد صندل خاں مذکور نے دیوان پہاڑ سنگھ وغیرہ ارکان دولت کے مشورہ سے اس شخص کی آنکھیں نکلوا دیں، جب حافظ الملک کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو ان کے غیظ و غضب کی کوئی حد نہ تھی اور قریب تھا کہ اس کے قصاص میں صندل خاں نور بصارت سے محروم کر دیا جائے لیکن دوسرے اعیان دولت کی منت و سماجت اور انتہا درجہ کی الحاح و زاری سے مجبور ہو کر بدقت اس کے جرم سے درگزر کی۔ اس شخص کو محبس سے نکال کر جراحوں کے سپرد کیا اور کوشش بلیغ کی کہ کسی طرح اس کی آنکھیں اچھی ہو جائیں۔ چنانچہ چند روز کے بعد زخم اندمال پذیر ہو گئے اور حافظ الملک نے ایک روپیہ یومیہ اس کے جیب خرچ کے لئے اور اس کا کھانا اپنے مطبخ خاص سے مقرر فرما دیا تاکہ مدت العمر فارغ البالی

---

[1] صندل خاں کا بازار بریلی میں قلعہ کے قریب موجود ہے جو صندل خاں کی بزریہ کے نام سے مشہور ہے اور حافظ الملک کے زمانہ کی یادگار ہے۔

کے ساتھ ایام گزاری کر سکے۔

زراعت و تجارت حافظ الملک کے دور حکومت میں ان کی تمام ریاست آباد، زراعت مکمل اور رعایا خوشنود تھی۔ افتادہ زمین کی کاشت ہوتی تھی اور مزارعین کو تقاوی کے ذریعہ امداد دے کر کاشتکاری کرائی جاتی تھی۔ مال گذاری صرف چوتی روپیہ لی جاتی تھی۔ اسی طرح تجارت کی ترقی بھی عدیم المثال تھی۔ سنہ ۱۷۶۹ء میں حافظ الملک نے اپنے مقبوضات میں سامان تجارت کی درآمد و برآمد پر ہر قسم کا محصول قطعی معاف کر دیا تھا۔ گو اس حکم کے صادر ہونے پر روہیل کھنڈ کے تمام سرداروں اور اہل کاروں نے سخت احتجاج کیا کیونکہ معافی محصول سے حکومت کو کئی لاکھ روپیہ سالانہ کا نقصان ہوتا تھا لیکن حافظ الملک نے جو امور سیاسی کے ساتھ ساتھ مسائل اقتصادی کے صحیح طور پر سمجھنے میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ اور ان معاملات میں اپنے ہمعصروں سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ فوج کے مصارف کثیر اور خزانہ میں روپیہ کی کمی کے باوصف اپنے حکم کو منسوخ نہ کیا۔ اس ایثار و تدبیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں آزاد تجارت کی بدولت باشندگان روہیل کھنڈ میں اس قدر خوش حالی و فارغ البالی اور اشیاء خوردنی و پوشیدنی کی اس درجہ فراوانی و ارزانی ظہور میں آئی کہ کسی زمانہ میں نہ دیکھی گئی تھی۔ رعایا کی خوش حالی سے حکومت کی آمدنی اور اس کے استحکامات میں بھی خلاف امید غیر معمولی ترقی ہوئی۔ مسٹر فرینکلن نے اس زمانہ کی بریلی کو جو اس وقت بھی روہیل کھنڈ کا صدر مقام تھا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ:

> یہ شہر حافظ رحمت خاں کی مخصوص دوربینی کے سبب سے ایک بہت بڑی تجارت گاہ بن گیا ہے۔[1]

---

[1] لارڈ ہیسٹنگز حافظ صاحب کی شہادت کے صرف چالیس سال بعد بریلی پہنچا۔ اس نے اپنے روزنامچہ مورخہ ۲۵ نومبر سنہ ۱۸۱۴ء میں لکھا ہے کہ اس شہر و نیز اس نواح کے دوسرے بڑے شہروں میں ایک عامی یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ متعدد عوامی عمارات تقریباً تباہ ہو چکی ہیں۔ یہ اس استبدادی (حکومت اودھ) حکومت کا نتیجہ ہے جس نے ان علاقہ جات

عمارات | حافظ الملک کو مخلوق کی آرام و آسائش اور اپنے مقبوضات کی رونق و خوبصورتی بڑھانے کے لئے عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ ان کا ایک مستقل محکمۂ تعمیر تھا جس میں بہت سے ہندوستانی اور ولایتی ماہرینِ فن تعمیر اور کاریگر بڑی تنخواہوں پر ملازم تھے۔ چنانچہ اپنے عروج و خوشحالی کے زمانہ میں اس محکمہ کی امداد سے انہوں نے طول و عرض روہیل کھنڈ میں بکثرت گڑھیاں قلعے، شہر پناہیں، محلسرائیں، مسافر خانے، مہمان خانے، بازار، باغات، سڑکیں، پل، نہریں، تالاب، مدرسے، مسجدیں اور مقبرے تعمیر کرائے۔ بریلی، آنولہ، حافظ گنج، پیلی بھیت، جلال آباد اور بدایوں وغیرہ میں اکثر عمارات تعمیر کرائیں جن میں بعض شکستہ اور بعض ابتک بہتر حالت میں ہیں۔ بدایوں میں ایک خوبصورت مسجد جس کے احاطہ میں ان کے والد شاہ عالم خاں کی قبر موجود ہے اور حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ والد حضرت نظام الدین محبوب الٰہی بدایونی ثم دہلوی کی درگاہ جو آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے انہیں کی تعمیر کردہ ہے۔

آنولہ میں نواب علی محمد خاں کا خوشنما مقبرہ اور پیلی بھیت میں ایک نہایت خوبصورت اور رفیع الشان جامع مسجد خاص طور پر ان کے شوق تعمیر کی شاہد ہے۔ جامع مسجد کے علاوہ پیلی بھیت میں دو اور مسجدیں اور دریائے کھکرہ کا پل آج تک ان کی یادگار باقی ہیں۔

---

۵۵ کی بالکل پرواہ نہیں کی اور انفرادی طور پر ان افراد کو مالی اعتبار سے مفلوج کر دیا جو ان عمارات کی مثل زیورات حفاظت کرتے تھے۔ بریلی کی جامع مسجد کے متعلق لارڈ موصوف کے تاثرات حسب ذیل ہیں:۔

"دوپہر بعد میں شہر دیکھنے گیا۔ جامع مسجد جیسا کہ وہ پکاری جاتی ہے صرف ایک تنہا عمارت ہے جس پر توجہ مبذول کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک بہت عمدہ عمارت ہے۔ لیکن تیزی کے ساتھ خراب و خستہ ہوتی جارہی ہے۔ اس کے منارے بڑے خوبصورت ٹائلوں سے مزیّن کئے گئے ہیں۔ کئی جگہ سے وہ گر گئے ہیں۔

خاص بریلی کی عمارات میں مبارک محل، دیوان عام، دیوان خاص اور قلعہ تھا جن کا صرف نام ہی نام باقی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شجاع الدولہ نے ان کو مسمار کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ یہاں تک کہ ان کی صحیح جائے وقوع کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ مولوی ابوالحسن صاحب فہچور میرٹھی جزبلسٹ نے اس واقعہ کی تائید میں ۱۹۳۲ء میں تحریر فرمایا تھا کہ:۔

"والیان ملک کے صنادید عہد کے آثار ہزارہا سال تک قائم رہتے ہیں جن کو مٹانے کے لئے اعدار لیل و نہار کو قرنوں تک مصروف جدوجہد رہنا پڑتا ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ حافظ رحمت خاں کے عہد کو صرف ڈیڑھ سو سال گزرے ہیں مگر ان کے گھر بار کا کوئی شکستہ اور ریختہ کھنڈر بھی اب کہیں نظر نہیں آتا۔ کیا اس سے والی اودھ کی بربریت کا پتہ نہیں چلتا کہ اس نے اپنے غضب انتقام سے حافظ الملک کے محلات کو مسمار کر کے گدھوں کے ہل چلوا دئے جس کا پتہ پیلی بھیت کی سڑکوں کی کھرنجہ والی لکھوری اینٹیں بزبان حال دے رہی ہیں۔ البتہ ان کے دیوان ریاست کے عالی شان وسیع محل کا کھنڈر پیلی بھیت میں اور کٹرہ مان رائے کا بلند پھاٹک بریلی میں باقی ہے۔ یا ایک حمام کی شکستہ عمارت مرحوم کے غم میں گرم گرم آنسو بہاتی نظر آتی ہے۔ کیا اس کثیر العیال والی کٹھیر نے اپنی اولاد کی بود و باش کے لئے خس پوش مٹی کے چند جھونپڑے ہی بنوائے تھے جو چند ہی سال میں آندھیوں کے طوفان سے اڑ گئے اور بارشوں میں بہہ گئے۔ مشہور ہے کہ بریلی میں حافظ الملک کے محلات (مبارک محل وغیرہ) مرزائی مسجد کے جانب شمال مشہور مرزائی باغ کے وسیع قطعہ پر واقع تھے اور اس باغ کی سطح مرتفع سے پتہ چلتا ہے کہ مکانات کے انہدام سے یہ جگہ بلند ہو گئی ہے اور نواب اودھ کے جوش انتقام کی نوحہ خواں ہے۔ وہ تو مذہبی ممانعت اور شورش عام کا خوف مانع تھا ورنہ یہ خدا نا ترس شخص حافظ الملک کی تعمیر کردہ جامع مسجد کو بھی گرا کر اس کے ملبہ سے چالیس لاکھ کے تاوان کا ایک جز ضرور وصول کر لیتا"۔ (منقول از روزنامہ اخبار بریلی)

یہ روایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ بریلی شہر کہنہ میں مرزائی مسجد و باغ جو اس وقت موجود ہیں انہیں کے قریب مبارک محل وغیرہ واقع تھے۔ رہا قلعہ وہ شہر کے جانب غرب واقع تھا اور آج بھی ایک پورا محلہ اس نام سے موسوم ہے۔ رحمت خانی عمارت کا پتہ نہیں یہانتک کہ قلعہ کے موجودہ دروازے بھی مسٹر جان انگلس کلکٹر ضلع کے عہد کی تعمیر ہیں۔

حافظ الملک کے عزیزوں اور سرداروں نے بھی ان کے عہد میں بکثرت محلات اور مساجد تعمیر کیں جن میں سے آنولہ میں بخشی سردار خاں۔ فتح خاں خانساماں اور بیگم کی مسجدیں۔ بریلی میں بی بی جی کی مسجد جو حافظ الملک کی ہمشیرہ تھیں اور بسولی میں نواب دوندے خاں کا قلعہ، مسجد اور حمام وغیرہ اب بھی باقی ہیں۔ حافظ الملک کوئی عمارت بنواتے تو ان کے اس ارادے میں ثواب عقبیٰ اور نفع رسانی خلق اللہ کی نیت ضرور شامل ہوتی تھی۔ بلکہ کچھ عمارتیں تو بنوائی ہی اس غرض سے گئیں کہ ان کی تعمیر کے سلسلہ میں ضرورت مند اور مفلوک الحال لوگوں کو روزی کمانے کا موقع ملے۔ مثلاً ۱۷۶۲ء میں راجپوتانہ میں بڑا سخت قحط پڑا جس کی وجہ سے کثیر التعداد مارواڑی اور میواتی اپنا وطن چھوڑ کر دار الامن روہیل کھنڈ میں آنے لگے۔ حافظ الملک نے براہ غربا نوازی ان کے لئے روزینہ کے طور پر کچھ رقم مقرر کر دی۔ لیکن جب ان کی تعداد حد سے متجاوز ہو گئی تو محض ان کو ذریعہ معاش بہم پہنچانے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ان لوگوں کو پیلی بھیت کے گرداگرد شہر پناہ خام بنانے کا حکم دیا۔ جب ۱۷۶۳ء میں شہر پناہ مذکور بن کر تیار ہو گئی اور پھر بھی یہ ضرورت باقی رہی کہ جو امداد اس تعمیر کے سلسلے میں غریبوں کو مل رہی تھی وہ جاری رہے تو حکم دیا کہ اس کو توڑ ڈالا جائے اور از سر نو پختہ بنایا جائے۔ پختہ شہر پناہ کی ۱۷۶۹ء میں تکمیل ہوئی۔ حافظ الملک کی اس عدیم المثال فیاضی کی بدولت تمام مارواڑی اور میواتی جو نہایت غریب اور تنگدست تھے مالدار ہو گئے اور روپیہ جمع کر کے زراعت و تجارت میں مشغول ہو گئے۔ آئندہ کے لئے انہوں نے روہیل کھنڈ ہی میں مستقل سکونت بھی اختیار کر لی۔

جامع مسجد پیلی بھیت کی تعمیر کا واقعہ اس سے بھی زیادہ سبق آموز ہے گو اس کی نوعیت ایک

حدتک مختلف ہے، بریلی و بدایوں کی طرح پیلی بھیت میں کوئی جامع مسجد نہ تھی اور مسلمانوں کو جمعہ کی نماز ایک جگہ مجتمع ہو کر ادا کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ عام مسلمانوں کی اس تکلیف کا احساس کر کے حافظ الملک نے ۱۷۶۷ء میں اپنے محکمۂ تعمیرات کے خاص خاص کارپردازوں کو جمع کیا اور جامع مسجد دہلی کے نقشے کے مطابق ایک عالی شان مسجد بنانے کا حکم دیا۔

جگہ کا سوال بہت پیچیدہ تھا۔ حافظ الملک کی خواہش تھی کہ دیوان خاص و عام اور محلسرا سے قریب کوئی مقام ہو لیکن یہاں محلسرا سے شمال رویہ بجز ساگر تال نامی ایک بہت بڑے اور نہایت گہرے تالاب کے کوئی دوسرا میدان نہ تھا۔ حافظ الملک نے اس تالاب ہی کو پاٹ کر مسجد بنانے کی خواہش ظاہر کی منتظمین نے عرض کیا کہ :۔

"اس تالاب کے پاٹنے میں بے شمار روپیہ صرف ہوگا۔ اگر اس کے بجائے کوئی دوسری جگہ پسند کی جائے تو مناسب ہوگا تاکہ ایک عالی شان مسجد بھی بن جائے اور اس قدر روپیہ بھی صرف نہ ہو۔"

حافظ الملک نے فرمایا کہ :۔

"ہمارا منشا یہ ہے کہ مسجد دیوان عام و خاص سے قریب بنے، تاکہ اکثر اوقات نماز جامع مسجد میں ادا کی جائے۔ علاوہ بریں کوئی اور جگہ بھی خالی نہیں ہے، جہاں اس عمارت کو قایم کیا جا سکے۔ بہت سے غرباء، فقراء اور علماء کے مکانات ہیں جن کو ہموار کر کے مسجد تیار کی جا سکتی ہے لیکن اس بات کو ہماری طبیعت گوارا نہیں کرتی۔ ہمارے نزدیک بے شمار روپیہ صرف کرنا آسان ہے لیکن محتاجوں اور مسکینوں کو تکلیف دینا غیر ممکن ہے۔"

منتظمین نے عرض کیا۔

"اگر ان مکانوں کے عوض ان کے مالکوں کو دوسرے مکان سرکار سے تیار کرا دئے جائیں تو اس میں اس قدر روپیہ صرف نہ ہوگا جس قدر کہ اتنے بڑے تالاب کو پاٹنے میں صرف ہوگا۔"

حافظ الملک نے جواب دیا کہ :۔

"تمہارا مشورہ ہماری خیر خواہی پر مبنی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ کوئی متنفس اپنے مکان کے انہدام پر راضی نہ ہوگا اگرچہ اس کے عوض میں اس سے بہتر ہی مکان اس کو بنوا دیا جائے"

کارپردازوں نے عرض کیا کہ :۔

"ان غرباء کو ہم راضی کرلیں گے"

ارشاد ہوا کہ :۔

"یہ لوگ کمزور ہیں زبردستی کے خوف سے خواہ مخواہ راضی ہوجائیں گے اور ان کی اس طرح مجبورانہ رضامندی ہمکو ہرگز منظور نہیں ہے۔ یہ امر عدالت و انصاف سے قطعی بعید ہے"

اس آخری جواب کے بعد مزید عرض و معروض کی بالکل گنجائش باقی نہ رہی سب لوگ خاموش ہو گئے اور حکم کے موافق اس عظیم الشان تالاب کو پاٹنے میں تعجیل تمام عمل میں لانے لگے۔ تالاب پٹ گیا تو حافظ الملک نے بنا سنگ بنیاد کی رسم کے روز روہیل کھنڈ کے تمام علماء۔ فضلاء، فقراء، شیوخ اور قضاۃ کو مدعو کیا جب یہ تمام لوگ جمع ہو گئے تو حافظ الملک نے ایک منبر پر کھڑے ہو کر یہ تقریر کی کہ :۔

"اے بزرگان ملت اس مبارک تقریب کے موقع پر میں نے آپ صاحبو کو اس غرض سے جمع کیا ہے کہ آپ میں سے کوئی ایک ایسے بزرگ جنہوں نے کبھی اپنی آنکھ اپنا ہاتھ اور اپنا قدم حرام کی طرف نہ اٹھایا ہو وہ اس خانۂ خدا کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھیں تاکہ اس کی برکت سے یہ پاک عمارت تا ابد الآباد قائم و دائم رہے"

ان الفاظ کو سن کر تمام حاضرین پر سکتہ کا سا عالم طاری ہو گیا اور سب نے اپنی اپنی گردنیں جھکا لیں، تھوڑی دیر توقف فرمانے کے بعد حافظ الملک نے پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ :۔

"الحمد للہ مجھ عاجز فقیر نے مدت العمر اپنی آنکھ، اپنا ہاتھ اور اپنا قدم حرام کی طرف نہیں اٹھایا ہے۔ اس لئے مجبوراً میں ہی اس خانۂ خدا کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھتا ہوں۔ خدا میری مدد کرے۔"

اس کے بعد حافظ الملک نے اپنے دست حق پرست سے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسی روز سے تعمیر کا کام جاری ہو گیا اور ایک مدت کے بعد جامع مسجد دہلی کے نمونہ کی ایک بہت خوبصورت اور وسیع و عظیم الشان مسجد جس میں بکثرت حجرے۔ دالان۔ لانبا چوڑا حوض ایک بڑا گہرا کنواں اور بہت سے سقائے اور غسل خانے وغیرہ شامل ہیں بن کر تیار ہو گئی۔ ملا حافظ سعد اللہ خطیب اور ملا موسیٰ موذن مقرر ہوئے۔ ایک عالم نے اختتام تعمیر کی تاریخ حدیث نبوی سے یہ نکالی تھی۔

"المسجد بیت المتقین"

۱۱۸۱ھ

تعمیر میں تین لاکھ اور چند ہزار روپیہ صرف ہوئے۔ اس مسجد اور جامع مسجد دہلی میں بے حد مطابقت ہے۔ چند چھوٹی چھوٹی باتوں میں ضرور فرق ہے، اول یہ کہ دہلی کی مسجد بلند کرسی پر بنائی گئی ہے جس سے اس کی شان دوبالا ہو گئی ہے۔ پیلی بھیت کی مسجد نشیبی جگہ میں واقع ہونے کے باعث نیچی کرسی پر بنائی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ دہلی کی مسجد سنگ سرخ و سفید سے نہایت استحکام کے ساتھ اور کمالِ وسعت و فراخی کے ساتھ بنی ہے اور اس کے دروازے بھی زیادہ بلند ہیں پیلی بھیت کی مسجد چھوٹی اینٹ اور گچ سے نسبتاً کم وسعت اور مقابلتاً نیچے دروازے کے ساتھ تعمیر ہوئی ہے۔ تیسرے یہ کہ دہلی کی مسجد کا دالان بمقابلہ صحن بلند ہے اور اگلی محراب بہت بڑی ہے پیلی بھیت کی مسجد کا دالان اس کے صحن سے قریب قریب ہموار ہے اور سامنے کی محراب مختصر ہے۔ چوتھے یہ کہ جامع مسجد دہلی کے چاروں طرف ایک طویل بازار واقع ہے۔ جامع مسجد پیلی بھیت کے چاروں طرف بازار نہیں ہے۔[1]

---

[1] گل رحمت۔

جامع مسجد پہلی بیہیت
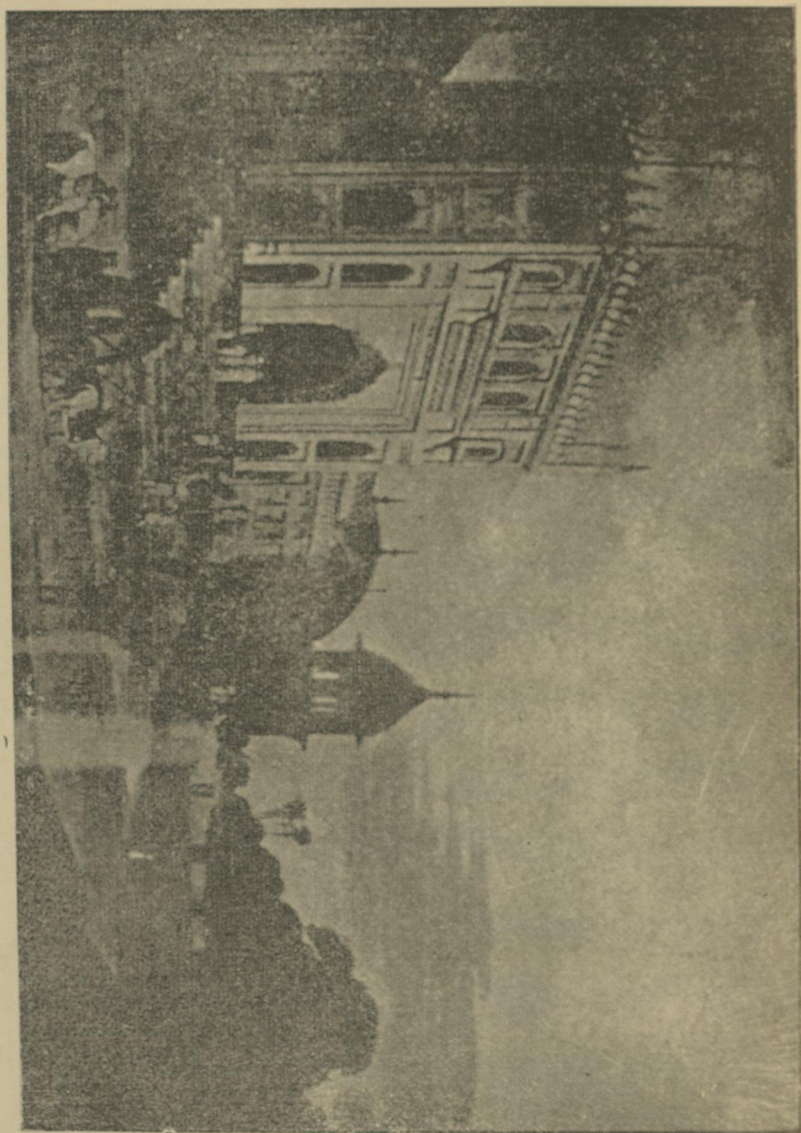
ترویج و اشاعت علوم

حافظ الملک کے عہد حکومت میں روہیل کھنڈ میں پانچ ہزار علماء اور فضلا مساجد و سرکاری مدارس میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ ہر ایک عالم یا فاضل کی اس کے علم و فضل کے موافق تنخواہ مقرر تھی۔ تمام مدرسوں میں کتب درسیہ بڑے بڑے علماء کے مشورہ سے حافظ الملک خود مقرر فرماتے تھے اور طالب علموں کو مقررشدہ کتابیں حکومت کی طرف سے مفت مہیا کی جاتی تھیں۔ ملازمین سرکار کے لڑکوں کے علاوہ تمام طالب علموں کو قیام و طعام کی سہولتوں کے ماسوا فرداً فرداً سو روپیہ سالانہ بطور جیب خرچ بھی دیا جاتا تھا۔ جب طالب علم فارغ التحصیل ہو کر درجۂ فضیلت کو پہنچ جاتا تو علماء فضلا اور طلباء ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر اور جلوس ترتیب دیکر اس کو حافظ الملک کے حضور میں لیجاتے۔ حافظ الملک ان تمام لوگوں کی دعوت کرتے اور دعوت کے بعد طالب علم مذکور کے سر پر اپنے دست مبارک سے دستار فضیلت باندھ کر اس کو زمرۂ علماء میں منسلک کرتے نیز اسی روز سے جس قدر تنخواہ علماء کو دی جاتی تھی اس طالب علم کے لئے بھی مقرر کر دی جاتی اور تعلیم و تعلم یا کوئی دوسرا کام جس سے اس کی طبیعت کو موزونیت ہوتی اس کے سپرد کر دیا جاتا تھا طالبان علم کی ایسی عدیم النظیر عزت و حرمت اور خاطر داری و ہمت افزائی جیسی کہ حافظ الملک کرتے تھے شاید ہی کبھی کسی حکمران نے کی ہو۔

طالب علموں کی دلداری کرنے میں انہیں جس قدر شغف تھا اس کا ذیل کے ایک نہایت دلچسپ واقعہ سے اندازہ ہوگا۔

ایک روز ایک طالب علم نے جو دس طالب علموں پر نگراں تھا سرکاری خزانہ میں آکر مہتمم خزانہ سے درخواست کی کہ اسے مبلغ دو ہزار روپیہ بابت تنخواہ اور کچھ روپیہ پیشگی پرگنہ جہان آباد سے دلوا دیا جائے۔ مہتمم خزانہ نے پیشگی روپیہ دینا قبول نہ کیا۔ اور صرف ایک ہزار روپیہ جو اس کا اور اس کی جماعت کے دس طالب علموں کا واجب الادا تھا خزانہ جہان آباد سے برآمد کرنے کی تحریر لکھ کر دیدی۔ طالب علم نے اس تحریر کو لینے سے انکار کر دیا اور وہاں سے اٹھ کر اور دو ہزار روپیہ کی عرضی

لکھ کر سیدھا حافظ الملک کے حضور میں پہنچا جہاں ہر حاجت مند کو بلا روک ٹوک حاضر ہونے کی اجازت تھی۔ حافظ الملک نے طالب علم کی عرضی ملاحظہ فرما کر اس کی خواہش کے موافق فرمان لکھنے کا اپنے میر منشی کو حکم دیدیا۔ دو ہزار روپیہ اس قدر آسانی سے ملنے لگے تو طالب علم کو اب دور کی سوجھی اور عرض کیا کہ "میرا کام تو پانچ ہزار روپیہ میں نکلے گا، حافظ الملک نے اس کی اس حرکت پر تبسم کر کے ارشاد فرمایا کہ "پہلے تو تو دو ہزار روپیہ طلب کرتا تھا اب اپنے قول سے تجاوز مت کر" طالب علم نے کہا کہ "میں اپنے سابق قول پر پشیمان ہوں"، حافظ الملک نے اس کے اس عذر کو قبول نہ کیا اور محلسرا میں تشریف لے جانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس پر طالب علم نے جھپٹ کر دامن پکڑ لیا اور آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ میری عرضی پر پانچ ہزار روپیہ کا حکم اپنے قلم سے ارقام فرما دیجئے۔

حافظ الملک جنہیں طالب علموں کی معمولی سی دل شکنی بھی گوارا نہ تھی، طالب علم کو دامن پکڑتے دیکھ کر خود بھی فوراً زمین پر بیٹھ گئے اور شفقت پدرانہ کے ساتھ اس کی بہت کچھ تسلی و تشفی کر کے پانچ ہزار روپیہ ہی کا حکم درخواست پر لکھ دیا اور طالب علم مذکور کو زیادہ رنجیدہ نہ ہونے دیا۔[1]

حافظ الملک کی اسی حسن نیت اور حسن عمل کا نتیجہ تھا کہ ان کے زمان سعادت قران میں بکثرت بے مایہ لوگ علوم ظاہری حاصل کر کے عالم متبحر بن گئے۔

جس طرح حافظ الملک طالب علموں کے ساتھ شفقت و محبت کرتے تھے اسی طرح ان کے استادوں یعنی علماء اور فضلاء کا کمال درجہ احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی صحبت سے انتہائی محظوظ و مسرور ہوتے تھے اور ان کی صحبت کے واسطے رات کا وقت مخصوص کر دیا تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ :۔

جب سفر سے پہلی صحبت کو واپسی کا اتفاق ہوتا ہے تو مجھ کو بڑی خوشی ہوتی ہے

---

[1] گلستان رحمت۔

کہ میں ایک ایک فاضل اور عالم کے مکان پر جاکر ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوں گا۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ لوگ پیش دستی کرکے میری ملاقات کے واسطے خود چلے آتے ہیں اور میرے دل کی خوشی آدھی رہ جاتی ہے اتنا انتظار نہیں کرتے کہ میں ان کے مکان پر جاکر ملاقات کروں۔ صرف شاہ ابوالفتح اور مولوی عبدالرزاق انتظار کرتے ہیں جس سے مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے [1]

اخلاق و عادات حافظ الملک نے تمام عمر اتقاء و پرہیزگاری اور پاکبازی کی زندگی بسر کی ہر قسم کے لہو و لعب سے نفرت تھی، مسکرات کا تو ذکر کیا ہے۔ حقہ بھی نہ پیتے تھے اور نہ پان تمباکو سے رغبت تھی۔ لباس نامشروع کبھی نہ پہنتے تھے، اور کلام فضول اور گالی گلوچ سے سخت نفرت تھی، لوگوں کی خطا پوشی اور دلداری ان کا شیوہ تھا۔ جود و سخا، رحم و حلم اور عجز و فروتنی کے مجسمہ تھے۔ معدلت شعاری، پرہیزگاری، حق شناسی، دین داری اور صدق گفتاری ان کے اخلاق کی خصوصیات تھیں اور عقل و ادب، سیاست و تدبر، حسن عمل اور حسن کلام کی خوبیاں ان کی ذات والا صفات میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

معمولات روزانہ شرع شریف پر پوری استقامت رکھتے تھے، ہر وقت باوضو رہتے اور کسی وقت درود شریف یا ادعیہ ماثورہ کے ورد سے غافل نہ ہوتے تھے۔ سوائے نماز ظہر چاروں وقت کی نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ آخر شب میں اپنے خادموں میں سے کسی کو بیدار کئے بغیر بستر سے اٹھتے اور خود غسل و وضو سے فارغ ہو کر نماز تہجد ادا کرتے اس کے بعد ایک منزل قرآن شریف کی تلاوت کرتے یہاں تک کہ سپیدۂ صبح نمودار ہو جاتا اور اس وقت تھوڑی دیر کے لئے دوسری دعاؤں اور اوراد میں مشغول رہ کر حرم سرا سے برآمد ہوتے اور محلسرا کی مسجد میں نماز فجر باجماعت ادا کرتے۔ بعد نماز مصلّے ہی پر بیٹھے بیٹھے اپنے تمام اوراد و وظائف پورے کرتے۔ نماز اشراق پڑھ کر مصلّے سے اٹھتے اور

---

[1] گلستان رحمت۔

دربار عام میں تشریف لاکر وہاں حاجت مندوں اور مظلوموں کی احوال پرسی اور خلق اللہ کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے۔ اس دربار عام میں دربانوں کو حکم تھا کہ کسی حاجت مند یا دادخواہ کو حضور میں حاضر ہونے سے نہ روکیں۔ چنانچہ ہر شخص بلا روک ٹوک آتا تھا اور اپنی مراد پاتا تھا۔ کچھ دن چڑھے دربار عام کو برخاست کر کے نماز چاشت ادا کرتے اور پھر دربار خاص میں جاکر معاملات مالی و ملکی میں مصروف ہو جاتے۔ قریب دوپہر دربار خاص سے اٹھ کر کبھی حرم سرا میں تشریف لیجاتے اور اپنی اولاد کے ہمراہ خاصہ تناول فرماتے۔ تین گھنٹے قیلولہ کرنے کے بعد بیدار ہو کر تنہا نماز ظہر ادا کرتے اور دلائل الخیرات، حصن حصین وغیرہ دیگر دعائیں اور اوراد جو ہمیشہ پڑھتے تھے ان میں مشغول ہو جاتے۔ جمعہ کے روز قیلولہ سے جلد بیدار ہو کر دوبارہ غسل فرماتے اور تبدیل پوشاک کر کے نماز جمعہ جامع مسجد میں ادا کرتے اس کے بعد محتاج لوگوں کو جو جامع مسجد کے دروازے پر جمع ہو جاتے تھے خیرات و عطیات سے بہرہ اندوز کر کے محلسرا کو واپس تشریف لاتے اور حسب معمول ورد و وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ اگر بیلی بھیت میں ہوتے تو جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ بلاناغہ اپنی والدۂ ماجدہ کے مقبرہ میں تشریف لیجاتے وہاں سے واپس ہو کر حسب معمول دربار عام میں جلوس کرتے۔ عصر کے وقت روزانہ دربار سے اٹھ کر علما اور مشائخ کے ساتھ خلوت میں بیٹھتے۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہو جاتا اور نماز سے فارغ ہو کر دو گھڑی چہل قدمی فرماتے اسی چہل قدمی کی حالت میں وظائف معمولی بھی ختم کر لیتے تھے۔ اس کے بعد علماء و فضلا اور مشائخ کی صحبت میں بیٹھکر تفسیر و حدیث اور مسائل فقہ کا تذکرہ ہوتا۔ ایک پہر رات گئے نماز عشا ادا کی جاتی جس سے فراغت پاکر سادات و علماء کے ہمراہ رات کا کھانا تناول فرماتے تھے اس وقت قوال بھی حاضر ہوتے اور حمد و نعت اور انبیاء و اولیاء کی مدح و ثنا میں سوز و گداز کے ساتھ اشعار گاتے تھے۔ کھانے کے بعد قوال رخصت ہو جاتے لیکن علماء حاضر رہتے تھے اور کہیں نصف شب کے قریب حافظ الملک حرم سرا میں تشریف لیجاکر آرام کرتے تھے۔ حافظ الملک کا معمول تھا کہ شب و روز میں صرف تین گھنٹے شب میں اور تین گھنٹے دن میں کل چھ گھنٹے سوتے تھے۔ بقیہ اٹھارہ گھنٹے کا دستور العمل وہی تھا جو اوپر بیان کیا گیا

معمولات ماہ صیام وعید الفطر

رمضان المبارک کے مہینے میں سنتوں، تراویح اور نوافل میں چند ختم کلام اللہ کراتے تھے۔ جب سے کہ صاحبزادہ حافظ محمد یار خاں نے کلام پاک حفظ کر لیا تھا، اول ان سے کلام اللہ سنتے تھے اس کے بعد اور حافظ مامور کئے جاتے تھے، جماعت کثیر کے ساتھ تراویح ادا کرنے کے بعد دو تین حافظوں کے ہمراہ خلوت خانہ میں تشریف لا کر نوافل میں خود ایک منزل قرآن سناتے، ماہ رمضان کے عشرۂ آخر میں حافظ الملک مسجد میں اعتکاف کرتے تھے اور عید کے دن تمام امیروں اور غریبوں کے ساتھ عیدگاہ تشریف لے جا کر نماز ادا کرتے تھے۔

احترام عشرۂ محرم

عشرۂ محرم میں تیرہ تاریخ تک حکم تھا کہ نوبتی لوگ نوبت نہ بجائیں۔ ہر قسم کا گانا بجانا ان ایام میں قانوناً ممنوع تھا۔ ہر روز ہزاروں کی تعداد میں فقراء اور غرباء حافظ الملک کے درِ دولت پر حاضر ہوتے تھے اور انہیں صبح و شام نیاز امام حسین رضی اللہ عنہ کا کھانا تقسیم کیا جاتا تھا بالخصوص ساتویں تاریخ سے دسویں تاریخ تک بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔ سادات، علماء، مشائخ اور صلحا کی دعوت عام ہوتی تھی۔ اول سادات کو دیوان عام میں طلب فرما کر انواع و اقسام کے کھانے کھلائے جاتے تھے۔ حافظ الملک اپنے ہاتھ میں لوٹا لے کر ہر ایک سیّد کے ہاتھ خود دھلاتے اور ایک ایک شخص کے سامنے اپنے ہاتھ ہی سے کھانا رکھتے۔ کھانے کے بعد بطور نذر زر نقد بھی پیشکش کیا جاتا تھا۔ جب سادات رخصت ہو جاتے تو علماء، صلحا، ان کے بعد مساکین اور نابینا و یتیم لوگوں کو گروہ در گروہ باری باری سے طلب کیا جاتا اور قسم قسم کے کھانوں سے ان کی تواضع کی جاتی۔ اس کے بعد صلائے عام دیدی جاتی تھی۔ بیوہ عورتیں۔ فقیر اور غریب جس قدر بھی حاضر ہوتے انہیں کھانا اور کچھ کچھ زر نقد دیا جاتا۔ الغرض سات سے دس تک مسلسل چار روز صبح سے لے کر پہر رات گذرے تک یہی معاملہ رہتا اور حافظ الملک بے شمار روپیہ صرف کر کے نہایت اہتمام و عقیدت کے ساتھ ہر سال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مصائب کی یاد تازہ کرتے۔[1]

---

[1] سرزمین روہیل کھنڈ میں موجودہ زمانے کی سی دھوم دھام کی محرم داری جس میں باجے، تاشے، نوبت و علم اور ...

حرمت ماہ ربیع الاوّل جس طرح حافظ الملک ماہ رمضان المبارک اور عشرۂ محرم میں نذرونیاز اور لاکھوں روپیہ کی خیر خیرات کرتے تھے اسی طرح ماہ ربیع الاول میں دسویں تاریخ سے بارھویں تاریخ تک محافل و مجالس منعقد کرکے بڑی دریا دلی کے ساتھ تقسیم طعام و شیرینی وغیرہ کرتے تھے۔

سادات کے ساتھ عقیدت حافظ الملک کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور سلطان الاولیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جو زبردست عقیدت وارادت تھی اس کی وجہ سے سادات عظام کی بے حد عزت و توقیر کرتے تھے اور ان کے پاس خاطر کو اپنے اوپر واجب ولازم سمجھکر غایت حق شناسی سے سادات کا اس حد تک ادب بجالاتے کہ اگر سادات کے بچوں میں سے کوئی بچہ دربار عام یا دربار خاص میں چلا آتا تو دیکھتے ہی اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہوکر اس کو اپنے پہلو میں بٹھالیتے تھے اور پرسش احوال کرکے جب تک اس کا کام نہ ہوجاتا دوسرے کام کی طرف التفات نہ فرماتے۔ ہرگز اس امر کو گوارہ کرتے تھے کہ سادات میں سے کوئی فرد بے وجہ یا بوجہ رنجیدہ خاطر ہو۔ چنانچہ اسی سلوک کے باعث اطراف واکناف عالم اسلامی سے صحیح النسب سادات کے اکثر قبائل اور صحیح النسب پیرزادے روہیل کھنڈ میں آکر سکونت پذیر ہوگئے اور حافظ الملک نے ان سب کو بیش قرار وظیفے، جاگیریں اور حویلیاں مرحمت کیں تاکہ کمال اطمینان سے بسر اوقات کریں۔ مذکورہ سادات کے مستند خاندانوں میں ایک خاندان سید احمد شاہ عرف شاہ جی بابا کا تھا جو سید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا کی اولاد میں سے تھے اور افغانستان سے بریلی تشریف لائے تھے۔ بڑے

ص۵ تخت تعزیوں وغیرہ کے جلوس نکالے جاتے ہیں۔ اس کا روہیلوں کے دور حکومت یا اس سے قبل کے زمانہ میں جہاں تک تحقیق کی گئی وجود نہیں ملتا۔ اس قسم کی تعزیہ داری کا سلسلہ بعد شہادت حافظ الملک والیان اودھ کے بست وہفت سالہ عہد سلطنت میں شروع ہوا۔ کالا امام باڑہ (تعمیر کردہ نواب آصف الدولہ) اور بریلی میں شیعہ حضرات کی دوسری عمارتیں بھی اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔

نیک خصلت، اہل باطن، عقل و دانش میں ارسطوئے زمانہ اور تہور و مردانگی میں یگانۂ روزگار تھے۔ افغانوں کے بہت بڑے پیر تھے۔ ان کا کچھ حال نواب قائم خاں بنگش والی فرخ آباد کی جنگ میں تحریر کیا جا چکا ہے۔ سید احمد شاہ کے ایک صاحبزادے سید معصوم شاہ صاحب تھے جن سے حافظ الملک کو کمال درجہ عقیدت تھی اور اسی عقیدت کی بنا پر ان کے ہاتھ پر بیعت تھے سید صاحب کا بالعموم قلعہ نو محلہ واقع بریلی میں قیام رہتا تھا۔ اس قلعہ کا اب کوئی وجود نہیں ہے صرف نو محلہ کی عظیم الشان مسجد ضرور باقی ہے جس میں حضرت شاہ جی بابا اور سید معصوم شاہ کے مزارات ہیں[1]۔

حافظ الملک سادات کی جماعت عالیہ کی جس درجہ قدر و منزلت کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کی چند معتبر حکایات سے ہو گا۔

حکایت اول۔ ایک صاحب سید خواجہ حسین نامی برفاقت نواب محبت خاں روہیل کھنڈ میں قیام رکھتے تھے۔ ایک روز سید صاحب کی حافظ الملک کے صاحبزادے نواب حرمت خاں سے کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ سید صاحب نے جلال میں آکر حرمت خاں کی گردن پر چھرا مار دیا یہ خبر حافظ الملک کو معلوم ہوئی تو گھبرا کر پوچھا کہ :۔

"حرمت خاں زندہ ہے یا مر گیا"

لوگوں نے عرض کیا کہ :۔

"زندہ ہے زخمی ہو گیا ہے"

اس پر حافظ الملک سجدۂ شکر بجا لائے اور فرمایا :۔

"الحمد للہ کہ حرمت خاں بچ گیا۔ ورنہ میں ہرگز ایک غلام زادے کا قصاص شاہزادے سے نہ لیتا"

---

[1] کافی عرصہ ہوا خان بہادر سردار محمد رحیم داؤد خاں مرحوم رئیس اعظم بریلی نے رقم کثیر صرف کر کے مسجد نو محلہ کی مرمت کرائی تھی۔

اور اس کے بعد اس واقعہ کا کبھی کوئی تذکرہ بھی سید صاحب مذکور سے نہ کیا۔[1]

حکایت دوم۔ ایک روز دو ڈاکوؤں نے بیلی بھبیت کے قریب ایک مسافر کو قتل کر دیا اور اس کا اسباب لوٹنے لگے۔ ہنوز غارتگری میں مصروف تھے کہ اس نواح کے زمینداروں کو خبر ہو گئی اور ان لوگوں نے آکر ڈاکوؤں کو پکڑ لیا اور مقتول مسافر اور مجرموں کو حافظ الملک کے حضور میں لے آئے مجرموں نے اقرار جرم کیا اور حافظ الملک نے قصاص میں ان کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا جس وقت دونوں شخص قتل گاہ کو بھیجے جا رہے تھے تو زندگی سے مایوس ہو کر ان میں سے ایک نے یہ کہہ دیا کہ :۔

"ہم سید ہیں"

یہ بات فوراً حافظ الملک کے گوش گذار کرائی گئی جس پر ارشاد ہوا کہ :۔

"چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو سادات سے منسوب کرتے ہیں ان کے قتل میں جلدی نہ کرنی چاہئے بلکہ حوالات میں بند کر دینا چاہئے"۔

حاضرین مجلس نے ان دونوں کو اس دعوے میں دروغ گو سمجھ کر عرض کیا کہ :۔

"سادات سے ایسا فعل قبیح کب سرزد ہوتا ہے اور رہزنی کا پیشہ سادات کب کیا کرتے ہیں محض جان کے خوف سے ان لوگوں نے سید ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ایسے شرارت پیشہ لوگوں کا قتل کرنا نہایت ضروری ہے"۔

حافظ الملک نے فرمایا کہ :۔

چونکہ میں ان لوگوں کے حسب و نسب سے واقف نہیں اور سوائے ذات علام الغیوب ان کے جھوٹ اور سچ کا کسی کو علم نہیں۔ اس لئے میں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مولا علیؓ کا کمترین غلام ہوں مجھ پر لازم ہو گیا کہ میں ان کی تعظیم و تکریم

---

[1] تاریخ سلیمانی۔

کروں. تاہم چونکہ ان سے بڑا بھاری گناہ سرزد ہوا ہے اس واسطے تھوڑے سے
عرصہ کے لئے ان کو محبس میں بھیجتا ہوں تاکہ متنبہ ہو کر شاید اس پیشۂ ذمیمہ سے
تائب ہو جائیں میں نے محض ان کے اصلاح حال کے لئے یہ تجویز کی ہے ورنہ میری
کیا مجال کہ ان کو سزا دے سکوں"۔

چنانچہ حسب الارشاد مجرم قتل گاہ سے واپس لائے گئے اور جیل خانے میں قید کر دئے گئے
ان لوگوں کو قید میں مشکل سے دو چار روز گزرے تھے کہ حافظ الملک نے ان کو اپنے حضور میں
طلب کیا اور فرمایا کہ :۔

"اپنے شیوۂ نامرضیہ سے توبہ کیجئے۔ اگر تنگ دستی کی وجہ سے آپ ایسا کرتے تھے تو
نوکری کر لیجئے۔ روپیہ کا لالچ اگر ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہو تو جس قدر چاہئے روپیہ لے
لیجئے"۔[1]

دونوں شخصوں نے تہ دل سے توبہ کر کے ملازمت اختیار کر لی اور جب تک زندہ رہے
حافظ الملک کے لئے سرفروشی کرتے رہے حتیٰ کہ حافظ الملک کی شہادت کے وقت جو معدودے
چند لوگ رہ گئے تھے ان میں یہ دونوں شخص بھی تھے۔

حکایت سوم۔ قصبہ سنبھل ضلع بریلی کے سادات زمانہ قدیم سے شاہی فرامین کی رو سے
ایک ہزار بیگہ اراضی خام پر قابض تھے۔ حافظ الملک کے دور حکومت میں یہ قصبہ ملک سید خاں
خٹک کے پاس مستاجری میں تھا اور اس کا نائب ملا خوش حال خاں اس کی طرف سے تحصیل وصول
کرتا تھا، اس وقت سادات مذکور سات ہزار بیگہ آراضی اپنے پاس کاشت میں رکھتے تھے اور اس کا
لگان بدستور سابق ادا کرتے تھے۔ ملا خوش حال خاں نے پیداوار زیادہ ہونے کے باعث نئے بندوبست
کے بموجب کچھ زیادہ روپیہ طلب کیا تو سادات نے اس کے دینے سے انکار کر دیا جس پر ملا خوشحال

---

[1] گلستان رحمت۔

خاں نے ملک سید خاں کو لکھ کر درخواست کی کہ :-

"اگر حافظ الملک کا پروانہ خاص قصبہ سنبھل کے سادات کے نام اس مضمون کا صادر ہو جائے کہ بندوبست حال کے بموجب اضافہ کا روپیہ بھی سرکار میں داخل ہوا کرے تو سیدوں سے روپیہ وصول ہو جائے گا۔"

اس درخواست کی بنا پر ملک سید خاں نے اس معاملہ کو حضور میں عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ :-

"جدید بندوبست کے موافق سیدوں سے روپیہ وصول کرنا ہمیں منظور نہیں کیونکہ سادات کو اور لوگوں کے زمرہ میں کیونکر شریک کیا جا سکتا ہے۔"

ملک سید خاں نے پھر عرض کیا کہ :-

"خوش حال خاں اور مسلمانوں کے برابر ہی سادات سے روپیہ طلب کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کے دینے سے بھی انکار کرتے ہیں۔"

حافظ الملک نے جواب دیا کہ :-

"سادات لوگ اور مسلمانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا عام مسلمانوں کے برابر ان سے روپیہ وصول کرنا آئین عقیدت و ارادت سے بعید ہے۔"

ملک نے عرض کیا کہ پھر جیسا ارشاد ہو اس کی تعمیل کی جائے۔ حکم ہوا کہ :-

"سادات کے حق میں سات ہزار بیگھ کاشت کی معافی کا پروانہ تحریر کر دیا جائے۔"

جب یہ حکم نامہ مُلّا خوش حال خاں کو اس کی امید کے خلاف موصول ہوا تو اس نے یہ پروانہ سادات کو نہ دکھایا۔ لیکن ساتھ ہی روپیہ کا مطالبہ بھی ترک کر دیا اور جب سادات لوگ معمول کے موافق اس کے پاس روپیہ لے کر جاتے تو وہ لینے سے انکار کر دیتا اور کہہ دیتا کہ کچھ عرصہ کے بعد جیسی تمہاری خواہش ہے اس کے موافق عمل میں آجائے گا۔ کئی مرتبہ یہی صورت پیش آئی تو سیدوں کو خوف ہوا اور آپس میں مشورہ کیا کہ زرِ لگان نہ لینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملا خوش حال خاں نے ہمارے معاملہ کو حافظ الملک کے حضور میں لکھا ہو گا وہاں سے جیسا حکم آوے گا اس پر عمل کرے گا۔

ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ بذات خود حضور میں پہنچکر اپنے معاملات کو من وعن عرض کردیں یہ خیال اپنے دل میں مستحکم کر کے اس گروہ میں سے دو تین آدمی پیلی بھیت حاضر ہوئے اور جمعہ کے دن جبکہ حافظ الملک جامع مسجد میں تشریف رکھتے تھے حضوری میں باریاب ہوئے حافظ الملک نے دیکھتے ہی ان سے دریافت فرمایا کہ:۔

"آپ صاحبوں نے یہاں تک آنے کی کیسے تکلیف گوارا کی"

ان لوگوں نے عرض کیا کہ:۔

"ہم لوگوں نے کئی مرتبہ سابق کا زر مقررہ ملا خوش حال خاں کو دینا چاہا لیکن اس نے لینے سے انکار کردیا۔ اس کے اس فعل کا سبب ہم کو نہ معلوم ہو سکا اور ہم نے خیال کیا کہ مبادا اس نے ہمارے متعلق حضور میں کوئی تحریر بھیجی ہو تب ہم حاضر ہوئے ہیں تاکہ اپنے معاملات کو خود حضور میں عرض کردیں"

حافظ الملک نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"آپ کے یہاں آنے کی صرف اتنی ہی وجہ ہوئی یا اس کے سوا کچھ اور بھی ہے"

ان لوگوں نے جواب دیا کہ:۔

"جو واقعہ تھا ہم نے عرض کردیا"

فرمایا کہ:۔

الحمدللہ میرے دل میں پہلے ہی یہ بات گذری تھی کہ خوش حال خاں نے آپ کے معاملہ میں کوئی مزاحمت کی ہوگی جس کے باعث آپ نے سفر کی تکلیف اپنے اوپر گوارا کی۔ اب آپ وطن کو واپس تشریف لیجائیں اور خاطر جمعی کے ساتھ اپنے گھروں پر بیٹھکر سات ہزار بیگہ آراضی کو اپنی حلوکہ سمجھیں اور ایک کوڑی کسی کو نہ ادا کریں۔ یہ سب معافی ہے"[1]

حافظ الملک کا یہ فرمان سن کر سادات دعائیں دیتے ہوئے خوش خوش اپنے اپنے مکانوں کو

---

[1] گلستان رحمت۔

واپس آئے۔ مذکورالصدر واقعات سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حافظ الملک گروہ سادات کے ساتھ کس درجہ مراعات ملحوظ رکھتے تھے اور ان کی قدرومنزلت میں کس قدر اہتمام کرتے تھے۔

مشائخ وصوفیائے کرام کے ساتھ ارادت ایک دوسرا گروہ جس سے حافظ الملک کو بہت زیادہ عقیدت وارادت تھی وہ مشائخ وصوفیہ کا تھا۔ ہمیشہ فقراء اور عرفا کے متلاشی رہتے تھے اور جس شخص میں مقصود اصلی اور مطلوب حقیقی کی بو پاتے اس سے حقائق کی سلسلہ جنبانی کرتے۔ چنانچہ حافظ الملک کے گرد بریلی و پیلی بھیت میں اکثر مشائخ مثل آخون فقیر صاحب[1]۔ حافظ شاہ جمال اللہ صاحب۔ شاہ ابوالفتح صاحب۔ حافظ صدیق صاحب

---

[1] آخون فقیر صاحب کا پورا نام آخون محمد زیارت خاں صاحب تھا ۱۷۸۲ء میں بریلی میں انتقال ہوا اور محلہ جوگی میں دفن ہوئے ان کا مقبرہ ان کی مسجد میں جو آخون زادے کی مسجد کے نام سے مشہور ہے آج تک موجود ہے مشہور ہے کہ ان کو جنات نے دفن کیا تھا۔ ان کے دو لڑکے تھے ایک آخون زادے ارادت خاں جو لاولد فوت ہوئے دوسرے آخون زادے عباس علی خاں اقتدار الدولہ صمصام جنگ بہادر جن سے ایک لڑکا اور چند لڑکیاں ہوئیں۔ ایک لڑکی جو ان کی پہلی بیوی سے تھیں وہ علی مردان خاں ابن معظم خاں ابن سعداللہ خاں سے منسوب ہوئیں (موخرالذکر دونوں صاحب افغانستان سے آکر بریلی میں سکونت پذیر ہوئے تھے جن کے بطن سے حافظ محمد جشان خاں اور محمد عمران خاں پیدا ہوئے۔ حافظ محمد جشان خان کے بیٹے محمد رفیع الشان خان اور ان کے بیٹے محمد عظیم الشان خاں ہیں جن کا ذکر دیباچہ میں کیا گیا ہے۔ یہ حالات ہم کو عظیم الشان خان صاحب سے معلوم ہوئے۔ تاریخ کاملان رام پور میں ایک دوسرے ملا آخوند کا حسب ذیل حال درج ہے:۔

نام آپ کا شاہ عبدالکریم عرف ملا فقیر آخوند ہے۔ آپ کے والد کا نام شاہ رحمت اللہ ہے ولادت آپ کی مقام گجرات سرحد پنجاب میں تخمیناً ۱۱۴۳ھ میں ہوئی۔ علم ظاہری میں دستگاہ کامل تھی۔ تصوف وفقر میں شاہ منور علی الہ آبادی سے خلافت پائی۔ نواب حافظ رحمت خاں کی حیات تک پیلی بھیت میں زیادہ قیام رہتا تھا اور بڑی شان وشوکت سے رہتے تھے۔ آپ کے تقدس اور بزرگی نے تمام روہیل کھنڈ کو مسخر کر لیا تھا آپ کے بھائی حکیم بایزید صاحب اپنے

شاہ کلیم اللہ صاحب اور میاں شاہ عزت اللہ صاحب وغیرہم جمع ہو گئے تھے۔ شاہ عزت اللہ صاحب کو جو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد میں سے تھے۔ حافظ الملک نے مبلغ چھ ہزار روپیہ سفر خرچ بھیجکر سرہند شریف سے بلایا تھا۔ شاہ صاحب کو حافظ الملک نے بریلی میں مقیم کیا اور ان کے متعلقین میں سے ہر ایک کے لئے درماہہ مقرر فرما دیا۔ اسی طرح حافظ الملک سید احمد صاحب، میر احسن صاحب اور سید معصوم صاحب کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ ان بزرگوں میں بعض مثل شاہ جمال اللہ صاحب اور آخون فقیر صاحب بہ سبب اشتغال ذکر و فکر دائمی حافظ الملک کے پاس نہ آتے تھے۔ ان لوگوں کی خدمت میں حافظ الملک خود تشریف

؎ کتاب فصول فیض اللہ خانی میں آپ کو سرکار کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً "در سرکار برادر صاحب چنین و چناں بود" بیلی بھیت کے زمانہ قیام میں رام پور میں بھی کبھی کبھی آتے رہتے تھے حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد رامپور میں تشریف لائے (۱۱۹۸ھ) جناب نواب محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر طاب ثراہ نے موضع ٹاہ جواب موضع مونڈہ کے تھانے کے پاس مراد آباد کی سڑک پر واقع ہے اور اب انگریزی حکومت میں ہے جاگیر میں نذر کیا آپ اکثر اس موضع میں بھی قیام فرماتے تھے۔ شادی کہاں ہوئی اس کا حال معلوم نہیں مگر سالے کا نام شادی خاں تھا ——— (ص ۳۲۱)

اشاعت علم ظاہری و باطنی کے ساتھ تبلیغ اسلام بھی جاری تھی بہت سے آدمی مسلمان کرتے تھے دستر خوان وسیع تھا۔ طالب علم اور طالب خدا مہمان اور مسافر بہت سے رہتے تھے اور سب کو کھانا ملتا تھا احمد نامی ایک مرید تھا وہ صاحبزادہ عبدالقدوس کے حجرہ کے برابر حجرہ میں رہتا تھا۔ اس کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ کتابوں کی نقل کرے اور کتاب خانہ کی کتابوں کی جلدیں باندھا کرے۔ طلباء میں نظام خاں گردون، ملا کرم سواتی، ملا احمد خاں رزڑ، ملا شاہ زماں خاں جھنڈزئی اکثر حاضر رہتے تھے۔ عوام کے سوا مولوی بھی بہت سے مرید تھے جیسے ملا موتم اخوند، ملا حاتم اخوند مختصر یہ کہ علوم دینی اور علوم باطنی کی اشاعت کا آپ مرکز تھے سنا ہے کہ کئی برس تک زمین پر پیٹھ نہیں لگائی آپ کے سلسلہ کو خوب ترقی ہوئی۔ ۱۲ ربیع شعبان ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ رام پور میں حلقہ والی مسجد میں آپ کا مزار ہے (۳۲۲) تذکرہ کاملان رام پور۔

لے جاکر حقائق و معارف کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اہل اللہ کی اسی قسم کی صحبتوں اور بزرگان دین کی توجہات باطنی و التفات قلبی نیز ذاتی زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی بدولت حافظ الملک نے اس قدر سرمایۂ باطنی حاصل کر لیا تھا کہ ان کے ایک کلمۂ ارشاد و ہدایت سے مبتدی منتہی ہو جاتا تھا لیکن غایت حق طلبی و خدا جوئی سے اپنے آپ کو معمولی سالک کے طور پر تصور کرتے تھے۔ مذکورۂ بالا بزرگوں کے علاوہ جو اور فقرا اور مشائخ روہیل کھنڈ کے جس گوشہ میں بھی تھے حافظ الملک ان کے حالات سے باخبر رہتے تھے اور ان کا سالانہ مقرر کر دیا تھا جو ان کے مقاموں پر پہنچایا جاتا تھا۔ روہیل کھنڈ سے باہر میاں شاہ لال صاحب رائے بریلوی جن کا وطن و مسکن شجاع الدولہ کے علاقہ میں تھا باوصف بُعدِ مکانی اور عدم ادراک صحبت حافظ الملک کی سرکار سے ماہانہ و سالانہ وظیفہ پاتے تھے۔ حافظ الملک نے شاہ مسیح اللہ صاحب مارہروی کا بھی دو روپیہ یومیہ مقرر فرما دیا تھا۔ جو تا قیام حکومت روہیل کھنڈ جاری رہا۔ اسی طرح کئی ہزار روپیہ حضرت سلطان الہند شیخ الشیوخ خواجۂ بزرگ معین الملت والدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرید الملت والدین حضرت شیخ فرید شکر گنجؒ، سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ۔ شیخ سلیم چشتیؒ اور شیخ بدیع الدین مدارؒ اور دیگر بزرگان دین کہ جو طول و عرض ہندوستان میں مدفون ہیں ان کے مزارات کے مجاورین کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے۔ فی الجملہ حضرات اولیاء اللہ کے ساتھ حافظ الملک کو جس قدر عقیدت و ارادت تھی اس کا بیان کرنا حد تحریر سے باہر ہے۔

عورتوں کے ساتھ سلوک حافظ الملک کے عہد حکمرانی میں عورتوں اور مردوں کے ساتھ مساویانہ

لے یہ امر بکثرت واقعات سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حافظ الملک نہایت زبردست اہل باطن اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ جو لوگ اس نقطۂ نظر سے ان سے عقیدت رکھتے ہیں ان کو ان کے فیوض روحانی سے بہت کچھ فیض پہنچ چکا ہے اور صدہا حاجت مند مزار اقدس پر حاضر ہو کر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔
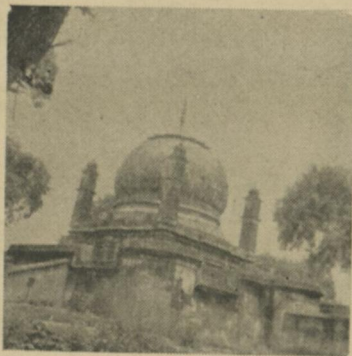
(۱) اندرونی دروازہ مقبرہ حافظ الملک (۲) مقبرہ ۱۹۶۳ء میں (۳) مقبرہ شاہ دانا ولی (۴) دروازہ جامع مسجد بریلی (۵) جامع مسجد بریلی کا اندرونی حصہ

سلوک ہوتا تھا بلکہ اکثر اوقات عدالتیں عورتوں کی حمایت وطرفداری میں مردوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیا کرتی تھیں۔ جو مرد اپنی عورتوں کے ساتھ بیجا ظلم کرتے تھے ان کو باز پرس کے بعد سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ محلہ محلہ لڑکیوں کے مدارس کھلے ہوئے تھے اور غیر مستطیع استانیوں کو حافظ الملک کی سرکار سے وظیفے مقرر ہو جاتے تھے۔ سرکاری اخراجات میں ایک مد ایسی بھی تھی جس سے غریب لڑکیوں کی شادی کے وقت ان کے والدین کو سامان جہیز وغیرہ کے لئے مدد دی جاتی تھی اور اس امداد کے پہنچانے میں اس قدر رازداری کو کام میں لایا جاتا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ حافظ الملک اپنی لڑکیوں کی شادی ہمیشہ شب کے وقت کرتے تھے اور سامان جہیز کو پوشیدہ کر کے دیتے تھے تاکہ غریب لڑکیوں کو حسرت و یاس نہ ہو جنگ کے مواقع پر اہالیان فوج کو تاکید اکید کر دی جاتی تھی کہ عورتوں اور بچوں کو نہ ماریں اور نہ ان کے سامان کو ہاتھ لگائیں۔ حتیٰ کہ مفتوحہ علاقوں کی ان عورتوں کے لئے جن کے خاوند مارے جاتے تھے وظائف مقرر کر دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ اوائل ۱۷۵۰ء میں پرگنات دامن کوہ کی فتح کے سلسلہ میں جب ایک مقام کھیر اگڑھ بھی فتح ہوا اور دوسرے مفتوحہ مقامات کی طرح حسب معمول اس مقام کی تمام بیواؤں کے نام بھی وظائف مقرر ہوئے تو گردو نواح کے غیر مفتوحہ علاقوں کی مفلوک الحال عورتوں نے بھی اپنے آپ کو کھیر اگڑھ کی بیوہ کہہ کر اپنے نام لکھوا دئے اور ان کے نام بھی وظائف مقرر ہو گئے تو اس پر یہ مثل اب تک مشہور ہے کہ :۔

کہیں کی مرے کھیرا کی رانڈ

خود اپنی فوج کے جو سپاہی مارے جاتے تو یہ قاعدہ مقرر تھا کہ ان بیواؤں کے خیال سے خالی شدہ اسامیوں پر ان کے بیٹوں کا تقرر کیا جاتا تھا جن کے بیٹے نہ ہوتے ان کی بیواؤں سے بارگیر طلب کر لئے جاتے تھے۔ جو عورتیں بارگیر بھی نہ دے سکتی تھیں ان کے نام بطریق خیرات وظائف مقرر کر دئے جاتے تھے۔

ہندوؤں کے ساتھ برتاؤ طرز حکمرانی اور ذاتی حالات کے ضمن میں ہم نے عام رعایا کے ساتھ

حافظ الملک کے حسن سلوک اور ان کی عطا کردہ مراعات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ محض مسلمانوں کے لئے ہی مخصوص نہ تھیں۔ بلکہ ہندو بھی ان سے مستفیض ہوتے تھے۔ شریعت اسلامیہ کے سچے اور پکے پیرو ہونے کے باعث اور اسلام کے پاک اصولوں کو صحیح طور پر سمجھنے کی وجہ سے حافظ الملک اپنی اُس رعایا کو جو امن پسند تھی اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں خلل اندازی نہ کرتی تھی ہر طرح کا آرام پہنچانا اور اس کے لئے ترقی کی راہیں کھولنا اپنا فرض ایمانی سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کو اپنے فرائض مذہبی کی ادائگی میں پوری پوری آزادی حاصل تھی۔ آئے دن بڑے بڑے مندروں اور دوسری عبادت گاہوں کی تعمیر ہوتی تھی اور حکومت کسی قسم کی مزاحمت نہ کرتی تھی۔ مذہبی تیوہار بدستور قدیم بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے منائے جاتے تھے اور مسلمانوں کی جانب سے کسی طرح کی روک نہ ہوتی تھی۔ گائے۔ باجا اور محرم و رام لیلا کے قضیوں کا وجود نہ تھا اور روہیلوں کے ابتدائے زمانہ حکومت سے انتہا تک کسی ہندو مسلم فساد کا پتہ نہیں ملتا۔ پہلا ہندو مسلم فساد بریلی میں ۱۸۳۷ء میں ہوا جبکہ روہیلوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

مخالف و موافق مورخین کی تمام مستند تاریخوں کی ورق گردانی کر جائیے لیکن کوئی ایک ایسا واقعہ نظر سے نہ گذرے گا جس سے یہ ظاہر ہو کہ ہندوؤں نے اس سرزمین میں اپنی غالب اکثریت کے باوجود من حیث القوم مسلمان حکمرانوں کے خلاف کوئی مذہبی بغاوت کی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ طاقتور حکومت کا خوف اس امر میں مانع ہوا ہو لیکن جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں تو روہیلہ حکومت کو زوال ہوئے عرصہ گذر چکا تھا پھر بھی جب حافظ الملک کے پوتے خان بہادر خاں نے از سر نو روہیلہ حکومت قایم کرنی چاہی تو ان کی تقریباً ساٹھ ہزار فوج میں بہ تعداد کثیر ہندو شامل تھے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ روہیلوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں کس قسم کا سلوک کیا ہوگا کہ جس کی خوشگوار یاد نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔

علماء، صوفیا اور مشائخ بطور خود مذہبی تبلیغ کرتے تھے لیکن تبلیغ حکومت کے فرائض میں شامل نہ تھی نہ حکومت کی طرف سے اس کام کے لئے روپیہ دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی اعلیٰ معاشرت

کو پسند کرکے یا ان کے عمدہ مذہبی اصولوں کو بہتر سمجھ کر اگر کوئی ہندو اسلام قبول کرتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا، خود ہندوؤں میں زمانۂ حال کی طرح تبلیغ مذہب کا طریقہ رائج نہ تھا ورنہ اس کی یقیناً ممانعت نہ ہوتی۔ اور جس طرح عہد قدیم میں اسلامی حکومت سے پہلے ہندو راجاؤں نے اپنی اپنی مملکتوں میں عرب مبلغِ مذہب تاجروں کو مسجدیں بنانے اور تبلیغ اسلام کی اجازت دینے میں پس وپیش نہ کیا اسی طرح مسلمان حکمران ہندوؤں کو اپنا مذہب پھیلانے کی اجازت دینے میں مطلق تکلف نہ کرتے۔

اگر روہیلے زبردستی ہندوؤں کو مسلمان بناتے تو آج روہیل کھنڈ میں ہندوؤں کی بجائے مسلمانوں کی اکثریت ہوتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روہیل کھنڈ کے صدر مقام یعنی خاص ضلع بریلی اور دارالاقامہ پیلی بھیت تک میں ہندوؤں کی آج تک زبردست اکثریت ہے اور تمام ضعیف العمر ہندو اپنے تجربہ سے اور اپنے اسلاف کے اقوال سے یہی بیان کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے طرزِ عمل میں ہمیشہ غیر متعصب رہے ہیں اور انہوں نے کبھی ہندوؤں کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا۔

مذہبی آزادی کے علاوہ ہندوؤں کو زراعت و تجارت میں بھی گراں قدر مراعات و حقوق حاصل تھے، بلکہ مسلمان تو بالعموم فوجی ملازمت کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ زراعت و تجارت تمام و کمال ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ہندوؤں کی بعض قومیں مثل کھتری، ٹھاکر اور راجپوت فوج میں نوکری کرتے تھے۔ دیش خزانچی کے عہدوں کے لئے موزوں سمجھے جاتے تھے اور کائستھ اہل قلم ہونے کے باعث حکومت کے تمام دفاتر میں ملازم تھے۔ سفارت کے اہم اور نازک فرائض بھی بالعموم ہندو معتمدین کے سپرد کئے جاتے تھے۔ چنانچہ حافظ الملک نے منشی ٹیک چند اور منشی چتر بھوج کو بارہا بڑی بڑی اہم سفارتوں پر بادشاہ دہلی، مرہٹوں، جاٹوں، شجاع الدولہ اور انگریزوں کے پاس روانہ کیا۔ دیوان کا عہدہ جو مدار المہام یا وزیر اعظم کے برابر سمجھا جاتا تھا خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ ہندوؤں کے ہاتھ میں رہا۔ پہلے راجہ مان رائے حافظ الملک کے دیوان رہے اور ان

کے بعد راؤ پہاڑ سنگھ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے جن کی جاگیر میں کم و بیش ۲۴۶۰ گاؤں تھے ان لوگوں کے حافظ الملک سے نہ صرف برادرانہ اور عزیزدارانہ تعلقات تھے بلکہ یہ لوگ ان کے جملہ مالی و ملکی معاملات میں سیاہ و سپید کے مالک اور غیر معمولی اختیارات کے حامل تھے۔ حافظ الملک کی مجلس مشاورت جس میں اہم معاملات طے پاتے تھے اس میں ہندو اعیان دولت بھی شریک ہوتے تھے جن کی موجودگی کے بغیر بالعموم کوئی مجلس انعقاد پذیر نہ ہوتی تھی اور ان کی رائے کو بڑی وقعت دی جاتی تھی۔

حافظ الملک کی نظر میں اللہ کی تمام مخلوق یکساں طور پر عزیز تھی جب وہ بذل و احسان کرتے تو یہ نہیں دیکھتے تھے کہ کون ہندو اور کون مسلمان ہے۔ شہر پناہ بیلی بھیت کی تعمیر کا واقعہ لکھا جا چکا ہے۔ میواتیوں اور مارواڑیوں کے واسطے جن میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو تھے، محض وجہ معاش مہیا کرنے کے لئے انہوں نے کس طرح ایثار و قربانی سے کام لیا اسی طرح ۱۷۶۵ء میں آتش زدگی اور زلزلہ سے شہر بریلی پر تباہی آئی تو انہوں نے جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ کیا وہی ہندوؤں کے ساتھ کیا۔ ایک اور واقعہ ہے کہ حافظ الملک جب صاحبزادہ ارادت خاں کی شادی کر کے شاہجہاں پور سے لوٹ رہے تھے تو پہلی منزل پر کسی رسالدار کا ایک ہندو ملازم کارپردازان رسد کے پاس آیا اور اس نے بیس سیر آٹا اور بیس سیر گھی طلب کیا۔ کارپردازوں نے اس سے دریافت کیا کہ تم تنہا ہو یا تمہارے ہمراہ اور لوگ بھی ہیں۔ تم کس امیر کے ملازم ہو اور کیا کام کرتے ہو۔ اس ہندو نے اپنے رسالدار کا نام بتایا اور کہا کہ میرے ساتھ دس اور آدمی ہیں اور یہ گھی رسالدار صاحب کے گھوڑوں کے واسطے لئے جاتا ہوں۔ میں خود رسالدار کے کہاروں میں ملازم ہوں۔ اتفاقاً جس رسالدار کا نام لیا گیا اس کے ملازم اسی وقت تمام اشیائے مطلوبہ لیجا چکے تھے۔ لہذا کارپردازوں کے دل میں شک پیدا ہوا اور انہوں نے تحقیق احوال کے لئے ایک شخص کو اس رسالدار کے پاس بھیجا۔ تحقیق کے بعد اس ہندو ملازم کا جھوٹ اور فریب کھل گیا۔ چنانچہ اس کو

فوراً پکڑ کر حافظ الملک کے حضور میں لے گئے اور تمام واقعہ عرض کیا۔ حافظ الملک نے حکم دیا کہ اس شخص کو پچیس سیر آٹا اور پچیس سیر گھی دیا جائے اور فرمایا کہ:۔

"اس تحقیقات سے جو غریب لوگوں کے واسطے موجب خجالت ہوتی ہے۔ آئندہ پرہیز کیا جائے"۔

حافظ الملک کی اسی رحمدلی، بیدار مغزی، روشن خیالی، بے تعصبی اور انصاف پسندی کا نتیجہ تھا کہ ان کی ہندو رعایا نے بھی اپنے قابل احترام آقا کے لئے وفاداری کی مثال قائم کردی۔ جس وقت تمام مسلمان عزیز و اقارب اور سرداروں نے حافظ الملک کی جان بچانے کے لئے روپیہ فراہم کرنے سے انکار کر دیا اس وقت دیوان پہاڑ سنگھ کا چالیس لاکھ روپیہ کا پیش کش کرنا اور جب سخت بے سروسامانی میں حافظ الملک نے وطن عزیز کی خاطر جنگ آزادی کے لئے علم جہاد بلند کیا اس وقت جوق جوق راجپوتوں کا آکر شریک حال ہونا ایسے واقعات نہیں ہیں جن کو دنیا جلد فراموش کر سکے گی۔ یہ ایسے واقعات ہیں جن کو تاریخ عالم میں ہمیشہ آب زر سے لکھا جائے گا۔

سیر چشمی | حافظ الملک کی ایک مشہور و معروف صفت سیر چشمی تھی جس نے ان کی شخصیت کو اپنے ہم عصر حکمرانوں میں بہت ممتاز کر دیا تھا۔ عام ملکی واقعات میں دوسروں کی خاطر انہوں نے ایثار و قربانی اور سیر چشمی کی جو عدیم النظیر مثالیں قائم کیں ان کے دوبارہ اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ روزمرّہ کے نجی معاملات میں ان کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی امیر یا فقیر اگر اپنی بڑی سے بڑی خواہش و ضرورت کو ان کے سامنے پیش کرتا تو سوائے حرف قبول دوسرا کلمہ زبان سے نہ سنتا۔ ساتھ ہی لوگوں کی آرزوئیں پوری کرنے کے بعد ان کی یہ عادت تھی کہ حد درجہ عذر خواہی کرتے اور جس پر احسان کرتے اس کا اس قدر احسان مانتے گویا کہ خود ان پر احسان کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کی تقریبات میں ایسی الوالعزمی اور سیر چشمی کا ثبوت دیتے کہ دیکھنے والوں

کو حیرت ہوتی تھی، بالخصوص لڑکوں کی شادیوں میں تمام ہندو مسلمان غریب و امیر اہل شہر کی دعوت کرتے اور جملہ سرداروں اور اہل سپاہ اور ان کے ملازموں کو جن کی تعداد اکثر ایک لاکھ تک ہو جایا کرتی تھی ایک ایک مہینہ مہمان رکھتے تھے اور اتنے کثیر آدمیوں کی اس طویل مہمانداری کے لئے اس قدر سامان خورو نوش فراہم کرتے کہ صرف ہو جانے کے بعد بھی باقی بچ رہا کرتا تھا۔ مثلاً۔ صاحبزادہ ارادت خاں کی شادی میں تقریباً ایک لاکھ براتیوں کے ساتھ شاہجہاں پور سے برات رخصت کرا کر واپس ہوئے اور پیلی بھیت کے قریب پہنچے تو کارپردازان مطبخ سرکاری نے عرض کیا کہ سامان خورو نوش میں جو ضیافت لشکر کے واسطے ہمراہ تھا اس میں سے بہت زیادہ اشیاء باقی بچ رہی ہیں پیلی بھیت میں جو سامان مہیا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ حافظ الملک نے حکم دیا کہ کل جب ہم پیلی بھیت میں داخل ہوں تو باقی ماندہ سامان کو اکٹھا کرکے ہمیں دکھانا بموجب حکم تعمیل کی گئی اور دوسرے روز صبح کے وقت حافظ الملک سوار ہو کر اس جگہ جہاں سامان جمع تھا تشریف لے گئے۔ سامان مذکور کو ملاحظہ فرما کر اہل لشکر اور شہر میں منادی کرادی کہ ان ذخائر میں سے جس شخص کو جس قدر سامان درکار ہو لے جائے۔ تمام اہل شہر او لشکری انبوہ در انبوہ ٹڈی دل کی طرح جملہ سامان پر لوٹ پڑے تمام دن لوٹ جاری رہی لیکن پھر بھی شام کے وقت پانچ ہزار بھیڑ بکریاں، کئی سو من آٹا اور اسی تناسب سے چاول، دال، گھی، شکر اور نمک مسالہ وغیرہ بچ رہا۔ لوگ لوٹتے لوٹتے تھک گئے۔ مگر سامان ختم نہ ہوا۔

شادیوں کے موقع پر محل خاص کی بیگمات کی مجالس بالعموم نصف شب تک رہا کرتی تھیں اس کے بعد جب بیگمات وہاں سے اٹھ کر آرام کرتی تھیں تو خادمات فرش اٹھا کر تقسیم سے بچی ہوئی الائچی اور سپاری وغیرہ جمع کر لیتی تھیں اور یہ سامان اس کثرت سے ان کے پاس جمع ہو جاتا تھا کہ اسکو فروخت کرکے اس کی قیمت سے پختہ عمارتیں اور طلائی زیورات تیار کرلیا کرتی تھیں۔ حافظ الملک کی سیر چشمی اور ان کے زمان سعادت اقتران کے دراصل یہی وہ فوائد تھے

جنہوں نے مخلوق کے دلوں میں ان کی یاد کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔
مسٹر الیٹ حافظ الملک کی شہادت کے چالیس سال بعد بریلی میں کچھ عرصہ قیام کر کے لکھتے ہیں کہ:۔

"یہاں حافظ رحمت خاں کو لوگ انتہائی عزت واحترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں"

زندۂ جاوید گشت ہر کہ نکونام زیست
کز عقبش ذکرِ خیر زندہ کند نام را

شجاعت و شہامت

معرکہ ہائے حرب و میدان کارزار میں حافظ الملک سے جو شجاعت و شہامت ظہور میں آتی تھی۔ اس کا مختلف لڑائیوں کے بیان میں بالتفصیل ذکر آچکا ہے حافظ الملک کی دلیری و مردانگی ضرب المثل تھی اور وہ اپنے زمانہ میں ہندوستان کے سب سے زیادہ بہادر سردار خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مستند حکایت ہے کہ سرہند کے معرکوں میں جب ان سے غیر معمولی بہادری ظہور پذیر ہوئی تو جمال خاں مالیری نے جو رستم پنجاب کے لقب سے مشہور تھا اپنی تلوار کمر سے کھول کر حافظ الملک کے سامنے رکھدی اور عرض کیا کہ:۔

میں نے اس وقت تک اس مرتبہ کی شجاعت کسی شخص میں نہیں دیکھی پس اپنے ہاتھ سے میری کمر سے تلوار باندھ دیجئے تاکہ آپ کے دست مبارک کی برکت سے میں بھی شجاعت کے اس درجہ کو پہنچوں جس سے آپ ممتاز ہیں[1]"

ایک اور معتبر حکایت ہے کہ ایک مرتبہ حافظ الملک بریلی سے پیلی بھیت تشریف لے جا رہے تھے چند مخصوص اہل صحبت اور کچھ اہل فوج بھی ہمراہ تھے۔ اتفاقیہ سرکاری ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی جو سرکشی اور بدمستی میں اپنا نظیر و ثانی نہیں رکھتا تھا اور بہت سے فیل بانوں اور دوسرے لوگوں کو ہلاک کر چکا تھا کسی گاؤں سے پیلی بھیت کو آرہا تھا۔ دریائے دیوہا کے کنارے حافظ الملک

---

[1] گل رحمت۔

کی سواری سے اس کا مقابلہ ہو گیا. فیل بان نے بہت ہوشیاری سے اس کو سواری خاص سے ایک تیر کے فاصلہ پر کرلیا اور پیچھے پیچھے چلنے دیا. اس حال میں تھوڑا ہی راستہ طے ہونے پایا تھا کہ ہاتھی مذکور نے سرکشی پر آمادہ ہو کر بدخوئی اور سرتابی شروع کردی اور حافظ الملک کی سواری کی طرف رخ کیا. فیل بان نے ہر چند چاہا کہ اس کا منہ کسی اور طرف پھیر دے مگر نہ پھیر سکا اور وہ بدمست آنکس کے بکثرت زخم کھا کر بھی اپنی کج روی سے باز نہ آیا. مجبوراً فیل بان نے چلّا کر آواز دی کہ یہ دیو صفت بدخصلت میرے قبضہ و اختیار میں نہیں رہا ہے سب لوگوں کو اپنی اپنی جان بچانے کی کوشش کرنی چاہئے. اس آواز کو سنتے ہی حافظ الملک کے تمام ساتھی پیادے اور سوار اس کوہ رواں کو دیکھ کر جس کا جدھر کو منہ اٹھا فرار ہو گئے. پالکی خاص کے کہار بھی پالکی لے کر بہ عجلت تمام ایک طرف کو روانہ ہو گئے. ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ہاتھی پالکی کے قریب آ گیا اور کہار لوگ بھی پالکی کو زمین پر رکھ کر بھاگ گئے. اس حال کو مشاہدہ کر کے حافظ الملک جو اب تک بہت اطمینان اور سکون سے پالکی کے اندر تشریف فرما تھے نہایت تمکین و وقار کے ساتھ پالکی سے برآمد ہوئے. بڑا اصفہانی چھرا ہاتھ میں تھا جس کا قبضہ مضبوط پکڑے ہوئے تھے. ایک پاؤں پالکی میں اور ایک پاؤں باہر زمین پر جما کر نیم قد سینہ ابھار کر کھڑے ہو گئے تاکہ ہاتھی حملہ کرے اور وہ اس کے سر سے بھیجا نکال لیں.

ادھر وہ فیل مست پالکی سے چار پانچ گز کے فاصلہ پر آ کر ٹھہر گیا. ایک دو منٹ حافظ الملک کو غور سے دیکھا پھر منہ پھیر کر کسی دوسری طرف کو چنگھاڑیں مارتا ہوا بھاگ گیا.

اس عرصہ میں حافظ الملک بڑے استقلال کے ساتھ تنہا اسی شان سے نیم قد کھڑے رہے اس موقع پر صرف یار محمد خاں خٹک حافظ الملک کے پاس اس طرح ٹھہرا رہا کہ اس کے اور ہاتھی کے درمیان پالکی حائل تھی. حافظ الملک نے پہلی بھبیت پہنچ کر یار محمد خاں خٹک کو پیادوں کے زمرہ سے نکال کر جمعداری کے منصب پر سرفراز کیا اور ایک خاص گھوڑا عنایت کیا.

علم و فضل | عام مورخ حافظ الملک کی علمی قابلیت کے بارے میں خاموش ہیں. گلستانِ رحمت

سے ضرور اتنا پتہ چلتا ہے کہ حافظ الملک ذہین و ذکی تھے، طبع رسا رکھتے تھے اور مسائل ضروریہ فقہ پر مدت قلیل میں عبور کلی حاصل کر لیا تھا۔ ایشیائی مورخین کی اسی افسوسناک خاموشی کا نتیجہ ہے کہ بعض یورپین مستشرقین اور محققین نے ان کو سرے سے جاہل مطلق ہی سمجھ لیا اور جب ہیسٹنگز پر انگلستان واپس ہونے کے بعد اس کے ہندوستانی مظالم کی بنا پر پارلیمنٹ میں مسٹر برک وغیرہ نے مقدمہ چلوایا تو اس کے وکیل مسٹر لا نے ہیسٹنگز کی صفائی میں جو تقریر کی اس کے دوران میں نہ صرف حافظ صاحب کی شاعری سے انکار کیا بلکہ ان کو جاہل مطلق ثابت کرنے میں کسر اٹھا نہ رکھی اور ان کو شاعر ماننے والوں کے دعوے کی یہ کہہ کر تغلیط کی کہ حافظ رحمت خاں سے جو اشعار منسوب کئے جاتے ہیں وہ ان کے نہیں بلکہ حافظ شیرازی کے ہوں گے مسٹر لا فرماتے ہیں:۔

"حافظ رحمت خاں پر مظالم کا خاص طور پر اظہار افسوس کیا گیا ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ کوئی خاندانی شاہزادہ تھا بلکہ اس وجہ سے کہ وہ بہت بڑا بہادر تھا۔ اپنے میں سپاہیانہ صفات رکھتا تھا اور شاعر تھا میں نے حال ہی میں اس موضوع پر ایک دلچسپ رسالہ پڑھا ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ تمام مشرق میں نہ صرف اپنی بہادری بلکہ اپنی پاکیزہ شاعری کے لئے بھی مشہور تھا حافظ شیرازی ضرور ایک بہت بڑا شاعر تھا لیکن یہ شخص حافظ رحمت خاں شاعر تو شاعر اگر وہ صلحنامہ (شاہ آباد) پر دستخط نہ کرتا تو مجھے شبہ ہوتا کہ آیا اس کو دستخط کرنا بھی آتا تھا یا نہیں!"

اسی طرح حافظ الملک کے "حافظ" ہونے میں مسٹر لا نے اپنا شبہ ظاہر کیا ہے کہتے ہیں:

"وہ حافظ اس وجہ سے کہلاتے تھے کہ ان کو نواب علی محمد خاں نے اپنے لڑکوں کا محافظ (گارجین) مقرر کیا تھا"

حافظ الملک کے حافظ قرآن ہونے سے انکار کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے وہ صرف برائے

نام حافظ نہ تھے بلکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں ہر سال ماہ صیام میں تراویح میں کلام مجید سناتے تھے۔ اب رہی ان کی شاعری کی بحث اس کے متعلق برک جیسے محقق کے اس فرمانے پر کہ :۔

"روہیلوں کا وہ مقتدر سردار...... جس نے اپنی ادبی تصنیفات اور لطیف شاعری سے حافظ کا نام زندہ کیا!"

مسٹر لاٗ کا یہ کہنا کہ حافظ رحمت خاں شاعر نہ تھے بلکہ یہ شاعر حافظ شیرازی تھے ایک مضحکہ خیز نظریہ ہے۔ حافظ شیرازی کا زمانہ چودھویں صدی عیسوی کا ہے اور ان کا کلام اس قدر مشہور و معروف ہے اور ان کا ایک ایسا مخصوص رنگ ہے کہ کوئی معمولی عقل و فہم کا شخص بھی اس کو کسی اور کا کلام نہیں کہہ سکتا حافظ الملک کا زمانہ اٹھارویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے اور جس قدر ان حافظین کے عہد میں تفاوت ہے اسی نسبت سے ان کے کلام میں بھی امتیاز ہونا لازمی ہے۔ افسوس کہ ہمیں حافظ الملک کا کچھ کلام دستیاب نہ ہوا ورنہ ہم چودھویں صدی اور اٹھارویں صدی کے ان ہر دو شاعروں کے کلام کا موازنہ کر کے مسٹر لاٗ کی عقل سلیم کی داد دیتے لیکن یہ ایک مسلمہ تاریخی واقعہ ہے کہ حافظ الملک پشتو اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔

سر جان اسٹریچی نے اپنی کتاب ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار میں حافظ رحمت بحیثیت ایک شاعر کے، ایک باب لکھا ہے جس میں مذکور ہے کہ :۔

ایم فارسس ٹیٹر اپنے رام پور جانے کی کیفیت اس طرح بیان کرتا تھا کہ جب وہ وہاں سے رخصت ہو رہا تھا تو اس کو ایک روہیلے نے حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلا سرداروں کا ایک قلمی مجموعۂ کلام دیا۔ یہ مجموعہ جو اس کو رام پور میں دیا گیا اور جو اب برٹش عجائب خانہ کے مشرقی نوشتہ جات میں محفوظ ہے۔ اس میں بہت سے دوسرے افغان سرداروں کی غزلیات کے علاوہ پشتو زبان کی ایک نظم حافظ رحمت خاں کی لکھی ہے جس کا مضمون پٹھانوں اور مغلوں کی موروثی عداوت ہے یہ شبہ کرنے کی کوئی وجہ

نہیں معلوم ہوتی کہ یہ حافظ رحمت خاں ہی کی تصنیف ہے...... اس نظم
کے علاوہ ایم ڈارمس ٹیٹر نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ :۔
"گو حافظ رحمت خاں کا دیوان میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا لیکن تعلیم یافتہ
افغانوں میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ وہ ایک دیوان چھوڑ مرے تھے۔ مجھے
امید ہے کہ وہ دیوان اب بھی ہندوستان میں ہوگا لیکن خود مجھے نہ مل سکا۔
رام پور اور بریلی میں تو اب اس کے وجود تک کا لوگوں کو علم نہیں ہے"۔

سر جان اسٹیر یحی لکھتے ہیں کہ :۔
"بہر حال جب یہ کتاب پریس میں جا رہی تھی تو مجھے ہندوستان سے چار فارسی کی
غزلیں موصول ہوئیں جن کی بابت یہ لکھا گیا تھا کہ وہ حافظ رحمت خاں کی ہیں۔ بحالت
موجودہ میں اس بیان کی صحت وعدم صحت کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن وہ
لوگ جن کی رائے اس بارے میں بہت وقعت رکھتی ہے کہتے ہیں کہ بہت ممکن ہے
یہ غزلیں ضائع شدہ دیوان کا ایک جزو ہوں"۔

ان تاریخی شہادتوں سے یہ صریح نتیجہ نکلتا ہے کہ حافظ صاحب صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ
صاحب دیوان شاعر تھے۔ خود جس شخص کا یہ قول ہی نہیں بلکہ عقیدہ ہو کہ :۔
"ایک سردار یا سپاہی کی شہرت اس وقت تک نامکمل رہتی ہے جب تک وہ صاحب
دیوان نہ ہو"۔

تو پھر یہ کیسے یقین کر لیا جائے کہ انھوں نے اپنا دیوان نہ چھوڑا ہو۔ حافظ الملک نے جو زمانہ پایا تھا
اس عہد کی یہ خصوصیت تھی کہ اس زمانہ کے اہل سیف اہل قلم بھی ہوتے تھے اور ان کا قلم نہ صرف
ملکی و مالی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے وقف ہوتا تھا بلکہ علم و ادب کے نکات (شاعری کو جس سے
علیحدہ نہیں کیا جا سکتا) حل کرنے میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔
ہر شخص جس کو علم تاریخ سے تھوڑا سا لگاؤ ہے جانتا ہے کہ احمد شاہ درانی جیسا بہادر

شاعری کا بھی مرد میدان تھا اور صاحب دیوان تھا۔ اس کے اکثر جانشین بھی شاعر تھے جن میں شاہ شجاع کا نام زیادہ مشہور ہے۔

سر جان اسٹیچی حافظ الملک کے اہل ذوق اور اہل علم ہونے پر مزید روشنی اس طرح ڈالتے ہیں کہ :-

حافظ رحمت خاں کے پاس ایک بڑا ذخیرۂ کتب تھا جس کو ان کی شکست وشہادت کے بعد شجاع الدولہ لکھنؤ لے گئے اور جو بعد کو شاہان اودھ کے شاہی کتب خانہ کی زینت بنا۔ ڈاکٹر اسپرینگر نے ان کتابوں کی فہرست مرتب کی تھی جس کی ایک جلد ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ "مجھے اسلحہ خانے میں چالیس صندوق خراب وخستہ حالت میں رکھے ہوئے ملے ان میں حافظ رحمت خاں کا تمام علمی خزانہ موجود تھا، کتابوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بعض پشتو کی تصانیف تھیں جو بڑی کاوش کے ساتھ بکمال حسن وخوبی بہادر اور صاحب علم وفضل روہیلہ سردار کے لئے لکھی گئی تھیں، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں لکھنؤ کا کتب خانہ لٹ لٹا کر برباد ہوگیا۔ لیکن پھر بھی کافی تعداد میں اس کی کتابیں وقتاً فوقتاً دستیاب ہوتی رہی ہیں۔"

حافظ الملک کی کتابوں میں ایک کتاب مسمیٰ[1] بہ خلاصۃ الانساب ہے، جو مؤلف اوراق ہذا کو بڑی کوشش سے دستیاب ہوئی، اس کتاب میں مصنف نے اپنے بزرگوں کے نام ولنب وغیرہ کے تفصیلی حالات تحقیق کرکے لکھے ہیں۔

اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن میں بھی محفوظ ہے[1] ایک اور کتاب موسوم بہ تواریخ

---

[1] مجلۂ العلم، کراچی بابت اپریل تا جون ۱۹۵۵ء میں ایک مقالہ جناب سخاوت مرزا صاحب کا "خلاصۃ الانساب"

رحمت خانی ہے، جس میں یوسف زائیوں کے کابل پر قبضہ کرنے اور ہندوستان آنے کے تاریخی واقعات مفصل اور مشرح طور پر درج ہیں۔ یہ کتاب ابتداءً ۱۶۲۲ء میں پشتو زبان میں لکھی گئی تھی اور اس کا حافظ الملک نے ۱۷۷۰ء میں آسان اور بامحاورہ فارسی میں ترجمہ کرایا تھا۔ اب یہ کتاب انڈیا آفس لائبریری لندن میں مل سکتی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کی ایک بہت پرانی نقل خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

حافظ رحمت خاں" شائع ہوا تھا۔ صاحب مضمون نے اس کتاب کے ایک اور نسخہ کا ذکر کیا ہے جو کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے۔ یہ نایاب نسخہ حافظ صاحب کی شہادت کے صرف چھ سال بعد ہی کا کتابت شدہ ہے۔

(۳۹)

خلاصۂ کلام

حافظ الملک حافظ رحمت خاں جن کی بابت نواب صفدر جنگ کا یہ قول تھا کہ میں نے ولایت افغان کے لوگوں میں کبھی کوئی شخص اس لیاقت و فہمید کا نہیں دیکھا اور جن کو برک جیسے مشہور زمانہ عالم و محقق نے اپنے عہد کا سب سے بہادر انسان تسلیم کیا تھا، ایک مطلق العنان حکمراں ہونے کے باوصف عوام میں روح آزادی کو برقرار رکھنے کے حامی تھے، انصاف کے برتنے میں اپنے پرائے کا امتیاز جائز نہ رکھتے تھے، زراعت و تجارت کی ترقی کو رعایا کی خوش حالی کے لئے ضروری سمجھتے تھے عمارات کا نہایت شوق تھا اور اپنے اس شوق کو پورا کرنے میں ثواب عقبیٰ اور نفع رسانی خلائق کے دوگونہ مقاصد مدنظر رکھتے تھے، شادی بیاہ اور مذہبی تقاریب میں جو کچھ خرچ کرتے اس سے فقراء، غرباء، یتیموں اور بیواؤں کی امداد مقصود ہوتی تھی اور علوم و فنون کی ترقی کی غرض سے طلباء اور علماء و فضلا کی امداد میں بکمال دریا دلی لاکھوں روپیہ صرف کرنا ان کی عادت میں شامل تھا۔

انتظام ریاست سے قطع نظر ایک انسان کی حیثیت سے ان کی زندگی اتقاء، پرہیز گاری، پاکبازی، سیر چشمی اور رحم و کرم کا نمونہ تھی، مذہبی حیثیت سے وہ ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔

سادات کے ساتھ عقیدت اور ان کا احترام اعتدال سے بڑھا ہوا تھا، مشائخ و صوفیائے کرام کے ساتھ ارادت ان کی خدا طلبی کی دلیل تھی، صنف نازک کے ساتھ حسن سلوک ان کا مخصوص شیوہ تھا غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری، بے تعصبی اور انصاف پسندی ان کے بہت بڑے کارنامے ہیں۔ شجاعت و بہادری کی مثالیں ان کے عہد کے معرکوں سے ظاہر ہیں، علم و فضل کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہے کہ حافظ الملک علم دوست اور علم پرور ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ شاعر۔ ادیب اور زبردست عالم تھے۔

ضمیمہ نمبر ۱

خاندان حافظ الملک کی اسیری و رہائی اور عطائے وظائف و معافیات

ایام اسیری حافظ الملک کے جملہ افراد خاندان زن و مرد خورد و کلاں باستثناء نواب محبت خاں ما ذوالفقار خاں اور ارادت خاں قلعہ الہ آباد میں قید کر دئیے گئے تھے، ان کے ہمراہ ان کے متعلقین کے علاوہ بکثرت علماء، فضلا اور شرفائے روہیل کھنڈ بھی محبوس تھے۔ شجاع الدولہ کی وفات کے بعد جب آصف الدولہ مسند نشین ہوئے تو انہوں نے روہیل کھنڈ کے کچھ مسکین قیدیوں کو بطور تصدق قید سے رہا کر دیا مگر حافظ الملک اور نواب دوندے خاں مرحوم کے متعلقین کو بدستور قید و بند میں مبتلا رکھا، اسی طرح نامور مشاہیر و سرداران روہیل کھنڈ مثل عرب خاں بھڑیچ، خان محمد خاں کمال زائی، رحمت خاں، عالم خاں غورغشتی، ملا حسن خاں، ملا عالم خاں، ملا عبدالواحد خاں، قاضی محمد سعید خاں، منو خاں خانساماں اور اختیار خاں چیلہ کو بھی رہا نہ کیا اور چاہا کہ ان کے ذریعے پہلے ان کے متعلقین سے روپیہ وصول کر لیا جائے، اپنے جلوس کے چند ماہ بعد آصف الدولہ نے نواب محبت خاں کو بھی الہ آباد بھیج دینا چاہا لیکن سالار جنگ کے بھائی مرزا علی خاں نے سفارش کی اور کہا کہ :-

> "بادشاہ اور امیر لوگ جلوس کے وقت قیدیوں کو رہا کرتے ہیں بے گناہوں کو قید نہیں کرتے اگر آپ کو اپنے والد مرحوم کے مواعید کے موافق محبت خاں کے ساتھ نیک سلوک منظور نہیں ہے تو کم از کم بدسلوکی ہرگز نہ کرنی چاہیے۔"[1]

---

[1] گل رحمت۔

مرزا علی خاں کا یہ انتباہ موثر ہوا اور آصف الدولہ اپنے ارادے سے باز رہے لیکن پھر بھی بغض و حسد پیشہ مصاحبوں کے اغوا سے پوشیدہ طور پر حافظ الملک کے صاحبزادوں اور متعلقین کی تخریب و ایذارسانی کے درپے رہے، محبت خاں کا جو دس ماہ مقرر تھا بند کر دیا گیا۔ الہ آباد کے قیدیوں پر بھی پابندیاں اور سختیاں بڑھا دی گئیں اور نواب شجاع الدولہ کے وقت سے جو سو روپیہ یومیہ قیدیوں کو خوراک کے واسطے ملتا تھا اس میں عذرات چند در چند پیش کر کے کانٹ چھانٹ شروع کر دی۔ مختصر یہ کہ قیدیوں کی ایذارسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا حتی کہ پچیس سے زیادہ قیدی تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے، ارکان دولت میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ ان گرفتاران بلا کا ذکر بھی کر سکے، سفارش تو بڑی بات تھی۔

رہائی لیکن اس حال میں کچھ زیادہ زمانہ نہ گزرنے پایا تھا کہ قدرت نے اسیران روہیل کھنڈ کی رہائی کا خود بخود ایسا انتظام کر دیا کہ جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا یعنی حکومت اودھ کی حلیف گورنمنٹ انگریزی اپنی مخصوص مصالح کی بنا پر ان کی ہمدردی پر آمادہ ہو گئی اور جو لوگ کل تک دشمن تھے آج دوست نظر آنے لگے۔

انگریزوں کی اس غیر متوقع عنایت کی وجہ یہ ہوئی کہ روہیل کھنڈ فتح ہو جانے کے بعد ان کی باریک بین نگاہوں کو انڈیا کے نقشہ پر ریاست اودھ ایک بدنما داغ معلوم ہونے لگی تھی اور انہوں نے ہندوستانی مفاد کے لئے اپنا یہ فرض سمجھا کہ جس طرح بھی ہو اس بدنما داغ کو جلد از جلد مٹا دینا چاہئے، چنانچہ اس نیک مقصد کی تکمیل کے لئے شجاع الدولہ کا انتقال ہوتے ہی آصف الدولہ کو ایک پیام محبت و مودت بھیجا گیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:۔

> آپ کے والد شجاع الدولہ کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے حکومت اودھ سے ہم اپنے تمام سابقہ معاہدات کو کالعدم قرار دیتے ہیں صرف مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھا جائے گا۔
>
> ۱۔ تمام پچھلے قرضے وصول کئے جائیں گے۔
>
> ۲۔ انگریزی فوج متعینہ اودھ کے اخراجات میں پچاس ہزار روپیہ ماہوار کا اضافہ کیا جائے گا

نواب آصف‌الدوله

۳۔ راجہ چیت سنگھ کی ریاست بنارس بجائے تمہارے ہماری سرپرستی میں ہوگی
اور راجہ سے بائیس لاکھ روپیہ سالانہ تمہارے بجائے ہم وصول کیا کریں گے[1]"

آصف الدولہ کو اپنے محسن، انگریزوں کے اس پیام محبت کو قبول و منظور کئے بغیر چارہ ہی کیا تھا
کیا وہ اس چھوٹے سے مطالبہ کے واسطے ان سے لڑتے اور اگر لڑتے بھی تو ان کے پاس کیا اپنا توپ
خانہ تھا جس سے مقابلہ کرتے یا بہادر و سرفروش روہیلوں کا وجود باقی تھا جو ہر قسم کی زیادتیوں
کے باوجود محض جذبۂ اخوت اسلامی سے مسحور ہو کر مدد کو آجاتے۔

آصف الدولہ کی انہیں کمزوریوں کو پیش نظر رکھ کر ان سے مطالبات کئے گئے اور یہ یقین
کر کے کئے گئے کہ وہ بآسانی منظور کرا لئے جائیں گے، لیکن ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ اس قسم
کے اقدامات کرتے وقت سرکار کمپنی بہادر کا اس زمانہ میں بالعموم یہ طرز عمل رہتا تھا کہ وہ والیان ریاست
کے جذبات کا تو نہیں۔ ہاں ان کی رعایا کے جذبات کا ضرور پاس کرتی تھی اور ان کی تالیف قلوب کا
تھوڑا بہت سامان پہلے سے مہیا کر لیا کرتی تھی، چنانچہ اس موقع پر بھی راعی کو تکلیف دینے والے
تین مطالبات کے ساتھ ہی ساتھ دو مطالبے رعایا کی پسند کے بھی شامل کر لئے گئے جو حسب ذیل
تھے۔

اول۔ یہ کہ آصف الدولہ نے اپنی والدہ کو بہت تنگدست کر رکھا تھا اور اس سے اہالیان اودھ
بہت ناراض تھے لہٰذا آصف الدولہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے باپ کا دو ملین اسٹرلنگ کے قریب
خزانہ اور کچھ قیمتی اضلاع جاگیر میں ان کے حوالے کر دیں[2]۔

دوم۔ یہ کہ اسیران روہیل کھنڈ کی تکالیف اور ان کے مصائب نے رعایائے اودھ و روہیل کھنڈ
میں غم و غصہ کی ایک عام لہر دوڑا دی تھی اس لئے آصف الدولہ کو طوعاً و کرہاً اس امر پر راضی
کیا گیا کہ وہ ان کو قید سے رہا کریں اور ان کے واسطے وظیفہ مقرر کریں[3]۔

---

[1] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار صفحہ ۱۷۲ [2] ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

[3] تاریخ سلیمانی۔

آخرالذکر کارروائی میں ایک فائدہ یہ بھی مقصود تھا کہ آصف الدولہ کے مقابلہ میں خاندان حافظ الملک کے ساتھ انگریزوں کی طرف سے احسان وسلوک ہونا علاقہ روہیل کھنڈ کو آئندہ حکومت انگلیشیہ میں شامل کرنے کے لئے "بوقت ضرورت" کام آئے گا، چنانچہ کام آیا اور ۱۸۰۱ء میں انگریزوں نے روہیل کھنڈ کو اودھ والوں سے لے لیا تو نہ صرف حافظ الملک کے اہل خاندان نے بلکہ تمام اہالیان روہیل کھنڈ نے بھی اپنے آقا زادوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والوں کو احسان کا بدلہ احسان سے دیا، بغیر کسی مزاحمت کے اور بلا پس وپیش انگریزی حکومت کو قبول کرلیا اور اس کو ابر رحمت سمجھ کر اس کے زیر سایہ آگئے۔ اسیران روہیل کھنڈ کی رہائی سات شعبان المعظم ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء کو بروز شنبہ عمل میں آئی اور یہ سب لوگ پہلے الہ آباد سے لکھنؤ لائے گئے جہاں ان مصیبت زدوں کی ملاقات نواب محبت خاں، ارادت خاں اور ذوالفقار خاں سے دریائے گومتی کے کنارے برٹش ریزیڈنٹ کی کوٹھی میں ہوئی۔ ملاقات کا منظر نہایت درد انگیز اور ساتھ ہی بہت مسرت بخش تھا۔

خوشا وقتے وخرم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

وظائف ومعافیات چند روز کے بعد برٹش ریزیڈنٹ نے حافظ الملک اور نواب دوندے خاں کے اہل خاندان کو آصف الدولہ کی جانب سے آزادی کامل کے احکام اور ایک لاکھ روپیہ سالانہ کے وظیفے کی خوش خبریاں سنائیں، وظیفے کی تقسیم اس طور پر کی گئی کہ پینسٹھ ہزار روپیہ حافظ الملک کے خاندان کے لئے اور پینتیس ۳۵ ہزار نواب دوندے خاں کی اولاد کے لئے مقرر ہوئے۔ دوندے خاں کے بیٹوں نے اس قلیل رقم کو قبول نہ کیا اور نواب فیض اللہ خاں کے پاس رام پور چلے گئے جنہوں نے ان کی تنخواہیں مقرر کردیں۔ حافظ الملک کے لڑکوں نے باستثنائے نواب عظمت خاں، حرمت خاں اور اکبر خاں اپنے اپنے حصہ کے روپے لینے میں کوئی عذر نہ کیا اور جس نے جہاں چاہا سکونت اختیار کرلی۔ نواب محبت خاں اور دیدار خاں نے لکھنؤ میں قیام کرلیا۔ ارادت خاں شاہجہاں پور میں اور باقی سب بریلی میں جاکر بس گئے۔

۱۸۰۱ء عہد نواب سعادت علی خاں میں روہیل کھنڈ انگریزی حکومت میں آ گیا تو حکومت انگلشیہ نے خاندان حافظ الملک کی پرورش کے واسطے نہ صرف مذکورۂ بالا پینسٹھ ہزار روپیہ کے وظیفے کو جاری رکھا، بلکہ کچھ عرصہ کے بعد ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں ان لوگوں کی وفاداری پر اطمینان کر کے مبلغ تیس ہزار پانچ سو تیرہ روپیہ کا اس میں اضافہ منظور کیا۔ علاوہ بریں یہ بھی حکم ہوا کہ اس وجہ معاش کے سوا اور جو کچھ یومیہ، نقدی اور جاگیرات وغیرہ والیان اودھ یا ان کے عمال نے عطا کی ہوں اور ان میں سے جس قدر کہ حافظ الملک کے اہل خاندان، سرداروں اور متوسلوں کے تصرف میں ہوں وہ ہمیشہ کے واسطے بحال و برقرار رہیں گی اور کبھی کوئی ان پر متصرف نہ ہوگا۔ چنانچہ اس ذریعہ سے حافظ الملک کے خاندان میں وسائل معاش میں وسعت ہو گئی اور یہ لوگ خاصی خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے[1]

---

[1] خاندان حافظ الملک میں یہ خوش حالی کچھ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ جب وظیفوں اور معافی کی جاگیروں کی اولاد در اولاد میں تقسیم ہوئی تو ان لوگوں نے اپنی بڑھتی ہوئی ضروریات سے مجبور ہو کر جاگیروں کو فروخت کرنا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ جائدادیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ اس صورت حال سے متاثر ہو کر ۱۸۱۲ء میں خاندان کے بعض سمجھ دار لوگوں نے ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل سر۔ ای کول برک کی معرفت جاگیرات کو محفوظ رکھنے کی بابت گورنر جنرل کے پاس میموریل بھیجے، ان میموریلس کا مفید نتیجہ برآمد ہوا اور یکم مئی ۱۸۱۲ء کو جملہ اہالیان و متوسلان خاندان کی تمام جائدادوں پر مال گذاری معاف کر دی گئی اور ان کو خاندان ہی میں قائم رکھنا منظور کیا گیا ۱۸۱۴ء میں اس حکم کی باضابطہ تصدیق ہو کر اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔ ۱۸۲۵ء میں گورنمنٹ نے معافیات کو دوامی قرار دینے کے بارے میں اپنے احکامات کی دوبارہ تجدید کی لیکن اس کے باوجود ۱۲ جولائی ۱۸۴۱ء کو مسٹر ایچ۔ کلارک کلکٹر بریلی نے معافیات کی تحقیقات کے نتیجہ میں سنٹرل گورنمنٹ کو اپنی جو مفصل رپورٹ پیش کی اس سے ظاہر ہوا کہ بہت کافی جائدادیں فروخت ہو چکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ غیر محفوظ ہیں۔ مسٹر کلارک نے یہ بھی لکھا کہ اس صورت حال سے غیر دلعزیزی پھیل رہی ہے اور سفارش کی کہ خاندان حافظ الملک کی گذر اوقات کا مناسب انتظام کرنا چاہیے۔ مسٹر کلارک کی رپورٹ پر سنٹرل گورنمنٹ نے فوراً توجہ کی اور جنوری ۱۸۴۲ء کے وہ مشہور احکامات صادر ہوئے جن کی رو سے تمام جائدادیں بنام وارثان و معافی داران واسطے دوام بحال کی گئیں۔ قابضان معافی کو محض تا ایام حیات بیع یا رہن کرنے کا حق دیا گیا اور قرار دیا گیا کہ بیع یا رہن کنندہ کے انتقال کے بعد معافی مذکور کسی غیر کے قبضہ میں نہ رہے گی [illegible]

۴۶ سرکار جائز وارثوں کے حق میں حسبِ شرعِ اسلام اس کی حق رسانی کر دیں گے، لیکن ان صاف و صریح اور غیر مبہم احکامات کے ہوتے ہوئے نہ معلوم کیوں ۱۸۴۵ء سے عمالان گورنمنٹ نے انتقال معافیات کے معاملات میں دخل اندازی چھوڑ دی اور ۱۸۵۱ء اور ۱۸۵۳ء میں عدالتوں نے خلاف فیصلے بھی دیدئے جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرعت کے ساتھ معافیات کی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری ہو گیا ۱۸۵۷ء میں ہنگامہ جنگ آزادی برپا ہوا جس میں بعض افراد خاندان کی شرکت کے باعث ان لوگوں کی طرف سے گورنمنٹ کی بے نیازی اور بڑھ گئی مگر ۲۴ سال بعد یعنی ۲۴ ستمبر ۱۸۸۱ء کو خاندان کے وفادار سرکار لوگوں کی کوشش سے بجواب خط کلکٹر بریلی مورخہ ۱۸ اگست ۱۸۸۱ء ایک مراسلہ منجانب بورڈ آف ریونیو بخدمت کمشنر صاحب بریلی صادر ہوا جس کا یہ مفہوم تھا کہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کا معافیات پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے اور ۱۸۴۲ء کے احکامات گورنمنٹ برقرار ہیں۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی عام تباہی و بربادی نے ان لوگوں کو اس قابل نہ رکھا تھا کہ یہ ان جائدادوں کو جو ان کی اور ان کی اولاد کی نسلاً بعد نسل پرورشِ دائمی کے واسطے عطا ہوئی تھیں اور جو گردش زمانہ سے کوڑیوں کے مول دوسروں کے قبضہ میں پہنچ گئی تھیں، مقدمات دائر کر کے واپس لیتے تاہم ۱۹۲۰ء سے لوگوں کو معافیات خاندانی کو حاصل کرنیکا از سر نو خیال پیدا ہوا اور دو تین مقدمات کامیاب ہوئے۔ ابتدائی عدالتوں کی ہار جیت کے بعد ایک اہم مقدمہ کا عدالت عالیہ ہائیکورٹ الٰہ آباد سے جناب بابو عزت اللہ صاحب ساکن محلہ گلاب نگر بریلی کے حق میں فیصلہ ہوا، اس فیصلہ سے ایک جدید نظیر اور قائم ہو گئی کہ ۱۸۴۲ء کے احکامات ہنوز کار فرما ہیں اور ان کی بنیاد پر معافیات کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے اس مقدمہ کی پیروی مولوی اکرام عالم صاحب ٹونی مرحوم نے کی تھی۔ لہٰذا ان کے پاس تمام ضروری کاغذات وغیرہ بھی موجود تھے معافیات کی زمینداریاں بریلی، مرادآباد اور پیلی بھیت میں تقریباً ۱۹۱۱۲ ایکڑ زمین پر مشتمل تھیں اور ان کی قیمت کا اندازہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے ساٹھ لاکھ روپیہ کے قریب کیا جاتا تھا۔

۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند نے معاملات کو از سرِ نو درہم برہم کر دیا۔ خاندان حافظ الملک کے نوے فیصدی لوگ مشرقی و مغربی پاکستان میں ہجرت کر گئے اور جو تھوڑے سے لوگ ہندوستان میں رہ گئے ان کو قانون خاتمۂ زمینداری نے موروثی معافیات سے محروم کر دیا۔ پاکستان میں جو لوگ مقیم ہیں ان کے کلیم نت نئے فارمولوں کی بدولت گھٹتے گھٹتے قریب قریب بے حقیقت ہو گئے۔ علاوہ بریں روہیلکھنڈ یو۔پی کا علاقہ چونکہ "نان ایگریڈ" کی تعریف میں آتا ہے اس لئے معاوضہ کی زمینیں مزید نقصانات کا شکار ہو گئیں۔ بہر حال اب ان باتوں کا غم کرنا بیکار ہے، پونے دو سو سال کی غلامی کے بعد مملکت آزاد پاکستان کا قیام ہی ہر نقصان کی خاطر خواہ تلافی کے لئے کافی و وافی ہے۔

ضمیمہ نمبر ۲

حافظ الملک کی ازواج واولاد

حافظ الملک کی ازواج حافظ الملک نے پہلی شادی ملک شادی خاں ابن شہزاد خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کی صاحبزادی کے ساتھ کی تھی ان کے بطن سے صرف دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں بعد ازاں دوسرا عقد ملک خداداد خاں کی صاحبزادی سے کیا جن سے عنایت خاں، محبت خاں اور عظمت خاں تین فرزند پیدا ہوئے، زوجہ ثانیہ کا انتقال ہوا تو ان تینوں فرزندوں کو زوجہ کلاں نے پرورش کیا باقی تمام لڑکیاں اور لڑکے ہندوستانی بیویوں سے پیدا ہوئے، ہندوستانی بیویوں کی صحیح تعداد اور نام نہ معلوم ہو سکے۔

حافظ الملک کی زوجہ کلاں جن کا ایک درد انگیز خط اس سے قبل درج کیا جا چکا ہے نہایت قوی پٹھانی تھیں، جب کسی کنیز یا خواص سے ناراض ہوتیں تو ایک ہاتھ سے اس کا شانہ یا گردن پکڑ کر زمین سے اٹھا لیتی تھیں اور غصہ میں فرماتیں کہ:

"کیوں۔ شرماتی کمبخت اب تجھے زمین پر پٹک دوں!"

بجز ان الفاظ کے اور کسی قسم کا برا بھلا کہنا مطلق نہ جانتی تھیں۔

ایک مرتبہ حافظ الملک سے کہا کہ:

"خان مجھے کچھ روپیہ دو"

حافظ الملک نے فرمایا کہ:

"اچھا لے لو لیکن جس قدر کہ ایک مرتبہ تم اٹھا کر بالاخانہ پہ لے جا سکو!"

چنانچہ سات ہزار روپیہ ایک لگن میں بھر کر بیگم صاحبہ بے تکلف بالاخانہ پہ اٹھا کر لے گئیں۔

ان کا ایک اور واقعہ ہے کہ دوران سفر میں رات کے وقت دو چور کسی صورت سے خیمہ کی قنات چاک کر کے

اندر آ گئے، ایک پلنگ پر حافظ الملک اور دوسرے پر بیگم صاحبہ آرام فرما تھیں، چور جو خیمہ میں داخل ہوئے تو بیگم صاحبہ کی آنکھ کھل گئی فوراً ان کے پیچھے دوڑ پڑیں ایک چور تو قنات میں سے باہر نکل گیا دوسرا نکلنا چاہتا تھا کہ بیگم صاحبہ نے جھپٹ کر اس کی گردن پکڑ لی ہر چند تڑپا پھڑکا لیکن بھلا ان کی گرفت سے کب آزاد ہو سکتا تھا اسی دارو گیر میں حافظ الملک بھی بیدار ہو گئے، یہ تماشہ دیکھ کر بہت لطف اندوز ہوئے اور بہ مشکل بیچارے چور کو بیگم صاحبہ کے ہاتھ سے چھڑا کر سپاہیوں کے حوالے کیا۔

بیگم صاحبہ کا اس شہ زوری کے ساتھ بھولے پن کا یہ عالم تھا کہ جب خاصوں اور کنیزوں کو روپیہ چرانا منظور ہوتا تو ان سے یہ عرض کرتیں کہ:۔

"حضور برسات کی وجہ سے روپیہ سیل کر خراب ہوا جاتا ہے اگر حکم ہو تو دھوپ دیدیں"!

حکم ہوتا کہ اچھا دھوپ دیدو چنانچہ ترازو سے تول کر روپیہ چھتوں پر دھوپ میں ڈال دیا جاتا تھا قریب شام دوبارہ تول کر صندوقوں میں رکھا جاتا تو اس تول کے وقت سیروں کم ہو جاتا اس پر کنیزوں پر خفا ہو کر دریافت فرماتیں کہ یہ روپیہ کم کیوں ہو گیا۔

کنیزیں عرض کر دیتیں کہ:۔

"حضور روپیہ سیلا ہوا تھا دھوپ میں خشک ہو گیا"!

اس جواب سے بیگم صاحبہ مطمئن ہو جاتیں اور پھر کچھ باز پرس نہ فرماتیں۔

——— (✻) ———

حافظ الملک کے چودہ صاحبزادے

حافظ الملک کی تمام بیویوں سے اولاد کی مجموعی تعداد تیئس تھی منجملہ ان کے چودہ لڑکے تھے جن میں سے دو یعنی نواب عنایت خاں اور نواب ہمت خاں کا توان کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا اور بارہ اپنے والد کی شہادت کے بعد بقید حیات رہے جنہوں نے حوادث روزگار اور نیرنگی لیل و نہار کا مشاہدہ کیا۔

نواب عنایت خاں

عنایت خاں نے جو سب میں بڑے اور سب میں نامور تھے اور جن کا حال جابجا کتاب ہذا میں مذکور ہو چکا ہے ۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۳ء میں بعمر بتیس سال انتقال کیا اور بریلی میں جانب غرب مدفون ہوئے ان کی قبر حافظ الملک کے مقبرہ سے جنوب ومغرب میں سڑک پار واقع ہے اس مقام پر ایک باغ ہے جو باغ عنایت خاں کے نام سے موسوم ہے۔ باغ کی بیریاں مشہور ہیں۔ حافظ نیاز حسین صاحب مرحوم متولی کی خاص نگرانی کی وجہ سے قبر اب تک محفوظ ہے۔ عنایت خاں کی شادی نواب فیض اللہ خاں کی حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی تھی جس کا دلچسپ حال گلستان رحمت میں اس طرح درج ہے کہ :۔

> حضرت کی رائے عالم آرائے جو متبع سنت جناب رسالت تھی اس کا اقتضا ہوا کہ اپنے بڑے صاحبزادے عنایت خاں بہادر کی جن کا سن بارہ سال کا ہو گیا تھا کسی عفت نمش حور وش صاحبزادی کے ساتھ شادی کردیں۔ بعد فکر بلیغ اس دولت گرامی کا قرعہ نواب علی محمد خاں مرحوم ومغفور کی صاحبزادی کے نام پڑا۔ اہل کاروں کو حکم دیا کہ اس جشن خجستہ آئین کی تیاری کریں اور کوشش بلیغ کرکے جس قدر جلد ممکن ہو انتظامات مکمل کریں۔ کارپردازان عقیدت کیش نے تمام لوازمات شادی مہیا کر لئے تو حضرت سے عرض کیا حضرت نے بمشورۂ قضاۃ و سادات، علماء و فضلا ساعت سعید مقرر فرما کر بطریق شاہان والاشکوہ صاحبزادۂ عالی تبار کو ہاتھی پر سوار فرمایا تمام سرداران فوج و ارکان دولت ہمراہ رکاب ہوئے حضرت خود بھی بہ نفس نفیس اس فرخندہ آثار نوشاہ کی سواری کے آگے آگے ایک دوسرے ہاتھی پر روانہ ہوتے بریلی کا ہر ایک

کوچہ و بازار دو طرفہ چراغاں سے جس کو بطرز عجیب و غریب ترتیب دیا گیا تھا روشن و منور تھا۔ شعلوں کی کثرت سے دن اور رات میں تمیز نہیں ہو سکتا تھا زمین روشنی کی کثرت سے بروز روشن کی طرح چمکتی تھی اور آسمان وفور آتشبازی سے کرۂ آفتاب سے زیادہ تاباں و درخشاں تھا مطربان خوش نوا مبارکباد کے ترانے گاتے ہوئے اور داد نشان و انبساط دیتے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے، نقارۂ تہنیت کی آواز سے فضائے آسمانی گونج رہی تھی۔ اس شان و شوکت اور عظمت و ابہت کے ساتھ بارات قلعہ سے دیوان مان رائے کی حویلی میں پہنچی جہاں حضرت نے نواب علی محمد خاں مرحوم کے متعلقین کو آنولہ سے بلاکر اس مبارک تقریب کے واسطے مقیم کیا تھا۔ طرف ثانی سے اس کار خیر کی سربراہی نواب فیض اللہ خاں کر رہے تھے۔ مکلف دعوت کے بعد نصف شب کے قریب بموجب شرع شریف اس مستورۂ طالع مند سعادت پیوند کو اس نہال برومند گلشن حشمت کے عقد نکاح میں دیا اور صبح کے وقت مبارکی و فرخندگی کے ساتھ واپس ہو کر قلعہ میں داخل ہوئے اس جشن مبارک کے موقع پر کثیر التعداد فقراء، غرباء، مساکین اور محتاجوں کو ان کی خواہش اور تمنا سے کہیں زیادہ نقد و جنس عطا کیا گیا اور اکثر باریافتگان انجمن سرور اور اکثر ان امراء و عمال کو جو دولت حضور سے دور تھے حسب مراتب خلعت و منصب عطا ہوئے۔"

نواب عنایت خاں کے دو بیٹے یحییٰ خاں اور زکریا خاں ہوئے ان لوگوں کو بعد زوال حکومت روہیل کھنڈ وظیفہ سرکاری میں سے کچھ نہ مل سکا صرف جاگیرات و معافی کے کچھ حصے سے بسر اوقات کرتے تھے[1]

---

[1] عنایت خاں کی اولاد میں ایک صاحب نواب اقبال علی خان ابن علی عمران خاں ابن علی مرداں خاں ابن یحییٰ خاں سخت عسرت و تنگدستی کی حالت میں بریلی میں رہتے تھے اور بازار میں گشت کر کے حقہ فروشی کرتے تھے ویسے ان کی فہم و ذکا اور خودداری مسلم تھی۔ نواب عنایت خاں کا بسایا ہوا محلہ مذریہ عنایت گنج شہر کہنہ بریلی میں موجود ہے۔

سلسلۂ نسل نواب عنایت خاں
یحیٰ خاں
زکریا خاں
علی مردان خاں
علی رضا خاں
علی عمران خاں
علی محمد خاں
اقبال علی خاں
محمود علی خاں
حامد علی خاں
قاسم خاں
یوسف خاں
زین العابدین خاں
شکور علی خاں
شمس الدین خاں
شاہ عالم خاں
حفیظ الدین خاں
سعید الدین خاں
سلطان عالم خاں
خورشید عالم خاں
ذکی الدین خاں
مسیح الدین خاں
عزیز الدین خاں
رضی الدین خاں
شفیع الدین خاں
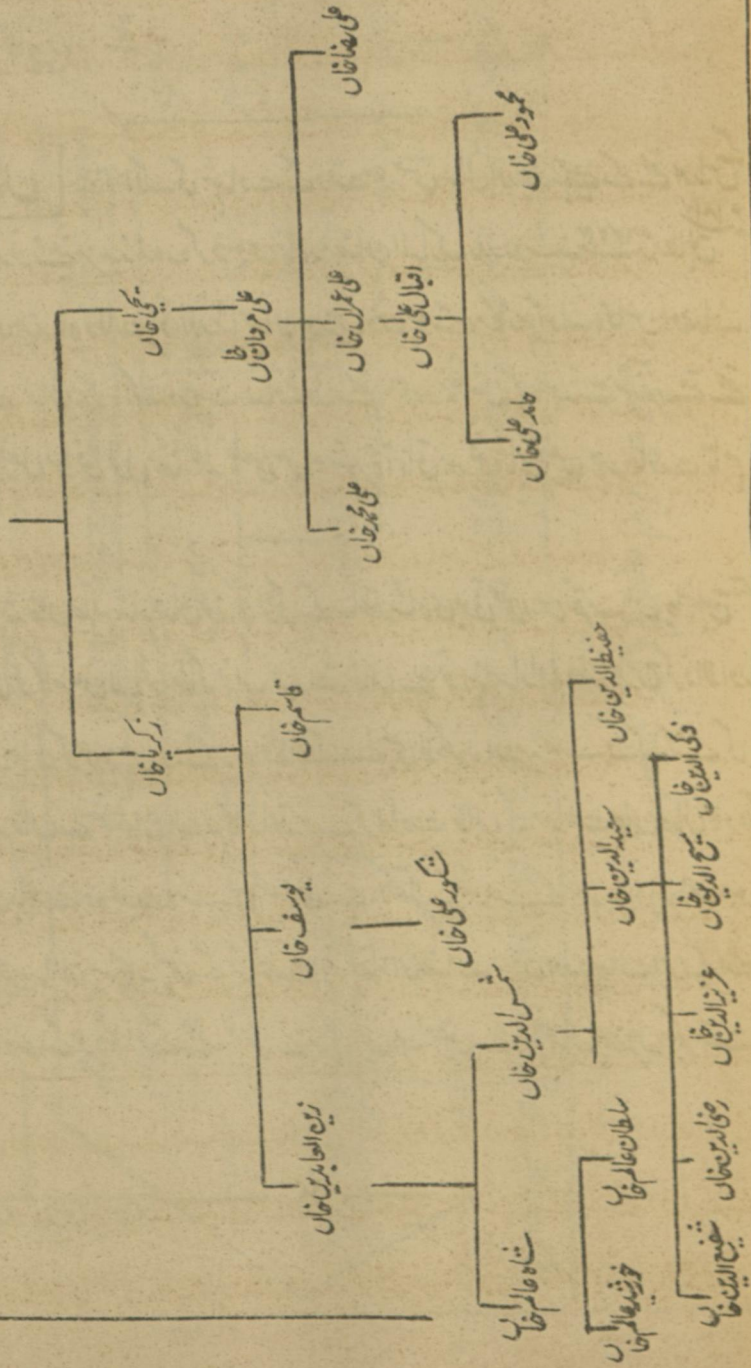
۲۔ نواب ہمت خاں ہمت خاں نواب عنایت خاں کے بعد سب بھائیوں میں بڑے تھے ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۶۰ء میں بعمر بارہ سال کہ ہنوز شادی بھی نہ ہونے پائی تھی انتقال کیا اور بریلی بجھیت میں مدفون ہوئے حسن صورت میں بے نظیر اور تہذیب و اخلاق میں یکتا تھے، باوجود خوردسالی آثار رشد و بزرگی ان کی پیشانی سے ظاہر و باہر تھے۔

نواب ارادت خاں حافظ الملک کی شہادت کے وقت چوبیس سال اور چند مہینے کے تھے اور اس کے بعد پینتیس سال اور نو مہینے مزید زندہ رہ کر دسویں ماہ رمضان المبارک روز دوشنبہ ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۱۰ء میں بعمر ساٹھ سال اور چند ماہ وفات پائی اور شاہجہاں پور میں دفن ہوئے، مکارم آداب، محاسن اوصاف فتوت جبلی اور مروت ذاتی کے مالک اور بہت صاف دل تھے، نمود و نمائش کے امور سے متنفر رہتے تھے کردار موافق گفتار اور فعل موافق قول تھا۔ علم مجلسی میں شہرۂ آفاق اور فن تاریخ میں مہارت تام رکھتے تھے۔

نواب عبد اللہ خاں حاکم شاہجہاں پور کی لڑکی کے ساتھ شادی ہوئی تھی، اس تقریب میں جانبین سے اس قدر اولوالعزمی کو کام میں لایا گیا تھا کہ نواب عبد اللہ خاں نے تو اپنا سارا اندوختہ خرچ کر ڈالا اور ایک سو پانچ گاؤں لڑکی کو جہیز میں دئے۔ حافظ الملک نے بھی لاکھوں روپیہ صرف کیا۔ کٹرے کی لڑائی میں عبد اللہ خاں نے شجاع الدولہ کا ساتھ دے کر ارادت خاں کی حفاظت جان و مال کا وعدہ لے لیا تھا، جس کے باعث وہ قید و بند سے محفوظ رہے۔ انقلاب حکومت کے بعد بارہ ہزار چھ سو چوالیس روپیہ چھ آنہ سالانہ سرکار کمپنی کے خزانہ سے ملتا تھا۔ اراضیات معافی اور دیہات اس کے علاوہ تھے، نواب ارادت خاں کے چودہ لڑکے تھے۔ بعض نے بریلی میں اور بعض نے شاہجہاں پور میں سکونت اختیار کی۔

سلسلۂ نسل نواب ارادت خاں
محمد کرامت اللہ خاں
محمد سعادت اللہ خاں
محمد رعایت اللہ خاں
محمد ہدایت اللہ خاں
نبی یار خاں
حسین علی خاں
امیر الدین خاں
عبد الحمید خاں
علی یار خاں
اکبر حسین خاں
محمد تقی خاں
محمد منیر الدین خاں
عزیز محمد خاں
احمد علی خاں
عنایت اللہ خاں
علی نقی خاں
خان بہادر خاں
ولی محمد خاں
علی محمد خاں
نیاز محمد خاں
مقبول حسین خاں
پیر میاں
منا خاں
تجمل حسین خاں
تفضل حسین خاں
عبد العلی خاں
خورشید علی خاں
امیر احمد خاں
امیر احمد خاں
امیر محمد خاں
امیر حیدر خاں
کفایت اللہ خاں
عظمت اللہ خاں
عنایت اللہ خاں
احمد اللہ خاں
عزت اللہ خاں
نعمت اللہ خاں
حمایت اللہ خاں
غلام احمد خاں
غلام رسول خاں
غلام مصطفےٰ خاں
غلام مہدی خاں
جعفر حسین خاں
حشمت اللہ خاں
حبیب اللہ خاں
احمد اللہ خاں
برکت اللہ خاں
عظمت اللہ خاں
امیر احمد خاں
امیر حیدر خاں
امیر حسن خاں
عبد الرحمن خاں
حبیب الرحمن خاں
عزیز الرحمن خاں
عتیق الرحمن خاں
امیر حسین خاں
امیر محسن خاں
امیر حمت خاں
امیر معظم خاں
اقبال حسین خاں
اعجاز حسن خاں
اسرار احمد خاں
ابرار احمد خاں
انوار احمد خاں
سلطان احمد خاں
وزیر احمد خاں
صغیر احمد خاں
غلام صابر خاں
اشرف علی خاں
ظفر محمد خاں
مختار علی خاں
مستقیم علی خاں

نواب محبت خاںؒ عنایت خاں کے حقیقی بھائی تھے اور والد کی شہادت کے وقت چوبیس سال کے تھے۔ پینتیس سال اور زندہ رہ کر انسٹھ سال کی عمر میں ۱۳ صفر ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۰۹ء بمقام لکھنؤ وفات پائی متصل وزیر باغ قریب کشور گنج دفن ہوئے۔ ان کو سترہ ہزار ایک سو اکتیس روپیہ چند آنے وجہ مقررہ سے اور دس روپیہ یومیہ اس کے علاوہ ریذیڈنٹ لکھنؤ کے خزانہ سے ملتے تھے آٹھ ہزار چھ سو چالیس روپیہ سالانہ حافظ الملک کے سرداروں کا بھی انہیں کے اختیار و تصرف میں تھا حافظ الملک کی یمن توجہات سے علوم عربیہ میں بکثرت علماء سے گوئے سبقت لے گئے تھے۔ فارسی میں استادوں کے استاد تھے، نیز زبان سنسکرت میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ ذہن و ذکا اور طبع رسا میں عدیم النظیر تھے، اہل استعداد ہمیشہ ان سے اساتذۂ متقدمین کا کلام سمجھنے آیا کرتے تھے۔ عربی، فارسی، پشتو اور اردو میں بکثرت کلام یادگار چھوڑا، جو ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں تلف ہو گیا کہیں کہیں شعراء کے تذکروں میں اس کا پتہ ملتا ہے۔ ان کی ایک مثنوی اسرار محبت بہت مشہور تھی۔ فارسی قواعد کا ایک آمدنامہ اور ایک بہت بڑی لغت بھی ترتیب دی تھی۔

لہ نواب محبت خاں کا نام قدر دانانِ سخن میں خاص امتیاز رکھتا ہے جو نواب حافظ رحمت خاں روہیلہ کے صاحبزادہ تھے اور شجاع الدولہ کے مقابلہ میں حافظ رحمت خاں کی شکست کے بعد لکھنؤ میں آکر بود و باش اختیار کر لی تھی۔ آصف الدولہ نے معقول مشاہرہ مقرر کر دیا تھا، غالباً شعر و سخن کا شوق ان کو یہیں پیدا ہوا اور مرزا جعفر علی حسرت کے مشورہ سے تمام اقسام نظم میں طبع آزمائی کی اور حسب الارشاد ممتاز والہ مسٹر جانسن بہادر سسی پنہوں کا قصہ مثنوی کی صورت میں نظم کیا جس کا نام اسرار محبت رکھا جرأت کا تعلق بھی اسی دربار سے تھا چنانچہ وہ خود شاعرانہ انداز میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

بلکہ گلچیں تھے سدا عشق کے ہم بستاں کے ؎ ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے

جرأت و حسرت کے علاوہ اس زمانے کے اور شعراء بھی ان کی صحبت میں رہتے تھے چنانچہ میر حسن مرحوم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں محبت خان ذیشان محبت خاں خلف حافظ الملک حافظ رحمت خاں متخلص بہ محبت باوجود اسباب امارت طبع موزوں بتواضع مقرون دارد بعضے اوقات کہ آں منبع جود و سخا قدر دان شعراء بہ مضمون تازہ مائل می شود باصلاح خواجہ حسن یا میاں حسرت، جرأت نمودہ اشعار برجستہ ادا می نماید اکثر با صاحب سخناں زماں از روئے خوش خلقی صحبت میدارد۔ بحوالہ شعر الہند از مولانا عبد السلام ندوی صفحہ ۲۴۸

نواب محبت خاں محبّت کی طبع موزوں اور قابلیت علمی کا کسی قدر اندازہ ان کے کلام سے ہوگا جس کا ضروری انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔ کلام اردو کی سلاست و روانی اور کلام فارسی کی فصاحت و بلاغت اور مضمون آفرینی دید نی ہے۔

کلام اُردو

ہوتا ہے الٰہی حاصل سب کام محبّت کا دے اس کو خداوندا تو جام محبّت کا

تجھکو چھوڑا ہے بت مغرور نہیں جانے کا جاؤں تو پر مجھے مقدور نہیں جانے کا
روز اٹھ جاوے ہے وہ شوخ یوں ہی دم دیکر ابھی آتا ہوں میں کچھ دور نہیں جانے کا

دل کو کرتا ہی تھا غارت کہ جگر دیکھ لیا آہ اس ترک نے اب یہ بھی نگر دیکھ لیا
یار و غارت گر دل وہ نگہ پنہاں ہے چور تو مجھ سے چھپا میں نے ہی پر دیکھ لیا

بولتا جو وہ نہیں یار و کسی کی بات پر یہ نہ سمجھو تم تکبر سے نہیں دیتا جواب
بسکہ تنگی کے سبب اس کا دہن ہلتا نہیں جیسا ناپیدا وہاں ہے ویسا ناپیدا جواب
اس کے در پر تھی محبّت کی یہ قدر و منزلت جب گیا مجرے کو در پر دور ہی سے تھا جواب

بیٹھے نہ ایک ساعت گھر کو چلے ابھی سے اتنا تو جلد مت تم گھبراؤ میرے صاحب
کاکل میں ہے کہ خط میں پیارے دل محبت کس جا چھپا رکھا ہے بتلاؤ میرے صاحب

بہت آیا ہوں تنگ اس دل کے میں فریاد و نالے سے کسی کو حق نہ ڈالے ہمدم و بیمار سے صحبت
ہوا صحبت سے بلبل اور گل کی مجھ پہ یوں ظاہر نہ مفلس کی بنے ہر گز کسی زر دار سے صحبت

شب فرقت کا مجھ سے حال مت پوچھ اگر دیارو
کبھی رہتی ہے در سے اور کبھی دیوار سے صحبت

خدا جیتا بچاوے آج اس کو تو غنیمت ہے
محبت کو پڑی ہے اک بت خونخوار سے صحبت

نے زر یہاں نہ زور نہ یا آشنا کا نام
رکھتے ہیں اپنے پاس صنم ہم خدا کا نام

ظالم کہوں میں یا کہ ستمگار ہمسد مو
کیا پوچھتے ہو مجھ سے تم اس بیوفا کا نام

کلام عربی

اذا لم یبق فی الاسلام آثار
جری من مقلتی دمع کانہار

جب اسلام کی کوئی نشانی باقی نہ رہی
میری آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہوا

فقلت لھاتف من یظھر الدین
فجاء الصوت سلطان الجھاندار

تو میں نے کہا کہ اب دین کو کون ظاہر کرے گا
پس آواز آئی کہ سلطان جہاندار

کلام فارسی

ز سوز من دیدۂ گریاں شود پیدا
تعجب زیں تنورم ہر کہ طوفاں شود پیدا

بصحرائے محبت از نو در دیوانگی افزوں
کہ می دانست اے مجنوں محبت خاں شود پیدا

ببرت آں گل خنداں نہ رسد
تا کہ در گریہ چو شبنم نہ شوی

سوختن پروانہ محبت بر شمع
در محبت تو از و کم نہ شوی

ہر چہ در کار ست حاضر جانِ من جانِ من حاضر اگر در کار تست
از تپِ خورشیدِ محشر فارغم بر سرِ من سایۂ دیوارِ تست
تو محبت طوطیٔ خوش لہجۂ خلق شیریں کام از گفتار تست

چشمت با برو زمژہ ملک جاں گرفت کشور بہ تیغ ناز بلے می تواں گرفت
دنیا و آخرت ہمہ خال و خطت گرفت آں ایں جہاں گرفت و ایں آں جہاں گرفت

اہلِ خرابہ را بہ تماشا چہ احتیاج ویراں و لے چو ہست بصحرا چہ احتیاج
نفع و ضرر نماند بہ بازار او مرا سود و زیاں شدہ است بہ سودا چہ احتیاج

دست شوقم گرچنیں سوئے گریباں می رود چاک ہر دم از گریباں تا بداماں می رود
پیچ و تابم از جنوں گر نیست خاکِ من چرا گرد بادے می شود سوئے بیاباں می رود

عزیزم دارد آں یوسف کہ گوید کسے شاید کہ خوابے دیدہ باشد

چشمم اے ماہ شب و روز زبس گریاں است خلق گویند کہ امسال عجب باراں است
در محبت تو مرا آہ ندانی صادق با وجودیکہ مرا نام محبّت خاں است

دل زخود رفتہ بداہ طلبت تا برخاست باز ننشست دمے تاکہ ز دنیا برخاست
چوں تو برخاستی از بہر علاجم جاناں شور افتاد بہ عالم کہ مسیحا برخاست
لیکہ گردید فزوں گرمی و اشک و آہم آب شد آتش و دود از دل دریا برخاست

یار موجود در آغوش نمی بیند کس — اے محبت ز جہاں دیدۂ بینا برخاست

ز سر گذشت محبت زہر کہ پرسیدم — بہ عارض اشک پیاپے چکید و ہیچ نہ گفت

رفتی ز دیدہ لیک نمائی بہ چشم من — از بسکہ نقش روئے توام از نظر نہ رفت

تا کہ در بر دلِ فگارم ہست — یادگارِ تو در کنارم ہست

تا گفتگوئے عشق ترا گوش کردہ ایم — در یاد ہر چہ بود فراموش کردہ ایم
تا چشم بادہ نوشِ تو مستانہ دیدہ ایم — خود را خراب و بیخود و مدہوش کردہ ایم

گر نہ دل غافلی آدم نہ شوی — واقف از جام نہ جم نہ شوی
غم بہ گردِ تو نہ گردد ہرگز — گر رسد شادی و خرم نہ شوی

رویم ببیں شگفتہ کہ در عینِ خرمی — چوں گل ہزار چاک شود پیرہن مرا
صیاد گر ز باغ جدا گشتہ ام چہ غم — از خونِ خود قفس شدہ رشکِ چمن مرا

قاصد از شہد و شکر بہ لبنے می گوید — زاں کہ حرف از لبِ شیریں دہنے می گوید
دلم از سینۂ پُر داغ حدیثے دارد — بلبلے حرفِ بہارِ چمنے می گوید
گل فشاں آمدہ ہر وقت محبت بہ کلام — زانکہ ہر دم سخنِ گل بدنے می گوید

خونیں جگر کند لبِ لعل تو لالہ را | سازد اسیر چشم غزالت غزالہ را
در یادِ شامِ زلفِ تو و صبحِ روئے تو | تا کے زدل کشم شب و روز آہ و نالہ را

بر سرِ من گذار پائے سرِ من بہ پائے تو | در دل و دیدہ ام بیلائے دل و دیدہ جائے تو
خوئے تو جاں زپا فتاد دلبریت بود مرا | جان و دلم ببر کہ باد جان و دلم فدائے تو

گر کششِ من اثرے داشتے | یار ببوسیم گزرے داشتے
آنکہ جہاں را بہ نگہ زندہ کرد | کاش بہ ما ہم نظرے داشتے
زیستے بے تو اگر مثلِ تو | مادرِ گیتی پسرے داشتے
دانۂ مہر ار بدلش سر زدے | نخلِ امیدم ثمرے داشتے
گر رخت از پردہ بروں آمدی | شامِ محبت سحرے داشتے

اردو شاعری میں نواب محبت خاں قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے اسی بناء پر جرأت ہمیشہ نواب صاحب کے ملازم رہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ؎

بسکہ گلچیں تھے سدا عشق کے ہم لبتاں کے | ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے

علم و ادب میں فضیلت رکھنے کے علاوہ نواب محبت خاں فنونِ سپہ گری کے ماہر تھے، علم موسیقی کا بھی حد درجہ شوق تھا اور لکھنؤ کے بعض مشہور گوئیے ان کے پاس ملازم تھے۔ زیادہ بلند آواز سے گفتگو اور تیز رفتاری کی عادت نہ تھی، اکثر نواب آصف الدولہ ان کو دور ہی سے دیکھکر فرماتے کہ آؤ برادر آؤ لیکن نواب محبت خاں اس پر بھی اپنی معمولی رفتار کو قائم رکھتے اور اپنا قدم جلد جلد نہ اٹھاتے، ایک روز آصف الدولہ نے سید خواجہ حسن صاحب سے شکایت کی کہ میں نواب محبت خاں کو دیکھکر دور سے پکارتا ہوں لیکن عجب آدمی ہیں کہ اپنا قدم تیز نہیں اٹھاتے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ :۔

وہ آپ دونوں وضعدار ہیں آپ ان کو ہمیشہ دور ہی سے دیکھ کر آواز دیتے ہیں اور وہ ہر حال میں اپنی ایک سی رفتار رکھتے ہیں!"

نواب محبت خاں وجیہہ، شکیل اور انتہا درجہ کے بالیاقت تھے، مولف سیر المتاخرین کا بیان ہے کہ :-

"میں نے آصف الدولہ کی آغاز حکومت میں حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کی اولاد کو اکثر لکھنؤ میں دیکھا اور ان کی کیفیت خود مشاہدہ کی اس جماعت میں سب سے بہتر محبت خاں ابن حافظ رحمت خاں ہے جو عنایت خاں کا چھوٹا بھائی ہے، یہ شخص صورت و سیرت دونوں کے اعتبار سے حکومت اور سرداری کی لیاقت رکھتا ہے لیکن اس سفلہ پرور زمانے میں اس کے لئے بہت تھوڑی معاش جو ننگ و عار کا موجب ہے مقرر کی گئی ہے، اس چرخ جفا کار کی سفلہ پروری کا بیان حیطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے!"

مؤلف عماد السعادت بھی لکھتا ہے کہ

"نواب محبت خاں جیسا باغیرت و صاحب لیاقت رئیس بہت کم نظر سے گذرا ہے!"

اسی طرح میر محسن صاحب نے جن کا انتقال جنگ آزادی سے دو تین سال قبل ہوا تھا مولف تاریخ سلیمانی سے بقسم کہا کہ میں نے از عہد نواب آصف الدولہ تا ایں دم محبت خاں کا سا خوبصورت

لہ انقلاب ریاست کے بعد بدرجۂ مجبوری نواب محبت خاں دربار اودھ سے وابستہ ہو گئے تھے، اس وقت نواب صاحب شاہ اودھ کو مندرجہ ذیل القاب سے مخاطب کرتے تھے :- نواب صاحب عالی مناصب والا مناقب قدرداں نیاز مندان منبع الوجود والاحسان دام اقبالہٗ دربار اودھ سے نواب محبت خاں کو مندرجہ ذیل القاب سے یاد کیا جاتا تھا:- "نواب صاحب مشفق مہربان مخلصان حافظ الملک محبت خاں بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ" (بحوالہ تاریخ سلیمانی از سلیمان خاں اسکر) عجیب اتفاق ہے کہ حافظ رحمت خاں شہید نے اپنے آخری خط میں نواب شجاع الدولہ کو جن القاب سے مخاطب کیا تھا وہ سوائے ایک لفظ "قدرداں" کے باقی یہی ہیں۔

آدمی نہیں دیکھا!"

نواب محبت خاں کی وجاہت و لیاقت پر ایک اور واقعہ دلالت کرتا ہے کہ ایک مرتبہ جہاندار شاہ دہلی سے لکھنؤ تشریف لائے، نواب آصف الدولہ نے محبت خاں کو بھی ان سے ملاقات کرنے کا موقع دیا۔ جہاندار شاہ محبت خاں کی وجاہت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ بڑی تعریف و توصیف کی اور خطاب نواب ظفر الدولہ شہباز جنگ سے سرفراز کیا۔ ایک روز تخلیہ میں بھی طلب کیا اور فرمایا کہ:۔

بادشاہ شاہ عالم نابینا اور بیکار ہو چکے ہیں۔ امور سلطنت درہم برہم ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں لہٰذا میرا قصد ہے کہ فوج کشی کر کے ان کو قید کر لوں اور خود تخت نشین ہو جاؤں، تم چار ہزار افغان روہیل کھنڈ سے طلب کر لو اور میرے ساتھ چلے چلو انشاء اللہ بروقت تخت نشینی خدمت وزارت تمہارے سپرد کروں گا!"

لیکن محبت خاں نے جواب اپنا سب کچھ کھو کر امن پسندی کے عادی ہو گئے تھے اس گرما گرم تجویز کو بہ لطائف الحلیل ٹال دیا۔

نواب محبت خاں کی شادی تحصیل فرید پور ضلع بریلی میں عبد الستار خاں بکمال زائی کی صاحبزادی کے ساتھ حافظ الملک کی حیات ہی میں ہوئی تھی، نہایت کثیر الاولاد تھے علاوہ لڑکیوں کے اٹھارہ لڑکے اپنی یادگار چھوڑے[1]۔

۵۔ نواب حافظ محمد یار خاں ان کی عمر بھی حافظ الملک کی شہادت کے وقت چوبیس سال کی تھی مؤلف گل رحمت نواب سعادت یار خاں ان کے بیٹے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

اب تک یعنی ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۳ء تک بقید حیات ہیں اور عمر ۸۳ سال سے متجاوز

---

[1] نواب محبت خاں کے صاحبزادوں میں محمد منصور خاں مہر اور محمد مقیم خاں مقیمؔ۔ پوتوں میں محمد حسین خاں ضیا احمد حسن خاں جوشؔ اور محمد سلیمان خاں اسدؔ (مؤلف تاریخ سلیمانی) پر پوتوں میں عابد علی خاں خورشیدؔ اور محمد علی خاں قمرؔ وغیرہ بہت اچھے شاعر گزرے ہیں۔

سلسلۂ نسل نواب محبّت خاں

- علی اکبر خاں
- امام بخش خاں
  - مسیح الزماں خاں
    - امیر النساں خاں
      - اشرف علی خاں
      - اصغر علی خاں
  - سعادت خاں
    - حسین علیخاں
    - محمد سعید خاں
- حیدر علی خاں
  - امام علی خاں
  - دوست محمد خاں
  - لطف علی خاں
    - خلیل اللہ خاں
  - حیدر حسین خاں
  - عاشق علی خاں
  - عنایت علی خاں
- شاہ عالم خاں
- منصور خاں
  - جعفر علیخاں
  - صادق علی خاں
  - کاظم علیخاں
    - عابد علی خاں
      - باقر علی خاں
      - افضل علیخاں
- محتشم خاں
  - نعیم الدین خاں
  - محمد حسین خاں
  - علی مظفر خاں
    - مظفر حسین خاں
    - تفضل حسین خاں
    - سلطان علی خاں
      - ظفر محمد خاں
- شمس الدین خاں
  - محمد حسین خاں
  - قمر الدین خاں
- محمد یوسف خاں
  - نیاز علی خاں
  - جعفر علی خاں
- محمد مقیم خاں
  - احمد حسن خاں
    - امجد حسن خاں
- حافظ خاں
- خسرو خاں
- مہدی علیخاں
  - نظام علی خاں
    - علی احمد خاں
    - سعید الدین خاں
- خدا یار خاں
- لطف اللہ خاں
  - امداد اللہ خاں
  - سعد اللہ خاں
    - عنایت اللہ خاں
- شاہ ولی اللہ خاں
  - علی محمد خاں
- عزت خاں
- محمد موسیٰ خاں
  - مظفر علیخاں
  - سلیمان خاں
    - سلطان محمد خاں
    - نواب بہادر خاں
    - عبد اللہ خاں
- محمد نسیم خاں
  - مستقیم خاں

ہو گیا ہے لیکن بجز ضعف و نقاہت جو لازمہ پیرانہ سالی ہے قوائے ظاہری و باطنی میں

اور کوئی خلل واقع نہیں ہوا ہے۔ سماعت و بصارت اب تک بدستور قائم ہیں۔ اکثر

دانت بھی موجود ہیں، خدا ان کو طبعی عمر تک پہنچائے کہ تمام خیر و برکت اور حافظ الملک

کے خاندان کی نام و عزت انہیں کی ذات سے باقی ہے، وجہ معیشت علاوہ کچھ اراضیات

معافی مبلغ آٹھ ہزار ایک سو اٹھاون روپیہ سالانہ سرکار سے مقرر ہے جو خزانہ بریلی سے

وصول ہوا کرتا ہے۔"

حافظ کلام اللہ تھے حافظ الملک کے زمانہ میں ایام رمضان المبارک میں تراویح میں نہایت خوش الحانی

کے ساتھ قرآن شریف سناتے تھے۔ تفنگ اندازی میں یگانہ روزگار تھے اور ہرن کے شکار کا بہت شوق

تھا۔ پیشگاہ شاہ عالم سے ان کو خطاب نواب معظم الدولہ حشمت جنگ منصب پنج ہزاری و دو ہزار سوار

خلعت گراں بہا، پالکی جھالردار اور ایک پاٹھا فیل عطا ہوا تھا۔

طریقہ نقشبندیہ میں میاں مہدی صاحب سے جو حضرت لعل صاحب رائے بریلوی کے فرزند

و خلیفہ تھے بیعت تھے۔

محمد خاں ککال زائی کی صاحبزادی کے ساتھ جو خوانین ولایت میں سے ایک نامور سوار تھے

موضع داہرو، میں شادی ہوئی تھی، چند لڑکیاں اور نو لڑکے اپنی یادگار چھوڑے[1]

نواب سعادت یار خاں [1] حافظ محمد یار خاں کے نو صاحبزادوں میں سے ایک گل رحمت کے مؤلف نواب سعادت یار خاں تھے شاعر

تھے اور صاحب تخلص فرماتے تھے آخر عمر میں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے اثنائے راہ میں بڑودہ میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے عبدالقادر

خاں اور عبدالعزیز خاں دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ اول الذکر ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں اپنا کل مال و متاع بریلی میں چھوڑ کر صرف شیخ

شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا، حافظ الملک حافظ رحمت خاں اور حافظ محمد یار خاں کی تصاویر اپنے سینہ سے لگا کر رامپور چلے گئے تھے لبو

میں ایک شکستہ مکان کی چھت پر ایام روپوشی گزارتے تھے اور معمولی ضروریات کے لئے بھی نیچے اترتے تو تصاویر کو اپنے سے جدا نہ کرتے تھے ان

کے اسی ایثار کی بدولت یہ نادر تصاویر موجودہ زمانہ میں ہم تک پہنچیں اور اس کتاب کی زینت بنیں۔ آپ کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی سے بہت عقیدت تھی، ہر سال آپ سے ملنے دہلی تشریف لیجاتے اسی عقیدہ کی بناء پر آپ نے اپنے چھوٹے صاحبزادے کا

نام عبدالعزیز رکھا۔

نواب عبدالعزیز خاں | آخرالذکر نواب عبدالعزیز خاں جن کا ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں انتقال ہوا۔ باعتبارِ علم وفضل علامۂ وقت اور بلحاظ جود وسخا بے مثل تھے، ۱۸۵۷ء سے اس وقت تک خاندان حافظ الملک میں اس لیاقت وفہمید کا کوئی دوسرا شخص پیدا نہ ہوا۔ ابتدائے عمر سے نہایت ذکی وذہین اور صاحب عقل وفراست تھے، چھ سات سال کے سن میں مکتب میں اپنے سے اگلی جماعت کے بچوں کا سبق یاد کر لیتے اور دوسرے دن اگر کوئی بچہ اپنا سبق بھول جاتا تو اس کو یاد کرا دیتے تھے۔

کتب درسیہ ابتدائیہ مولوی افتخار خاں سے معقول ومنقول مولوی یعقوب علی خاں اور علامہ مفتی عنایت احمد صاحب سے پڑھیں، اور اپنے زورِ ذہانت سے عالم متبحر بن گئے۔ فارسی وعربی کے منتہی ہونے کے بعد سنسکرت کا شوق ہوا تو قلیل مدت میں بڑے بڑے پنڈتوں سے گوئے سبقت لے گئے اور اس طرح عنفوانِ شباب ہی میں جامع علوم ہو گئے، ایک مرتبہ مجمع احباب میں سورۂ یوسف کی تفسیر شروع کی دو ماہ تک مسلسل چار چار پانچ پانچ گھنٹے کی صحبت میں اپنے بیان کو جاری رکھا، تبحر علمی اور فصاحت وبلاغت کے دریا بہا دئے، حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جس کتاب کو ایک مرتبہ دیکھ لیا تمام عمر یاد رہی، ایک روز بسبیل تذکرہ فرمایا کہ قرآن عظیم کو اگر کوئی شخص چاہے اور جسارت کرے تو ماہ دو ماہ میں حفظ کر سکتا ہے، اسی اثناء میں ماہ رمضان المبارک آ گیا دوستوں سے ذکر کیا کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس مرتبہ ہم بھی مسجد میں قرآن سنائیں، چنانچہ یکم رمضان سے صبح کے وقت ایک پارہ دیکھ لیتے اور دوبارہ سہ پہر کو تلاوت فرما کر شب کے وقت مسجد نواب ایوب خاں میں تراویح میں سناتے ۲۸ کو قرآن شریف ختم کر دیا اور اس روز بڑے اہتمام سے مسجد میں چراغاں اور تقسیم شیرینی کرائی۔

نواب عبدالعزیز خاں مرحوم اردو فارسی کے زبردست ادیب تھے ہر دو زبانوں کی ایسی عبارت لکھنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے کہ جس کے ہر فقرے سے مادۂ تاریخ نکلتا ہو، نواب صاحب کی تصانیف میں سبیل بخشش، آئینہ حسرت جزر ومد، اور مجالس العلوم بہت مقبول ہوئیں، آخرالذکر کتاب میں بشکل کہانی چالیس مختلف علوم پر نہایت عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔

نواب صاحب کا فارسی اور اردو کا ایک مبسوط مطبوعہ دیوان بھی موجود ہے، شاعری میں ابتداءً مولوی عبدالملک ممتاز بریلوی سے تلمذ رہا نام کی مناسبت سے عزیز تخلص اختیار کیا اور اس فن میں حیرت انگیز ترقی کر کے

ایسی شہرت پائی کہ بریلی میں کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہوئی۔ بڑے بڑے شعراء سے صحبتیں اور مقابلے رہے مگر کبھی کسی نے ان کے کلام پر نکتہ چینی نہ کی۔ کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:-

نہ سوہو عوشِ گل ہیں دن چڑھے تک ؛ عنادل سے تو اے شبنم حیا کر
عزیز جاں بلب کی جاتی ہے جاں ؛ ہمیں لے لو لبوں سے لب ملا کر

ولہ

جلوہ ابرو کا ہے اس دیدۂ مخمور پہ یوں ؛ جس طرح سر پہ کسی مست کے ہو جام نگوں
پایا بر جستہ جو یاں ناز و ادا کا مضموں ؛ کی رقم کاتب تقدیر نے بیتِ موزوں

خم ابرو نے زمانے کو کیا ہے تسخیر
صید کرتی ہے دلوں کو یہ کمانِ بے تیر

ولہ

ہجر کی رات ہے تاریک گھٹا چھائی ہے ؛ یہ بھی اس وقت میں اک آفتِ بالائی ہے
یا خدا دل میں غم یار کی مہمانی ہے ؛ شرم رکھ لے کہ بہت بے سر و سامانی ہے
راستے اور بھی ہیں ملکِ عدم کے لیکن ؛ تیغ کے گھاٹ اتر جانے میں آسانی ہے
کس کو تھی میکدۂ کون میں آنے کی خوشی ؛ مجھ کو اس نشّہ میں دم دیکے قضا لائی ہے
عشق سینے میں بنا سوز تو آنکھوں میں سرشک ؛ طرفہ شے ہے کہ کہیں آگ کہیں پانی ہے
خرمنِ غنچہ و گل سینۂ بلبل ہے عزیز ؛ کثرت زخم ہے چھالوں کی فراوانی ہے

نواب صاحب نہایت متقی و پرہیزگار، عابد و زاہد تھے اور خدمت خلق اللہ کو ذریعہ نجاتِ آخرت سمجھتے تھے شرفاء نواز اور غرباء پروری ان کا دن رات کا مشغلہ تھا، اکثر و بیشتر اپنی ضرورتوں کو بند کر کے دوسروں کی حاجت برائی و دستگیری کرتے تھے، بڑے مہمان نواز تھے، ہمیشہ دو چار مسافر بالخصوص عرب لوگ مہمان رہتے تھے

ناکام جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے نتیجہ میں خاندان حافظ الملک پر بالخصوص اور عام مسلمانوں پر بالعموم جو تباہی و بربادی آئی اس سے نواب عبدالعزیز خاں صاحب بہت بے چین ہوئے، لیکن ہنگامہ فرو ہونے پر چونکہ نواب صاحب

باقی قرار نہیں پائے اس لئے ان کی جائداد اور مکانات وغیرہ ان کو واپس مل گئے جن کی آمدنی سے وہ حسب معمول سابق خوش حالی کی زندگی بسر کرسکتے تھے، مگر عام مخلوق خدا کی امداد کرنے کے خیال نے انہیں وکالت کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جس کے ذریعہ وہ دو تین ہزار روپیہ ماہوار کماکر ان شرفاء کی امداد کرتے رہے جو نادار و مفلوک الحال ہوکر گوشہ نشین ہونے پر مجبور ہوگئے تھے۔ وکالت کا پیشہ نواب صاحب نہایت ایمانداری اور دیانت داری سے انجام دیتے تھے، کبھی کسی جھوٹے مقدمہ کی پیروی نہیں کی، اسی دیانت داری کے باعث تمام عدالتیں بے حد احترام کرتی تھیں غیر معمولی مبلغ علم اور قانون دانی کی وجہ سے ہم پیشہ وکیلوں میں بھی امتیاز خصوصی حاصل تھا کبھی کوئی کاغذ یا دستاویز شاہی عدالت میں آجاتی تو اس کے پڑھنے کے لئے نواب صاحب ہی بلائے جاتے تھے۔

نواب صاحب کے انتقال کو اگرچہ کافی زمانہ گذر چکا ہے مگر آج بھی اہالیان روہیلکھنڈ انہیں عزت و احترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں، ان کی قبر مقبرۂ حافظ الملک میں ہے اور اس پر جو قطعہ تاریخ کندہ ہے اس کا مصرعٔ تاریخ خود انہیں کی ایک غزل کے مقطع سے مولوی قاسم علی صاحب خواہاں بریلوی نے نکالا ہے وہ بیت جس میں مصرعٔ تاریخ ہے حسب ذیل ہے:۔

ابر آید و بر تربت من گریہ دگوید ؎ ایں گور عزیز است کہ از بادہ کشاں بود

نواب عبدالعزیز خاں نے صرف ایک صاحبزادے نواب عبدالرشید خاں مرحوم اپنی یادگار چھوڑے جنہوں نے ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء کو بریلی میں انتقال کیا، انہوں نے ابتداءً وکالت کا پیشہ اختیار کیا تھا لیکن چونکہ کثیر الاحباب اور بامروت تھے اس لئے اکثر مقدمات بلا محنتانہ لڑنا پڑتے تھے، مجبوراً ملازمت اختیار کی پہلے تحصیلدار اور بعدہٗ عرصہ تک ڈپٹی کلکٹر رہے اپنی ملازمت میں نہایت نیک نام تھے، زمانہ ملازمت میں جن لوگوں کا ان سے واسطہ رہ چکا ہے ان کی شرفاء نوازی، خوش خلقی، جہاں نوازی اور دیانت داری کی بہت تعریف کرتے ہیں اپنے عالی مرتبت والد کی طرح یہ بھی ذی علم تھے اور ان کا مذاق علمی بہت ہمہ گیر تھا، مدت العمر جو کچھ پڑھا حرف بحرف یاد رکھا اسی وجہ سے جس مسئلہ پر بھی گفتگو کرتے تو نہایت گہری معلومات کا ثبوت دیتے تھے۔

غالباً ۱۸۹۵ء میں نواب عبدالرشید خان صاحب نے مقبرۂ حافظ الملک کی مرمت کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور تقریباً پانچ ہزار روپیہ جمع کرکے مرمت میں صرف بھی کیا لیکن بعض ذاتی موانع کے باعث اس کام کو

جس وسیع پیمانہ پر انہوں نے شروع کیا تھا جاری نہ رکھ سکے۔

نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ نواب حافظ محمد یار خاں کی اولاد میں حکیم مولوی نیاز احمد خاں عرف بنے میاں المتخلص به ہوشؔ بریلی کے ایک مشہور شاعر اور صاحب تصانیف گزرے ہیں، فن شعر میں استاد تھے اور اس فن کو اچھی طرح جانتے تھے، کثیر التعداد لوگوں کو ان سے فخر تلمذ حاصل تھا اور بریلی کے علاوہ اطراف و جوانب میں دور دور ان کی خوب شہرت تھی۔

فارسی کی تحصیل خلیفہ امیر الدین آزادؔ مرحوم بریلوی سے کی کتب درسیہ معقول و منقول مختلف علماء سے پڑھیں، فن طب لکھنؤ میں حکیم محمد ابراہیم سے حاصل کیا اور شاعری میں اسیرؔ لکھنوی کی شاگردی اختیار کی، تیرہ[13] چودہ[14] سال کی عمر میں حدیقۂ نعت تصنیف کیا، قصیدہ، رباعی، غزل، سلام سب کچھ کہتے تھے، زمانۂ ناہنجار ہمیشہ سے اہل کمال کا دشمن رہا ہے ان کے ساتھ بھی نامساعد رہا، ۱۸۵۷ء کے بعد سے پھر چین نہ پایا، بہت سے شہروں کی سیاحی کی، مدت تک لکھنؤ میں قیام پذیر اور وہاں کے جلسوں اور صحبتوں میں شریک رہے۔

"تاریخ روہیل کھنڈ" کلیات ہوشؔ، مثنوی ترانۂ ہوشؔ اور حدیقۂ نعت (مولود نامہ) ان کی مطبوعہ تصانیف میں سے یادگار باقی ہیں، غیر مطبوعہ کتابیں:۔ شہادت نامہ بے نظیر، فسانہ غرائب اور واسوخت ہوشؔ ہیں، فن شعر میں ہوشؔ کا مقام ان کے قصائد کی بناء پر جاوداں کہا جاسکتا ہے، غزل میں بھی مقام رفیع کے مالک تھے۔ مرحوم کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:۔

سر دیا سودا دیا پاؤں دئے صحرا دیا ؎ کیا بتائیں دینے والے نے ہمیں کیا کیا دیا

مرنے کے بعد ہوشؔ یہ رتبہ بڑھا مرا ؎ میں تھا سوار ساتھ زمانہ پیادہ تھا

تصور میں رخ رنگیں کے میں نے جب بہائے آنسو ؎ تو ہر دیدہ خزانہ بن گیا حوض گلستاں کا
عجب کیا مردم چشم اس کے اس جانب جو بھر جائیں ؎ کہ انساں سے نکلتا ہے جہاں میں کام انساں کا

روبرو تیرے اگر آجائے اے گل آفتاب ؛ کھائے جل جل کر بدن پر سیکڑوں گل آفتاب

زلفیں لٹکا دیں جو رخ سے دن میں اس نے ای فلک ؛ آگیا زیرِ نقاب موئے کاکل آفتاب

بام پر بیٹھے جو منہ دھونے کو وہ ہنگامِ صبح ؛ آفتابہ بن کے آئے بے تامل آفتاب

کیوں نہ اس گل سے گلِ خورشید رکھے دل میں خار ؛ حسن میں جس کی قبا کا ہو ہر اک گل آفتاب

تلِ جبیں کا خال دو آنکھوں کے او صفرِ دہاں ؛ چار یہ نقطے ہیں جیسے نقطہائے آفتاب

مصحفِ رخسارِ جاناں کا نہ ہمسر ہو سکے ؛ لاکھ صورت سے اگر صورت بنائے آفتاب

سلسلہ نسل نواب محمد یار خاں
نصرت یار خاں
سعادت یار خاں
یار محمد خاں
محمد زماں خاں
محمد امان خاں
محمد احسان خاں
برخوردار خاں
سالار خاں
احمد رضا خاں
علی رضا خاں
عبدالقادر خاں
عبدالعزیز خاں
نیاز محمد خاں
امیر الزماں خاں
مظفر علی خاں
احمد اللہ خاں
حفیظ اللہ خاں
خلیل اللہ خاں
نیاز احمد خاں
عبدالوہاب خاں
عبدالمجید خاں
عبدالرشید خاں
محمد رضا خاں
ابوالقاسم خاں
ابوالحسن خاں
محمد عطا خاں
فتح محمد خاں
شیر محمد خاں
محمد اللہ خاں
امداد اللہ خاں
عصمت اللہ خاں
نثار احمد خاں
وزیر احمد خاں
عبداللطیف خاں
عبدالحفیظ خاں
محمود حسن خاں
محمد حسین خاں
ہادی حسن خاں
نواب حسن خاں
امیر حسن خاں
عبدالمعید خاں
عبدالقدیر خاں
عبدالماجد خاں
عبدالکریم خاں
عبدالقیوم خاں
عبدالماجد خاں
عبدالحکیم خاں
عبدالرشید خاں
عبدالحی خاں
وقار احمد خاں
مختار احمد خاں
سردار احمد خاں
عبدالرحمن خاں
عبدالرحیم خاں
نواب احمد خاں
رفیق احمد خاں
عبدالرؤف خاں
عبدالکبیر خاں

۷ نواب محمد دیدار خاں

محمد دیدار خاں الملقب بہ منگل خاں والد کی شہادت کے وقت بائیس سال اور چند مہینے کے تھے اور اس کے بعد پینتیس سال چند ماہ اور زندہ رہ کر ماہ شوال ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء بعمر ۵۸ سال رحلت کی اور لکھنؤ میں مدفون ہوئے، چار ہزار ایک سو سولہ روپیہ خزانۂ لکھنؤ سے ملتا تھا اور وہیں نواب محبت خاں کی رفاقت میں جن سے انہیں انسیت تھی بود و باش رکھتے تھے۔ صدق مقال بستودہ صفات، شجاعت و سخاوت میں مشہور تھے، اپنے اوقاتِ شب و روز کو ثوابِ اُخروی حاصل کرنے میں مصروف رکھتے تھے، باغیرت و باحمیت تھے اور جود و کرم ان کی ذات سے جاری رہتا تھا، شرع شریف نبوی کے نہایت متبع اور مذہب حنفی پر نہایت قدم تھے، اکثر نماز باجماعت ادا کرتے تھے، فن تیر اندازی میں یگانۂ وقت تھے۔

ان کی شادی محمد میر خاں بابر کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ محمد میر خاں بابر وہی تھے جو عنایت خاں کی ہمراہی میں جنگ پٹنہ میں توپ کے گولے سے مارے گئے تھے اور جنہوں نے میر گنج تحصیل بریلی کو آباد کیا تھا مطابق وصیت ان کی لاش پٹنہ سے میر گنج لاکر دفن کی گئی تھی۔ قبر کا نشان اب تک موجود ہے۔ نواب محمد دیدار خاں صاحبِ اولاد تھے۔

---

[1] ان کی اولاد میں نواب ظفریاب خاں راسخ ذی علم اور عمدہ شاعر تھے۔

سلسلۂ نسل نواب محمد دیدار خاں

- فتح یاب خاں
  - ظفر یاب خاں
    - ابو طالب خاں
    - مددیاب خاں
    - ظرف یاب خاں
  - نصرت یار خاں
  - عثمان خاں
    - محمد اکبر خاں
    - غلام حسین خاں
    - حمید اللہ خاں
    - حاتم خاں
    - محمد علی خاں
  - مرتضیٰ خاں
    - محمد حسن خاں
- محمد نصیر خاں
  - محمد نظیر خاں
  - محمد بشیر خاں
  - محمد وزیر خاں
  - محمد منیر خاں

نواب ذوالفقار خاں ۷

حافظ الملک کی شہادت ہوئی تو ان کی عمر بائیس سال کی تھی، چوبیس سال اور چند مہینے اور زندہ رہ کر بعمر چھیالیس سال روز چہارشنبہ ۴ رمضان المبارک ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء بمقام لکھنؤ وفات پائی، چندماہ بعد ان کی نعش بریلی لاکر حافظ الملک کے مقبرہ میں دفن کی گئی۔

نوہزار نوسو بائیس روپیہ سالانہ، پانچ روپیہ یومیہ، دو گاؤں اور کچھ اراضیات معافی کی انہیں ملی ہوئی تھیں جن سے اپنا خرچ چلاتے تھے[1]

تقویٰ و ورع سے آراستہ اور جادۂ شریعت پر مستحکم تھے، کبھی منہیات کے مرتکب نہیں ہوئے، شب ہائے متبرکہ مثل شب جمعہ اور شب دوشنبہ کو نوافل و وظائف اور تلاوت قرآن مجید میں تمام رات مصروف رہتے تھے، نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ ہمیشہ باجماعت ادا کرتے اور اکثر و بیشتر عبادت شاقہ میں مصروف رہتے تھے، موسم سرما ہو یا گرما، سفر ہو یا حضر ایام بیض[2] کے روزے کبھی ترک نہیں کرتے تھے، طریقۂ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ جمال اللہ سے بیعت تھے۔

نواب ذوالفقار خاں کی شادی قصبہ کٹرہ ضلع شاہجہاں پور میں کمال زائی خاں کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی تھی۔ چند لڑکیاں اور دس لڑکے اپنی یادگار چھوڑے[3]

[1] ذوالفقار گنج جواب شہامت گنج کہلاتا ہے۔ نواب ذوالفقار خاں کے نام پر بسایا گیا تھا، یہ بریلی کا ایک مشہور بازار ہے۔

[2] ہر مہینہ چاند کی ۱۳۔۱۴۔۱۵ تاریخوں کو ایام بیض کہتے ہیں۔ بیض بہ معنی سپیدی۔

[3] نواب ذوالفقار خاں کے اکثر لڑکے مشہور ہوئے، جن میں خان بہادر خاں جو ۱۸۵۷ء میں روہیل کھنڈ کے نواب بنائے گئے تھے خاص طور پر بہت ممتاز و نامور ہوئے ایک اور صاحبزادے نواب احمد یار خاں نامی تھے جو ریاست فرخ آباد میں نواب تجمل حسین خاں کے زمانہ میں بعہدۂ نیابت ممتاز تھے، نہایت قابل اور ذی علم تھے۔ اردو فارسی کی چند کتابیں تصنیف کیں فارسی کا ایک مطبوعہ مولود شریف موجود ہے۔ ان کی لیاقت کا ذکر مولوی نظیر الدین حسن نے اپنی کتاب مصدر فیوض میں کیا ہے۔ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں عید الفطر کے دن نماز عید میں

انتقال فرمایا، چھ ماہ کے بعد لاش فرخ آباد سے بریلی لائی گئی اور حافظ الملک کے مقبرہ میں دفن کی گئی، ان کے انتقال کے بعد ان کے منجملہ چار لڑکوں کے دو یعنی نواب مظفر حسین خاں اور احمد حسین خاں زمانہ جنگ آزادی میں فرخ آباد ہی میں ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ پوتوں میں نواب حیدر حسین خاں ابن حافظ یار خاں نہایت عالی مرتبت اہل باطن میں سے گزرے ہیں، چالیس سال تک مسلسل صرف دہی کے پانی پر گزر کی اسی وجہ سے دہی والے میاں کے نام سے مشہور ہیں، آخر عمر میں ترک غذا اور ریاضت شاقہ نے انہیں ایسا نحیف و نزار بنا دیا تھا کہ ان کی شکل ایک زندہ انسان کی سی نہ معلوم ہوتی، وہ سوکھی شاخوں کے ایک درخت کی مانند معلوم ہوتے تھے، چنانچہ ایک روز ایک چڑیا آکر ان کے سر پر بیٹھ گئی تو فرمانے لگے :۔

"کیوں ری چڑیا کیا تو نے مجھے انسان نہ سمجھا!"

حضرت شاہ محمد بشیر میاں صاحب بیلی بھیتوی جو شمالی ہند میں بڑے زبردست اولیا اللہ گزرے ہیں نواب صاحب کی بابت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"میاں وہ اپنے وقت کے آفتاب ہیں!"

حضرت شاہ جی میاں صاحب نے ایک روز صبح اٹھ کر حاضر خدمت لوگوں سے فرمایا۔

"رات خواب میں دیکھا کہ میں اور نواب صاحب ساتھ کھانا کھا رہے ہیں ہو نہ ہو ان کا وصال ہو گیا!"

اور یہ واقعہ تھا کہ اس روز نواب کا بریلی میں انتقال ہو چکا تھا۔ شاہ جی میاں جب کبھی بریلی رونق افروز ہوتے تو نواب صاحب سے ضرور ملاقات کرنے آیا کرتے تھے اور یہ اکثر دیکھا گیا کہ اس قسم کے مواقع پر خلاف معمول اپنے مکان واقع گلی نوابان میں نواب صاحب بغیر کسی پہلے کی اطلاع کے کواڑوں کی کنڈی پکڑے شاہ جی میاں کے انتظار میں کھڑے نظر آتے تھے۔

نواب صاحب کو حضرت شاہ دانا ولیؒ سے بہت عقیدت تھی اکثر مزار اقدس پر تشریف لیجاتے اور یہ شعر پڑھتے :۔

خوب واقف ہے مرے حال سے شاہِ دانا

عرض حاجت تری درگاہ میں نادانی ہے

نواب صاحب نے ایک میلاد نامہ لکھا تھا جس کی قلمی نقول بعض اصحاب کے پاس موجود ہیں، تصوف اور نعت میں ان کا کلام بہت مقبول تھا، حیدر تخلص کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ اب ان کا کلام نایاب ہے لوگوں کی زبانی جو چند اشعار سننے میں آئے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

میں ترک فرائض میں خدا کا ہوں چور ؎ اور ترک سنن میں مصطفےٰ کا ہوں چور

دم یوم الست میں چرایا میں نے ؎ حیدر بخدا میں کس بلا کا ہوں چور

محمدؐ سِرِّ قدرت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے ؎ شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

خدا و مصطفےٰ کی کُنہ میں ادراک عاجز ہے ؎ محمدؐ کو خدا جانے خدا کو مصطفےٰ جانے

نواب صاحب مقبرۂ حافظ الملک میں حدود گنبد کے باہر جانب جنوب مدفون ہیں، ان کی قبر کا کچھ حصہ مقبرہ کی تصویر میں بھی آگیا ہے۔

نواب ذوالفقار خاں کی اولاد میں نواب علی خاں المعروف بہ گُلّن میاں صاحب بھی نہایت ذکی و ذہین اور باوضع شخص تھے، حافظ خاص طور پر بہت اچھا تھا، ان کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک روز سید عبدالحنان[1] صاحب کی صحبت میں جو عجیب و غریب صفات کے اہل باطن میں سے گزرے ہیں تشریف رکھتے تھے، ایک خوش کلام شاعر تشریف لائے اور بتیس شعر کی اپنی ایک تازہ لکھی ہوئی غزل سنا کر اہل صحبت کو محظوظ و مسرور کیا جب وہ سنا چکے تو گلّن میاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ غزل تو میری ہے آپ کو کہاں سے ہاتھ لگی، تمام لوگ گلّن میاں کے

---

[1] عبدالحنان میاںؒ کا مزار کھیڑا خان بہادر سے متصل محلہ بھوڑ کے قبرستان میں ایک پختہ چبوترہ پر واقع ہے انقلاب ۱۹۴۷ء سے قبل عرس بھی ہوتا تھا۔ رہے نام اللہ کا۔

اس فرمانے سے حیرت زدہ ہو گئے، بالخصوص شاعر صاحب کا استعجاب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، سوال کیا گیا کہ اس کا ثبوت! فرمایا مجھے پوری غزل یاد ہے، لوگوں نے کہا سنائیے، اس پر نواب صاحب نے بلا تکلف تمام اشعار سنا دئے اور ثابت کر دیا کہ غزل مذکور انہیں کی لکھی ہوئی تھی۔

شاعر صاحب بیچارے بہت خجل و شرمندہ ہوئے اور عنقریب صحبت سے اٹھ کر جانے والے تھے کہ نواب گلن میاں کو ان کے حال پر رحم آگیا اور فرمایا کہ

"بھائی معاف کرنا در اصل غزل تمہاری ہی ہے، تم نے جو سنائی تب مجھے یاد ہو گئی"

سب لوگوں نے نواب صاحب کے حافظہ اور مذاق لطیف کی بہت داد دی، اللہ اللہ کیا صحبتیں تھیں اور کیا دل آویز ان کا مذاق تھا۔

سلسلہ نسل نواب ذوالفقار خاں ؒ

احمد یار خاں — حافظ یار خاں — ہادی یار خاں — جمال الدین خاں — کمال الدین خاں

حیدر حسین خاں — محمد حسین خاں — سعید الدین خاں — حمید الدین خاں — ظفر علی خاں — فتح علی خاں

منظفر علی خاں

معین الدین خاں — قطب الدین خاں — ہادی حسن خاں — محمد حسنین خاں — فتح حسین خاں

محمد آل الدین خاں

مظفر حسین خاں — احمد حسین خاں — رحمت حسین خاں — علی حسین خاں — فدا علی خاں — مصطفےٰ علی خاں — قاسم حسین خاں — سنور حسین خاں

شیدا علی خاں — فدا علی خاں — محمد حسن خاں

اقبال محمد خاں — مقبول محمد خاں — سعید حسن خاں — صادق حسن خاں — حامد علی خاں — احمد علی خاں — صابر علی خاں — نواب علی خاں — معشوق علی خاں — آغا علی خاں — قدرت علی خاں

انعام محمد خاں — اختر محمد خاں — محمد حسن خاں — خورشید احمد خاں — محمد احمد خاں — بشیر احمد خاں — زید احمد خاں

محمد حسن خاں — محمد احسن خاں — محمد محسن خاں — ہدایت حسن خاں — سلطان حسن خاں — آغا احمد خاں — نواب احمد خاں — نصیر احمد خاں

نصیر الدین خاں

عن علی خاں — حسین علی خاں — محمد علی خاں — مظفر علی خاں — انور علی خاں — کاظم علی خاں — سلطان علی خاں — امیر حسن خاں — ولایت حسن خاں — ابوالحسن خاں

حسنین احمد خاں — عبداللہ خاں

ممتاز علی خاں — احسان علی خاں — مقصود علی خاں — معشوق علی خاں — محمود علی خاں — ظفر محمد خاں — امیر محمد خاں — حسنین محمد خاں — ساجد علی خاں

ذاکر علی خاں — غفور محمد خاں — محبوب احمد خاں — نبی احمد خاں — محمد احمد خاں

سلسلۂ نسل نواب ذوالفقار خاں[۲]

- جلال الدین خاں
  - سعادت حسین خاں
    - مہدی حسن خاں
      - مسیح علی خاں
    - نیاز حسن خاں
      - شفیع علی خاں
  - کرامت حسین خاں
  - مفضل حسین خاں
- خان بہادر خاں
  - جان بہادر خاں
    - یار محمد خاں
    - احمد بہادر خاں
- قاسم علی خاں
- نصیر الزماں خاں
  - نذیر الزماں خاں
    - سکندر الزماں خاں
  - کریم الزماں خاں
    - رفیع الزماں خاں
      - شفیع الزماں خاں
      - حمید الزماں خاں
    - فصیح الزماں خاں
      - مسیح الزماں خاں
      - شفیق الزماں خاں
    - قمر الزماں خاں
      - شمس الزماں خاں
      - بدر الزماں خاں
        - قیصر الزماں خاں
      - اختر الزماں خاں
    - امیر الزماں خاں
      - وزیر الزماں خاں
    - فخر الزماں خاں
    - نجیب الزماں خاں
    - حسین الزماں خاں
      - افسر الزماں خاں
      - مجید الزماں خاں
    - حبیب الزماں خاں
- امیر الزماں خاں

نواب اللہ یار خاں ۸

حافظ محمد یار خاں کے حقیقی بھائی تھے اپنے والد کی شہادت کے وقت اکیس سال کے تھے، ساٹھ سال چند ماہ اور زندہ رہ کر نویں شعبان ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء کو بعمر اکیاسی سال چند ماہ وفات پائی، ان کو علاوہ دیہات وار اضیات معافی چھ ہزار تین سو تر یسٹھ روپیہ سالانہ وثیقہ ملتا تھا، اخلاق حسنہ اور عادات مستحسنہ کے مالک تھے، متین اور سنجیدہ مزاج ہونے کے باوصف ظریف طبع بھی اس قدر تھے کہ اگر ان کے لطائف وظرائف کو جمع کیا جائے تو ایک علیحدہ کتاب مرتب ہو جائے، شکار کا بہت شوق تھا اور بندوق کا نشانہ بہت صحیح لگاتے تھے، سلسلہ قادریہ میں حضرت سید علی اکبر مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، عالم و محقق بھی تھے انہوں نے پشتو اور ہندوستانی زبان کی ایک مبسوط لغت تیار کی تھی جو اب دستیاب نہیں ہوتی، صاحب اولاد تھے اور چھ لڑکے اپنی یادگار چھوڑے۔

——— (✻) ———

سلسلۂ نسل نواب اللہ یار خاں
کامگار خاں
خدا یار خاں
محمود خاں
مسعود خاں
محمد ابراہیم خاں
محمد نعیم خاں
محمد حسن رضا خاں
مہدی رضا خاں
موسیٰ رضا خاں
صاحسن خاں
مصطفےٰ الحسن خاں
امداد علی خاں
عبدالمجید خاں
عبداللطیف خاں
عبدالمجید خاں
عبدالحمید خاں
حسن محمد خاں
حسن احمد خاں
محمد حسن خاں
احمد حسن خاں
علی حسن خاں
علی محمد خاں
حسین علی خاں
امجد علی خاں
محمد مستقیم خان
محمد اسمٰعیل خاں
عبدالرحیم خاں
محمد احمد خاں
مختار احمد خاں
چھمن خاں

۹۔ نواب عظمت خاں

محبت خاں اور عنایت خاں کے حقیقی بھائی تھے، حافظ الملک کی شہادت کے وقت اکیس سال کے تھے صرف پانچ سال اور زندہ رہ کر بعمر چھبیس سال ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۷۹ء میں مسلول ہو کر بریلی میں وفات پائی، نواب عنایت خاں کے قریب دفن ہوئے، تین گاؤں کچھ اراضیات معافی، کسی قدر یومیہ اور مبلغ دو ہزار سات سو چہتر روپیہ سالانہ وثیقہ وجہ معاش تھی، ان کے دو لڑکے آزاد خاں اور شہزاد خاں نامی تھے۔

—— (٭) ——

سلسلۂ نسل نواب عظمت خاں

- آزاد خاں
  - سعادت مند خاں
    - فضل حسین خاں
    - جمعیت حسین خاں
      - سخاوت حسین خان
  - امداد حسین خاں
    - تفضل حسین خاں
      - محمد بہادر خاں
        - دلاور حسین خاں
        - شجاعت حسین خاں
      - علی بہادر خاں
        - محمود علی خاں
          - احمد علی خاں
          - حامد علی خاں
        - مسعود علی خاں
          - محبوب علی خاں
    - تجمل حسین خاں
      - نجف علی خاں
        - عباس علی خاں
          - محمد علی خاں
    - عطا حسین خاں
    - عنایت حسین خان
- شہزادہ خاں
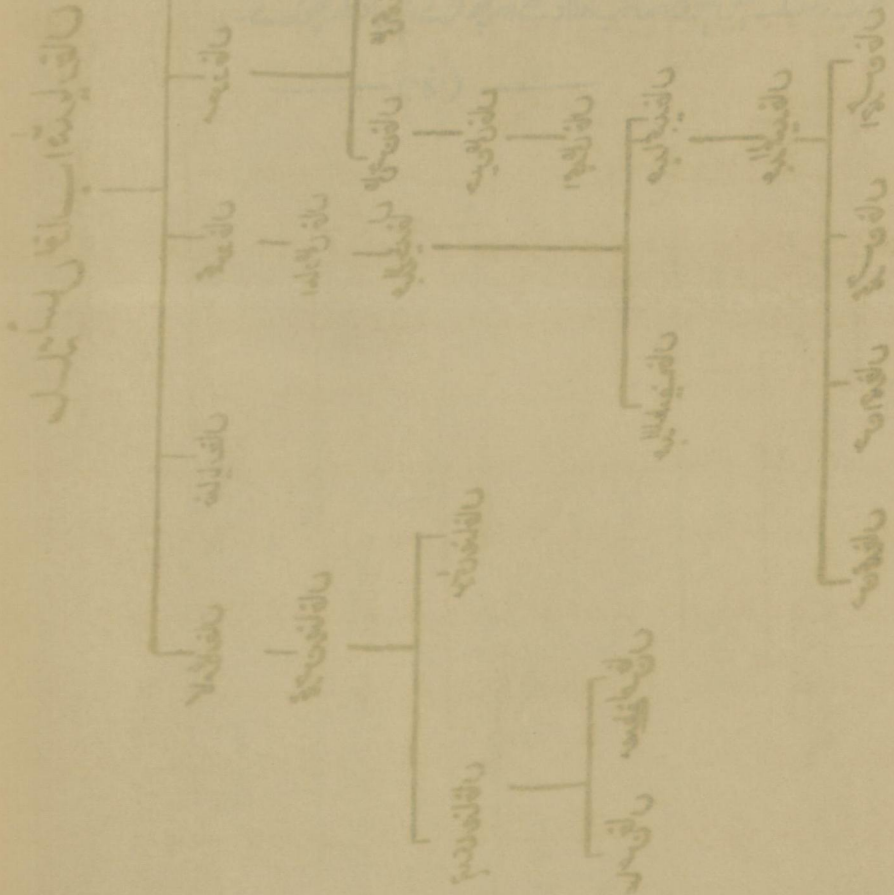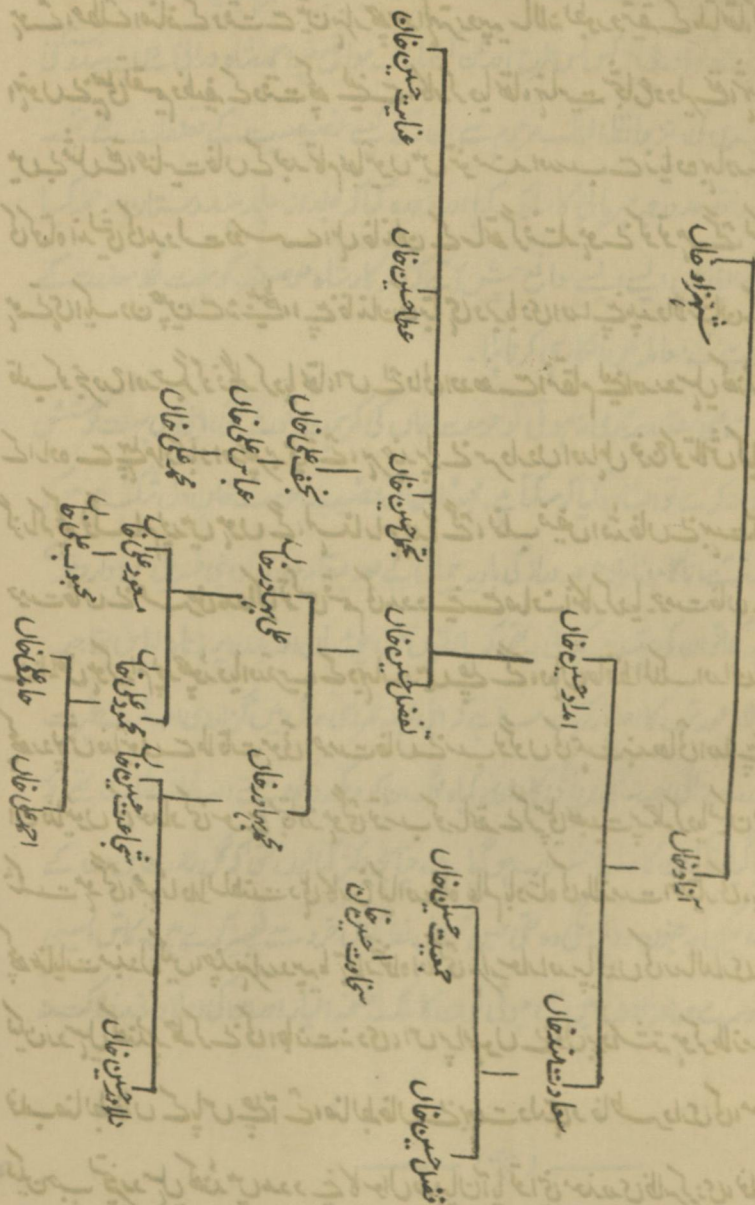
نواب حرمت خاں

حافظ الملک کی شہادت کے وقت انیس سال کے تھے، پینتالیس سال اور زندہ رہ کر بعمر چونسٹھ سال ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء بمقام مرادآباد وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے، عطائے اضافہ کے وقت سے تین ہزار چھ سو اکہتر روپیہ سالانہ بطور وثیقہ کے ملتا تھا، کیونکہ ہم لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے پہلی تقسیم وظیفہ کے وقت کچھ لینے سے انکار کر دیا تھا، نہایت شجاع و دلیر تھے، شہسواری اور نیزہ بازی میں بے مثل تھے، عنایت خاں کے بعد تمام بھائیوں میں تنومند اور سب سے زیادہ بہادر تھے، اپنے بڑے بھائیوں کی کوتاہ اندیشی کی بدولت دوسرے اہل خاندان کے ساتھ گرفتار ہونے کو تو ہو گئے، لیکن قلعۂ الہ آباد سے رہا ہوتے ہی ایک دن چین سے نہ بیٹھے، اپنے خاندان کی تباہی و بربادی اور اپنے پدر والاشان کے خون ناحق نے ان کے قلب کو مجروح اور جگر کو فگار کر دیا تھا، اس لئے والیٔ اودھ سے انتقام لینے اور روہیل کھنڈ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے ارادہ سے پہلے مرادآباد اور پھر بریلی آئے، ہر چند پرانے سرداروں اور اہل فوج کو تلاش کیا مگر کسی کا پتہ نہ ملا خیال گزرا کہ کچھ لوگ رام پور میں ہوں گے، لہٰذا رام پور آ گئے، نواب فیض اللہ خاں نے بہت آؤ بھگت کی مگر جب حرمت خاں نے عرض مدعا کیا تو کسی قسم کی مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔ حرمت خاں نے نواب فیض اللہ خاں سے ناراض ہو کر رام پور چھوڑ دیا اور قریب کے دیہات میں چلے گئے، وہاں حافظ الملک اور ان کے اہل خاندان کے کچھ روپوش فدائیوں سے ملاقات ہوئی، حرمت خاں نے سب لوگوں کی ہمت بندھائی اور اپنے گرد جمع کیا اور جب ان فدائیوں کی تعداد کئی سو سے متجاوز ہو گئی تو سب کو ساتھ لے کر پیلی بھیت پر حملہ کر دیا لیکن فوج کی قلت کے باعث شکست ہو گئی، مجبوراً دار السلطنت دہلی کا رخ کیا اور شاہ عالم بادشاہ کی ملازمت اختیار کی، بادشاہ نے ان پر بہت کچھ عنایات مبذول کیں، چند ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ اور کئی ہزار سوار اور پیادوں کی رسالداری سے بھی سرفراز کیا لیکن روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دی، اس پر انہوں نے دل برداشتہ ہو کر ملازمت شاہی چھوڑ دی اور نواب ضابطہ خاں کے پاس چلے آئے، ضابطہ خاں نے بہت دلدہی و خاطرداری کی، معقول وظیفہ مقرر کیا لیکن جب تسخیر روہیل کھنڈ میں مدد دینے کا سوال درمیان آیا تو اپنی معذوری ظاہر کر دی، نواب حرمت خاں یہاں سے بھی مایوس و ناامید ہو کر مہاد جی سندھیا کے پاس طالب امداد ہوئے، مہاد جی سندھیا نے نہایت عزت و توقیر کی کچھ عرصہ لیت و لعل میں رکھا اس کے بعد فتح روہیل کھنڈ میں ساتھ دینے سے معذوری ظاہر کر دی۔

ایک ایک کر کے شمالی ہند کے تمام حکمرانوں نے حرمت خاں کی امداد و اعانت کرنے سے گریز کیا تو انہوں نے تن بہ تقدیر افغانستان کا رخ کیا اور تیمور شاہ ابن احمد شاہ درانی کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی اور اپنے خاندان کی بربادی کی فریاد کی یہ بھی بادشاہ کو یاد دلایا کہ کس کس طرح اور کن کن نازک مواقع پر احمد شاہ درانی نے اپنے ہندوستانی ہم قوموں کی دست گیری کی، نیز حافظ الملک مرحوم سے ان کے کیسے خصوصیت کے تعلقات تھے۔ تیمور شاہ نے حرمت خاں کے ساتھ حد درجہ مہربانی کا سلوک کیا اور وعدہ کیا کہ جلد از جلد ہندوستان پر حملہ کیا جائے گا، لیکن اس وعدہ کے ایفا میں ایسے ایسے موانع پیش آئے کہ آخرکار شاہ موصوف کو بہت کچھ معذرت کے بعد حرمت خاں کو مدد دینے کے معاملہ میں انکار ہی کرنا پڑا۔

شاہ افغانستان سے بھی مقصد برآری نہ ہوئی تو حرمت خاں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی، اپنی سی بہت کوشش کی لیکن جب مقدر ہی یاوری نہ کرے تو انسان کیا کر سکتا ہے۔ مجبوراً حرماں نصیب حرمت خاں دل شکستہ ہو کر ہندوستان واپس لوٹ آئے، ناکام و نامراد عرصہ دراز کی بادیہ پیمائی کے بعد بمقام مرادآباد اپنی خسرال میں وارد ہوئے سرزمین وطن میں قدم رکھا تو ان کی ہیئت کذائی یہ تھی کہ ہاتھوں میں چوڑیاں اور بدن پر زنانہ لباس تھا جب کسی سے بات کرتے تو طرز کلام عورتوں کا اختیار کرتے، سنا ہے کہ اپنی بقیہ عمر اسی حال میں گزار دی اور مارے غیرت کے نہ کبھی مردوں کی سی صورت بنائی اور نہ کبھی مردانگی کا دعویٰ کیا، لوگ ان کو دیکھ دیکھ ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے اور ان کی بابت یہ خیال کر لیا گیا تھا کہ ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے، چنانچہ اکثر کتابوں حتیٰ کہ گل رحمت میں ان کے جنون و دیوانگی کا ذکر ہے، لیکن یہ جنون و دیوانگی وہ تھی جس کو اہل نظر کمال خرد سے تعبیر کرتے ہیں۔ کاش ایسی دیوانگی حافظ الملک کے دوسرے صاحبزادوں میں بھی ہوتی تو ان کا ملک طعمۂ اغیار اور ان کی اولاد نذر فلاکت نہ ہوتی ـــــ

ـــــ (٭) ـــــ

سلسلۂ نسل نواب رحمت خاں

نواب غلام مصطفیٰ خاں

حافظ الملک کی حیات میں پندرہ سال کے تھے پندرہ سال اور چند ماہ اور زندہ رہ کر روز پنجشنبہ ۲۷ ذلقیعدہ ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۹ء بعمر تئیس سال وفات کی، زیر دیوار غربی مقبرہ حافظ الملک میں دفن ہوئے، کچھ اراضیات معافی کی اور دو ہزار چار سو ساٹھ روپیہ سالانہ وثیقہ ملتا تھا، ذہن عالی اور طبع موزوں کے مالک تھے، بہت بڑے فارسی داں اور ہندی کے بلند پایہ شاعر تھے، مست تخلص تھا خط نسخ لکھنے میں بے مثل تھے اور اپنا جواب نہ رکھتے تھے، سلسلہ چشتیہ قادریہ میں حضرت سید اکبر علی مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے بعیت تھے، حافظ الملک کو اپنی تمام اولاد میں ان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی، سفر و حضر میں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے، عین عالم جوانی میں مدقوق و مسلول ہو کر انتقال کیا، اپنی وفات سے ایک مہینہ قبل خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت سپید ریش شربت کا بھرا ہوا ایک پیالہ ان کے سامنے لائے اور کہا کہ یہ شربت حضرت امام حسین علیہ السلام کی نیاز کا ہے نوش کیجیے، انہوں نے لے کر پی لیا نہایت لذیذ تھا، آنکھ کھلی تو زبان پر اس کی لذت محسوس ہو رہی تھی، جن لوگوں کے سامنے اس خواب کو بیان کیا انہوں نے تعبیر دی کہ انشاء اللہ آپ صحت یاب ہو جائیں گے، لیکن خود انہوں نے باوجودیکہ اس وقت تک مرض میں شدت نہ ہوئی تھی اپنے صفائے باطن سے معلوم کر لیا کہ اس سے مراد سفر آخرت ہے، وفات سے پندرہ روز قبل تک اگرچہ حرکت کرنے کی طاقت نہ رہی تھی تاہم چارپائی سے نیچے اتر کر باقاعدہ نماز ادا کرتے تھے، اس محنت شاقہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر نماز کے بعد کئی کئی گھنٹے بے ہوش رہنے لگے، اس پر مولوی عبدالباسط مولوی محمد انوار اور مفتی محمد عیوض صاحب نے فتویٰ دیا کہ حرکت کرنے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں چارپائی پر نماز جائز ہے لیکن وہ پھر بھی پلنگ کے نیچے مصلے ہی پر نماز ادا کرتے رہے، وصال سے چار روز قبل میاں مکارم صاحب عیادت کے واسطے تشریف لائے تو ان سے دریافت کیا کہ لفظ "ہو" اسمائے الٰہی سے ہے یا نہیں، انہوں نے فرمایا کہ اکثر علماء سلف اس کے قائل ہیں کہ "ہو" اسمائے الٰہی سے ہے بلکہ اسم اعظم ہے۔ کتاب اخبار الاخیار میں بھی اس کا ذکر ہے۔ میاں مکارم نے اس استفسار کا سبب پوچھا تو کہا کہ شدت نفس اور دل کی دھڑکن کی وجہ سے لفظ "اللہ" کی بجائے لفظ "ہو" آسانی سے ادا ہو سکتا ہے، اب میں اسی لفظ کو اختیار کرتا ہوں تاکہ آخر وقت میرا ہمدم رہے۔

شب چہارشنبہ چھبیسویں ذیقعدہ کو بے قراری زیادہ ہوگئی چار پانچ خادم ہر وقت سرہانے بیٹھے رہتے تھے، نصف شب گذری تو تین بار بہ تکرار فرمایا کہ خداوندا میں نے بہت تکلیف اٹھائی اپنے فضل وکرم سے میری مشکل کو جلد آسان کردے، دوسرے دن صبح کو نماز فجر سے فراغت کے بعد غش طاری ہوگیا، جب ہوش میں آئے تو محرر سے پوچھا کہ نماز ظہر کا وقت ہوگیا، اس نے کہا کہ ابھی چار گھڑی دن چڑھا ہے، فرمایا مجھے نماز ظہر کی فکر ہے ایسا نہ ہو کہ بے ہوشی کے غلبے میں نماز قضا ہو جائے، اس کے بعد بہ اصرار فرمایا کہ آج سوائے میرے بھائیوں کے اور کوئی شخص میرے پاس نہ آئے، غالباً اس سے یہ مطلب ہوگا کہ اس خضوع و خشوع میں جان کو اپنے خالق بے نیاز کے ساتھ تھا کوئی فتور اور قصور سرزد نہ ہو، مولوی مکارم اور مفتی محمد عیوض صاحب کے فتوے کے مطابق نماز مغرب وعشاء جمع کرکے ادا کی اور دو آدمیوں کو حکم دیا کہ خبردار رہو اگر شدت غش سے میری نماز میں کوئی سہو واقع ہو تو مجھ کو اطلاع دینا تاکہ سجدۂ سہو ادا کرلوں، نواب مستجاب خاں مصنف گلستان رحمت جو اپنے بھائی کی تیمارداری کر رہے تھے انتقال کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں :-

"غروب آفتاب کے قریب بے ہوش ہوگئے، جب بے ہوشی نے طول کھینچا تو ہم سمجھے کہ اب ان کا وقت قریب آگیا، ہم نے ان سے کہا کہ نماز کا وقت ہوگیا، تکلیف تام کے ساتھ آنکھیں کھول کر کہا کہ میرا ہاتھ پانی سے پاک کردو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تیمم کے واسطے مٹی کا ڈھیلا پیش کیا گیا ہر چند چاہا کہ ڈھیلے کو ہاتھ لگادیں مگر ممکن نہ ہوا۔ اپنی دلی قوت سے پھر ارادہ کیا لیکن پھر کامیابی نہ ہوئی، تب ہم نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ڈھیلے پر لگایا اور انہوں نے اس پر اپنا ہاتھ مل کر منہ پر پھیرا، چونکہ ہر لمحہ حالت دگرگوں ہوتی جاتی تھی پھر دوسری مرتبہ ڈھیلے پر ہاتھ نہ پہنچ سکا، میں نے اپنے ہاتھ سے ان کا ہاتھ پکڑ کر ڈھیلے پر ملا لیکن فرط بے قراری اور غلبۂ گریہ وزاری سے تیمم بے ترتیب کرایا، اس پر انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا ہم سمجھ گئے کہ بے ترتیبی کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا چنانچہ ترتیب کے ساتھ تیمم کراکر ان سے کہہ دیا کہ اب تیمم ٹھیک ہوگیا اور انہوں نے نماز مغرب کی نیت باندھی، ہاتھوں کو

پوری قوت کے ساتھ جس کو کہ قوت روحانی کہنا چاہئے کانوں تک لے گئے پھر چھاتی پر لاکر، نماز شروع کی، رکعت اول اچھی طرح ادا کی دوسری رکعت میں لفظ الحمدللہ بآواز بلند زبان سے نکلا اور انتقال فرمایا:۔ انا للہ وانا الیہ راجعون،،

نواب مصطفےٰ خاں نے اپنی یادگار میں کوئی اولاد نہیں چھوڑی، لاولد فوت ہوئے، نواب محبت خاں نے ان کی حسب ذیل تاریخ وفات لکھی ہے:۔

آدم از یافتن جاں برشکر	گشت آمادہ بلفظ الحمد
مصطفےٰ خاں زکفِ ساقیِ موت	خوردہ چوں بادہ بلفظ الحمد
	۱۲۰۳ھ

از میاں جی کریم خاں شاہجہانپوری

مصطفےٰ خاں کہ مرد نماز و نیاز	بر دو سجادہ چوں بطاقِ جناں
بانگ زد دل بمن کہ تاریخش	ھُو قد مات فی الصلوٰۃ بخواں
	۱۲۰۳ھ

از حکیم احمداللہ ساکن گڈھ مکتیسر

افسوس و لاکہ مصطفےٰ خاں	در کہف بقا گزید عزلت
تاریخ وفات گفت ہاتف	در حال نماز کرد رحلت
	۱۲۰۳ھ

۱۲ — نواب محمد عمر خاں

حافظ الملک کی شہادت کے وقت چودہ سال اور چند ماہ کے تھے، باون سال چار مہینے اور زندہ رہ کر روز دوشنبہ پچیسویں جمادی الثانی سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق سنہ ۱۸۲۴ء بہ عمر سرسٹھ ۶۷ سال وفات پائی اور بریلی میں اپنے مکان کے پائین باغ میں دفن ہوئے ان کو علاوہ اراضیات معافی اور دیہات استمرار ایک ہزار تین سو ترسٹھ روپیہ سالانہ سرکاری خزانہ سے ملتا تھا۔

نہایت حلیم و شریف، بردبار و باوقار اور صاحب فتوت و مروت تھے، ان کا ظاہر و باطن، لطف عمیم، خلق عظیم اور شان تہذیب سے آراستہ تھا۔ علم تاریخ سے بہت شغف تھا۔ ابتدائے ریعان بہار شباب سے ان کی کسی وقت کی نماز قضا نہ ہوئی، حافظ محمد یار خاں کی طرح ان کو بھی ہرن کے شکار کا بہت شوق تھا اور برق اندازی میں بڑے باکمال تھے، طریقہ عالیہ قادریہ میں سید علی اکبر المودودی سے بیعت تھے پانچ لڑکے اپنی یادگار چھوڑے[1]۔

---

[1] لارڈ ہیسٹنگز ۱۸۱۴ء میں جب بریلی پہنچا تو نواب محمد عمر خاں اپنے دوسرے بڑے چھوٹے بھائیوں نواب محمد یار خاں، مستجاب خاں وغیرہ کے ساتھ گورنر سے ملنے گئے، اس نے اپنے روزنامچہ مورخہ ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۱۴ء میں لکھا ہے کہ

"نواب محمد یار خاں، علی یار خاں، نواب مستجاب خاں اور عمر خاں متعدد نوجوانوں اور اپنے لڑکوں کے ہمراہ ملنے آئے یہ سب روہیلے خوش رو اور خوش لباس تھے۔"

سلسلۂ نسل نواب محمد عمر خاں
محمد حسین خاں
عبداللہ خاں
عبدالرحمٰن خاں
محمد خاں
سعد اللہ خاں
علی محمد خاں
علی احمد خاں
محمد محسن خاں
محمد احسن خاں
اسد اللہ خاں
خلیل اللہ خاں
محمد حسن خاں
حامد حسن خاں
علیم اللہ خاں
مسیح اللہ خاں
روح اللہ خاں
احمد اللہ خاں
ولی احمد خاں
نبی احمد خاں
سعید احمد خاں
وحید احمد خاں
حمید احمد خاں
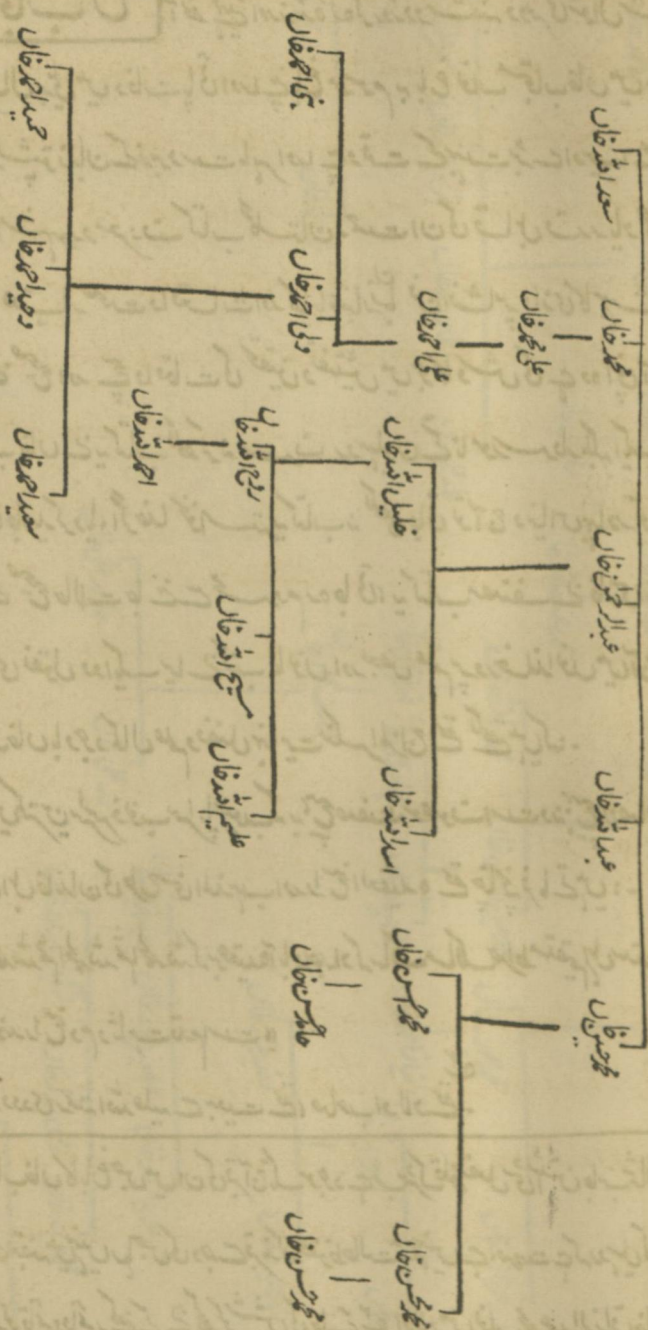
نواب مستجاب خاں[۱۳]

حافظ الملک کی شہادت کے وقت تیرہ سال اور چند ماہ کے تھے، ساٹھ سال آٹھ مہینے اور زندہ رہ کر روز دوشنبہ دوسری شوال ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء بعمر چوہتر سال بریلی میں وفات پائی اور اپنے باغ موسوم بہ باغ نواب مستجاب خاں میں دفن ہوئے[۱]۔ عربی فارسی، اور پشتو زبان کے زبردست ماہر اور اپنے وقت کے بہت بڑے ادیب تھے، حافظ الملک کے حالات میں مشہور و معروف کتاب گلستان رحمت ان کی قابل قدر یادگار ہے، یہ بیش بہا کتاب کیا باعتبار صحت واقعات اور کیا باعتبار زبان فن انشاپردازی کا بہترین نمونہ ہے مصنف نے صحیح اور سچے واقعات کی تحقیق و تفتیش میں جو کاوش کی ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے نواب مستجاب خاں نے یہ کتاب لکھ کر نہ صرف روہیلوں کے نامور سردار بلکہ ایک پوری کی پوری قوم کو زندۂ جاوید کر دیا، اگر خدا نخواستہ یہ کتاب نہ لکھی جاتی تو آج دنیا اس بہادر قوم اور ان کے سرفروش سرداروں کے صحیح حالات جاننے سے محروم رہ جاتی، یہ کتاب مصنف نے فارسی زبان میں لکھی تھی، جس کی کچھ قلمی نقول دو ایک پرانے کتب خانوں اور بعض علم پرور خاندانوں میں آج تک محفوظ ہیں۔

نواب مستجاب خاں باوجود کمال علم و فضل بہایت منکسر المزاج تھے لکھتے ہیں کہ:۔

"این کمترین سراسر ذنوب سراپا عیوب کہ بہ ہیچ صفت موصوف است و نہ بہ ہیچ اوصاف معروف"

اپنے دوسرے اہل خاندان کی طرح سنی المذہب اور راسخ العقیدہ تھے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"الحمد للہ ثم الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ بر عقیدہ آبا و اجداد کہ سالک مسالک صراط مستقیم اہل سنت و جماعت بودند راسخ دم و ثابت قدم است"

سید علی اکبر مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، صاحب اولاد تھے[۲]۔

---

[۱] نواب مستجاب خاں کا باغ جس میں ان کی قبر آج تک موجود ہے لب سڑک قلعہ متصل سٹی اسٹیشن جانب شمال واقع ہے، یہ باغ اب اہل خاندان کے قبضہ میں نہیں رہا جس کی وجہ سے قبر مذکور محفوظ حالت میں نہیں ہے، ضرورت ہے کہ روہیل کھنڈ کے ایک بلند پایہ مورخ کی اس یادگار کو قائم و دائم رکھنے کے لئے کچھ کوشش کی جائے [۲] اولاد میں نواب محمد عبدالرزاق خاں صاحب تصانیف تھے، نعت میں ان کا دیوان موجود ہے۔

سلسلۂ نسل نواب محمد مستجاب خاں
محمد حسن خاں
محمد اسحٰق خاں
محمد کرامت خاں
محمد نعمت اللہ خاں
اکبر علی خاں
علی اکبر خاں
محمد احمد خاں
حامد علی خاں
محمد رحمت اللہ خاں
محمد عبد الرزاق خاں
محمد ایوب خاں
محمد معین الدین خاں
محمد شرافت خاں
حامد علی خاں
سلطان محمد خاں
ہزبر علی خاں
سردار محمد خاں
نیاز احمد خاں
علی بہادر خاں
بہادر علی خاں
اشرف علی خاں
علی حیدر خاں
امیر حیدر خاں
یوسف علی خاں
نبی احمد خاں
زر محمد خاں
وزیر حیدر خاں
نصیر حیدر خاں
عزیز حیدر خاں
بصیر حیدر خاں
وحید حیدر خاں
تہور علی خاں
دلاور علی خاں
محمد حیدر خاں
وصی حیدر خاں
شکیل حیدر خاں
اختر حسین خاں
محمد حسن خاں

۱۴
نواب محمد اکبر خاں

حافظ رحمت خاں کے برادر حقیقی تھے اپنے والد کی شہادت کے وقت بارہ سال اور چند مہینے کے تھے اور ان کے بعد اٹھاون سال نو مہینے زندہ رہے، سہ شنبہ کے روز چھٹی ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو اکہتر سال کی عمر میں انتقال کیا اور رام پور میں دفن ہوئے علاوہ ان مواجب کے جو ریاست رام پور سے ان کو وصول ہوتے تھے مبلغ ایک ہزار سات سو چھہتر روپیہ سالانہ وثیقہ اضافۂ وظیفہ کے وقت سے خزانہ بریلی سے ملتا تھا۔

بہت متقی و پرہیزگار، مناہی شرعیہ سے بیزار اور افعال شنیعہ سے متنفر تھے، آغاز جوانی سے آخر عمر تک صوم و صلوٰۃ کے نہایت پابند رہے۔

فن انشاپردازی میں بہترین خطوط نویسی کرتے تھے، خط شکست کے بہت بڑے ماہر تھے طریقہ قادریہ میں حافظ شاہ جمال اللہ صاحب سے جو رام پور میں مدفون ہیں بیعت تھے، نواب محمد اکبر خاں نے دو صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے۔

———— (×) ————

سلسلہ نسل نواب محمد اکبر خاں

- محمد عطا خاں
  - محمد رضا خاں
    - الطاف علی خاں
    - رضا علی خاں
    - کفایت علی خاں
    - ہادی علی خاں
    - مصطفےٰ علی خاں
- محمد ضیا خاں
  - محمد مجتبیٰ خاں
    - محمد رضا خاں
  - تجمل علی خاں
  - منعم علی خاں
  - مختار علی خاں

حافظ الملک کی نو صاحبزادیاں
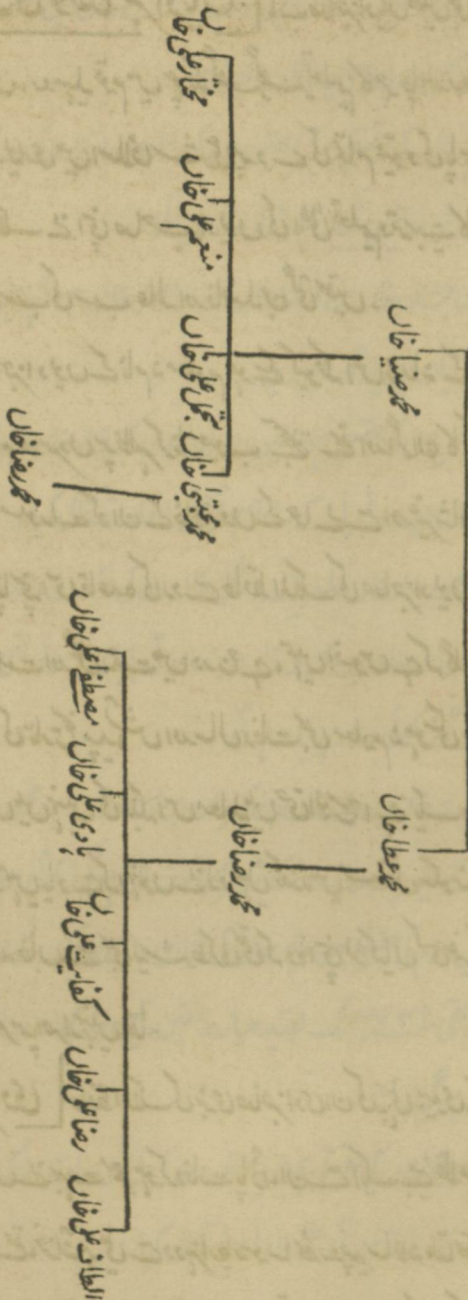
چودہ نامور صاحبزادوں کے علاوہ حافظ الملک مرحوم کی نو عفت مآب صاحبزادیاں تھیں جو اپنے باکمال بھائیوں کی طرح زیور علم سے آراستہ تھیں، روہیلہ قوم میں چونکہ گھر گھر تعلیم کا چرچا اور رواج تھا، بڑی بڑی عالمہ فاضلہ استانیاں مکانوں کی چہار دیواری میں اسلامی شرعی پردے کی تمام قیود کی پابندی کر کے درس دیا کرتی تھیں اس لئے حافظ الملک نے اپنی صاحبزادیوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بھی بہترین انتظام کیا تھا اور ان کی یمن توجہ سے سب کی سب عالمہ اور فاضلہ بن گئی تھیں۔

ان صاحبزادیوں کے نام نہ معلوم ہو سکے کیونکہ اس زمانہ کے انتہائی غیرت مند لوگ اپنی مستورات اور لڑکیوں کے نام دوسروں پر ظاہر کرنا معیوب سمجھتے تھے اور اگر ان کا کچھ پتہ نشان دینے کی ضرورت ہوتی تو شادی شدہ مستورات کو ان کے خاوندوں کے حوالے سے اور غیر شادی شدہ کو ان کے والدین کے سلسلے سے ظاہر کرتے، چنانچہ اسی قاعدہ کی رو سے حافظ الملک کی صاحبزادیوں کا حال بھی ان کے خاوندوں کی نسبت سے گلستانِ رحمت اور گل رحمت میں درج ہے، ہمیں افسوس ہے کہ گلستان رحمت یا کسی دوسری کتاب سے کسی صاحبزادی کی تاریخ پیدائش اور سال وفات بھی معلوم نہ ہو سکی۔ حافظ الملک نے صاحبزادیوں کی شادی کبھی غیر کفو لوگوں میں نہیں کی بلکہ اس معاملہ میں حتی الوسع اپنے یک جدی افراد خاندان کو ترجیح دیتے تھے، اسی بناء پر ہمیں یاد ہے کہ انہوں نے روہیل کھنڈ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کا وعدہ کرتے وقت نواب علی محمد خاں سے بھی یہ شرط کرلی تھی کہ وہ اپنی لڑکیاں کسی غیر کو نہیں بیاہیں گے، لڑکوں کی شادی میں انہیں اس امر پر اصرار نہیں تھا۔

پہلی صاحبزادی

حافظ الملک کی بڑی صاحبزادی ان کی پہلی بیوی کے بطن سے افغانستان میں پیدا ہوئی تھیں انہوں نے بہت معمر ہو کر وفات پائی، ان سے ایک بیٹے غلام محی الدین خاں پیدا ہوئے جو قصبہ سرولی میں رہتے تھے، خزانۂ بریلی سے دو ہزار چار سو ساٹھ روپیہ سالانہ ملتا تھا، ان کے شوہر نامدار خان ابن نعمت خاں ابن حسن خاں ابن محمود خاں المعروف بہ موتی بابا حافظ الملک کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے دوسری شادی نہیں کی۔

دوسری۲ صاحبزادی | دوسری صاحبزادی بھی مذکورۂ بالا ولایتی بیوی ہی سے پیدا ہوئی تھیں، انہوں نے بہت عمر پائی۔ فتح اللہ خاں ابن نواب دوندے خاں ابن حسن خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کے ساتھ شادی ہوئی تھی کوئی اولاد اپنی یادگار نہ چھوڑی۔

تیسری۳ صاحبزادی | حافظ محمد یار خاں کی حقیقی ہمشیرہ تھیں، ان کی شادی حافظ الملک کے بھانجے سید محمد خاں کے ساتھ ہوئی تھی انہوں نے دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑ کر وفات پائی۔

چوتھی۴ صاحبزادی | ان کی شادی جشان خاں ابن مبارز خاں ابن شادی خاں ابن شہزاد خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کے ساتھ ہوئی تھی، چند لڑکیاں اپنی یادگار چھوڑیں۔

پانچویں۵ صاحبزادی | نواب محمد عمر خاں کی حقیقی بہن تھیں ان کی شادی اکبر شاہ خاں ابن مہر خاں ابن شاہ مردان خاں ابن آزاد خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کے ساتھ ہوئی تھی لاولد انتقال کیا۔

چھٹی۶ صاحبزادی | ہمشیرہ نواب محمد دیدار خاں المعروف بہ منگل خاں ان کی نسبت احمد خاں المشہور بہ کلو خاں بن شہامت خاں بن خالد خاں بن حسن خاں بن محمود خاں عرف موتی بابا سے ہوئی تھی احمد خاں حافظ الملک کی شہادت کے دو سال بعد انتقال کر گئے، کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔

ساتویں۷ صاحبزادی | رن مست خاں ابن بلند خاں ابن اکبر خاں ابن آزاد خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کی اہلیہ تھیں حافظ الملک کی شہادت کے تیسرے سال ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا، کوئی اولاد نہ تھی۔

آٹھویں۸ صاحبزادی | ہمت خاں مرحوم کی حقیقی بہن تھیں، ان کی شادی حافظ الملک کے بھانجے خان محمد خاں کے لڑکے شاہ محمد خاں کے ساتھ ہوئی تھی ۱۲۴۹ھ تک بقید حیات تھیں، تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں لڑکیوں کا انتقال ان کی زندگی ہی میں ہو گیا۔

نویں۹ صاحبزادی | نواب غلام مصطفٰی خاں کی حقیقی ہمشیرہ تھیں ان کی شادی حافظ الملک کی شہادت کے بعد ملک احمد خاں ابن ملک سید خاں کے ساتھ ہوئی تھی لاولد انتقال کیا۔

حافظ الملک کی دو بہنیں

حافظ الملک کی ایک ہمشیرہ عنبر شاہ خاں کو بیاہی تھیں جن کے بطن سے ایک صاحبزادے مسمیٰ بہ حضرت شاہ خاں پیدا ہوئے ۔

دوسری ہمشیرہ "جو بی بی صاحبہ" کے نام سے موسوم تھیں اپنے بھائی کی حیات ہی میں بیوہ ہوگئی تھیں نہایت مذہبی اور خود دار تھیں، جب ان کے پانچوں فرزند مسمیان خان محمد خاں، سید محمد خاں، امیر محمد خاں، احمد خاں اور محمد خاں جنگ کٹرہ سے صحیح وسالم مکان پر واپس آئے تو انہیں دیکھ کر بجائے خوش ہونے کے بہت غضبناک ہوئیں اور فرمایا کہ :۔

"تم اپنے اس ماموں کو جس نے مثل فرزندوں کے تمہیں پرورش کیا معرکہ جنگ میں قتل کرا کر پانچوں زندہ اور صحیح وسالم میرے سامنے آئے ہو، کیوں نہیں تم میں سے کوئی ان کے ساتھ مارا گیا؟ نہایت شرم وافسوس کی بات ہے میرے سامنے سے چلے جاؤ خدا نے چاہا تو تازیست میں تمہاری صورت نہ دیکھوں گی"۔

چنانچہ ایسا ہی کیا جب تک حیات رہیں کسی فرزند کی صورت نہ دیکھی اور اپنے تمام مال ومتاع سے ایک نہایت خوبصورت اور عالی شان مسجد تعمیر کرائی جو آج تک "بی بی جی کی مسجد" کے نام سے محلہ بہاری پور بریلی میں اپنی قدیمی شان وشوکت کے ساتھ قائم ہے اور اپنے بانی کی رفیع الشان سیرت (کیرکٹر) کی گواہی دے رہی ہے۔

مستورات کی زبان

یہ تو ہم لکھ چکے ہیں کہ حافظ الملک کے گھرانے کی تمام مستورات تعلیم یافتہ تھیں، ان کی زبان کی یہ کیفیت تھی کہ ہندوستانی کے علاوہ پشتو اور فارسی بلا تکلف بولتی تھیں گویا کہ یہ ان کے گھر کی زبان تھی اور اب سے پچاس سال پہلے تک ضعیف العمر نواب زادیاں اپنی گفتگو میں پشتو اور فارسی کے الفاظ، فقرے اور اشعار بکمال حسن وخوبی ادا کرتی تھیں، ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ ایک روز نواب سعادت یار خاں مرحوم کی اہلیہ محترمہ جو نواب محبت خاں کی صاحبزادی تھیں اپنے بیٹے نواب عبدالعزیز خاں سے کسی بات پر ناراض تھیں، چنانچہ جب وہ مکان میں تشریف لائے تو فرمایا کہ

کیوں عزیز!

"چہل سال عمر عزیزت گذشت مزاج تو از حال طفلی نگشت

ضمیمہ نمبر ۳

روہیل کھنڈ روہیلہ حکومت کے بعد

ریاست رام پور پر ایک نظر

معاہدۂ لال ڈانگ کی رو سے علاقہ رام پور نواب فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں کو واگذاشت کر دیا گیا تھا۔ ۱۷۹۴ء میں نواب فیض اللہ خاں کا انتقال ہوا، ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے نواب محمد علی خاں مسند نشین ریاست ہوئے لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی سخت گیری کے باعث قتل کردئیے گئے اور ان کے چھوٹے بھائی نواب غلام محمد خاں نے اپنے بھتیجے کا حق غصب کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ ۲۴ر اکتوبر کو ان سے انگریزوں اور اودھ کی فوج سے دریائے سنگھا کے پل کے قریب موضع بھٹورا پر زبردست جنگ ہوئی، سرفراز خاں ڈھوا اور بخو خاں ملند خاں نے بڑی بہادری دکھائی اور نواب صاحب کو شاندار فتح نصیب ہوئی مگر دو جوڑا کے مقام پر دوبارہ لڑائی میں شکست فاش اٹھانی پڑی اور ان کو بنارس میں نظر بند کر کے بھیج دیا گیا۔

نواب غلام محمد خاں کی نظر بندی کے بعد حق دار ریاست نواب احمد علی خاں مسند نشین ہوئے، انہیں کے عہد حکومت میں ریاست رام پور براہ راست انگریزی حکومت کے زیر نگیں آئی، انہوں نے ۴۶ سال حکومت کر کے ۱۸۴۰ء میں انتقال کیا، نواب احمد علی خاں کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے ان کے بعد ان کے چچا زاد بھائی نواب محمد سعید خاں بہادر ابن نواب غلام محمد خاں جو بدایوں میں ڈپٹی کلکٹر تھے نواب بنائے گئے ۱۸۵۵ء میں نواب محمد سعید خاں نے انتقال کیا اور نواب یوسف علی خاں مسند نشین ہوئے ان کی مسند نشینی کے دو برس اور دو ماہ بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہوئی نواب صاحب اس جنگ میں انگریزی حکومت کے وفادار[1] رہے اور بہت امداد

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو تاریخ کاملان رام پور، از منشی احمد علی خاں شوق رام پوری اور اخبار الصنادید از منشی نجم الغنی خاں رام پوری۔

کی جس کی بنا پر جنگ ختم ہونے کے بعد برٹش گورنمنٹ نے بطور شکر گزاری ایک سو چھیالیس مواضعات کا علاقہ عطا کیا اور خطاب فرزندِ دل پذیر دولتِ انگلیشیہ سے سرفراز کیا۔ نواب یوسف علی خاں کا ۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا اور ان کے بعد کلب علی خاں حکمرانِ ریاست ہوئے، نواب کلب علی خاں رام پور کے نہایت ہردلعزیز اور حد درجہ مشہور نواب گزرے ہیں ان کی دینداری، علم دوستی، بیدار مغزی، عدل پروری اور اہلِ کمال کی قدردانی کے واقعات آج تک زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ ۱۸۸۷ء میں نواب مشتاق علی خاں صاحب بہادر مسند نشین ریاست ہوئے ان کے عہد میں جنرل اعظم الدین خاں مدار المہام ایک مشہور و معروف شخص گزرے ہیں جن کی کوشش سے انتظاماتِ ریاست میں بعض اہم اصلاحات ظہور میں آئیں، نواب مشتاق علی خان بہادر عرش آشیاں نے صرف ستائیس ۲۷ ماہ حکومت کر کے ۲۵ فروری ۱۸۸۹ء کو انتقال کیا اور ان کے فرزند نواب حامد علی خاں بہادر ان کے جانشین ہوئے، نواب صاحب کا ابتدائی دورِ حکومت جنرل اعظم الدین خاں کے کارناموں سے مشہور ہوا جب جنرل صاحب گولی سے مارے گئے اور نواب صاحب بخوبی سن تمیز کو پہنچ گئے تو خود نواب صاحب کی شخصیت کو فروغ حاصل ہوا، انہوں نے اکتالیس سال نہایت کروفر کے ساتھ حکومت کی، ریاست کی رونق و خوبصورتی بڑھانے کے لئے کروڑوں روپیہ کی عمارتیں بنوائیں، علمی اداروں اور اہلِ علم کی سرپرستی و قدردانی میں لاکھوں روپیہ صرف کیا۔ بہت بیدار مغز اور عالی دماغ حکمراں تھے۔ ۲۰ جون ۱۹۳۰ء کو انتقال فرمایا۔ ان کے جانشین ہز ہائی نس نواب رضا علی خاں ہوئے ۱۹۴۷ء میں پاک و ہند کی آزاد مملکتوں کے قیام کے بعد دوسری ریاستوں کی طرح ریاست رام پور بھی ختم ہو گئی۔

اس کتاب کی تالیف و ترتیب سے قبل اور اس کے بعد خاکسار مؤلف کو رام پور کو بچشم خود دیکھنے کا موقع ملا ہے، نہایت شاندار اور پرفضا مقام ہے، پختہ بازار اور عالیشان سرکاری عمارات قابلِ دید ہیں لیکن صاف و شفاف شاہراہوں اور بارونق بازاروں میں سے گذر کر جب مسلمان غریبوں کے محلوں میں جانے کا اتفاق ہوا تو ان کی حالت ناگفتہ بہ پائی، غلیظ گلیاں اور زیادہ تر شکستہ مکانات نظر پڑے، زن و مرد عوام کے کپڑے میلے کچیلے اور ان کے چہرے پژمردہ پائے، برعکس اس کے ہندو آبادی کو عام طور پر متمول اور خوش حال دیکھا۔ آخری حکمراں اور ان کے چیف منسٹر کرنل سید بشیر حسین زیدی نے اقتضائے وقت کے لحاظ سے صنعتی ترقی کے سلسلہ میں خاص توجہ کی

ترقی تعلیم کا بھی بہت کام ہوا۔ ہز ہائی نس رضا علی خاں بہادر نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور اضلاع روہیل کھنڈ و لکھنؤ کے تعلیمی اداروں کی خاطر خواہ مالی امداد فرمائی، آپ عرصہ تک مسلم یونیورسٹی کے پرو چانسلر رہے۔

روہیل کھنڈ عہد شاہان اودھ میں

شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ فتح کر کے نواب سعادت علی خاں کو بریلی کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن آصف الدولہ تخت نشین ہوئے تو انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بھائی کو معزول کر کے بنارس میں نظر بند کر دیا اور اپنے خسر صورت سنگھ کو ان کے بجائے گورنر بنایا۔ ۱۷۸۸ء میں نواب وزیر اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ کی رو سے تجارتی مال کی درآمد پر از سر نو محصول قائم کیا گیا، حافظ الملک مرحوم کی اس اہم اصلاح کا جس کی وجہ سے سرزمین روہیل کھنڈ بہت بڑی تجارت گاہ ہو گئی تھی خاتمہ کر دینے سے دیسی تجارت کو بہت نقصان اور انگریزی تجارت کو غیر معمولی فائدہ ہوا، اس معاہدہ کی یادگار میں ایک نیا سکہ ۳۰ جولائی ۱۷۸۸ء کو آصف آباد (بریلی) میں چلایا گیا۔ یہ سکہ مسٹر ایچ نیلسن رائٹ ڈسٹرکٹ جج کے پاس موجود تھا۔

۱۷۹۴ء سے ۱۷۹۸ء تک شمالی روہیل کھنڈ میں نیپالیوں کے پے در پے حملوں کی وجہ سے مسلسل چار سال تک سخت بے چینی رہی۔

نواب آصف الدولہ اور ان کے جانشین نواب سعادت علی خاں کے عہد حکومت میں روہیل کھنڈ میں عام طور پر بدامنی اور بدنظمی کا دور رہا۔

روہیلوں کے زمانہ میں مخلوق کو جو آسائش و آرام نصیب تھا اس کا خاتمہ ہو گیا تھا اور زراعت و تجارت برباد ہو گئی تھی، مسٹر ٹیننٹ نے ۱۷۹۹ء میں براہ چندوسی، بسولی، آنولہ، علی گنج، بریلی اور فرید پور روہیل کھنڈ کا سفر کیا تھا انہوں نے اپنے مشاہدات سفر کو اس طرح بیان کیا ہے کہ: "گزشتہ بیس سال کے عرصہ میں یہ عمدہ علاقہ بالکل ویران ہو گیا ہے اور حالانکہ نئی کاشت کے ہر جگہ کچھ آثار پائے جاتے ہیں لیکن آبادی بہت کم ہو گئی ہے لاتعداد شکستہ اور غیر آباد مکانوں کے تکلیف دہ مناظر سامنے ہیں، کھیتوں کو جنگلی جانوروں نے اپنا مسکن بنا لیا ہے اور صنعت و تجارت کا انتہائی زوال ہو گیا ہے۔ یہ صورت حال اس وجہ سے بھی ہے کہ قریب قریب تمام روہیلے اودھ گورنمنٹ کی بدنظمی سے تنگ آ کر ملک بدر ہو گئے ہیں"۔

شاہان اودھ کے عہد حکومت میں اہل تشیع حضرات کی مہذب و ذی علم آبادی کا کافی اضافہ ہوا۔
روہیل کھنڈ کے ہر ایک ضلع میں ہمارے ان بھائیوں کے مشہور خاندان آکر سکونت پذیر ہو گئے اور حکومت
کی جانب سے ان کو معقول زمینداریاں اور جاگیریں عطا کی گئیں، بریلی میں حسین باغ، گندری کی مسجد او
(آصف الدولہ کا) کالا امام باڑہ وغیرہ اس عہد کی مشہور یادگاریں ہیں۔

روہیل کھنڈ عہد انگلیشیہ میں

۱۸۰۱ء میں جب حکومت اودھ پر برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے قرض کا بار
ناقابل ادائگی ہو گیا اور ساتھ ہی عاملان کمپنی نے یہ محسوس کیا کہ اودھ والے روہیل کھنڈ جیسے زرخیز خطۂ زمین
پر حکومت کرنے کے اہل ثابت نہیں ہوئے ہیں تو اپنا یہ فرض سمجھا کہ روہیل کھنڈ کی عنان حکومت خود ہی
اپنے ہاتھ میں لے لیں اور بنگال و بہار کی طرح اس سرزمین پر بھی اپنی آسمانی حکومت، کی برکات کی ضوفشانی
کریں اور یہاں کی رہنے بسنے والی مخلوق پر احسان فرمائیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نواب سعادت علی خاں بہادر والی اودھ جو نواب آصف الدولہ کے انتقال
کے بعد مسند حکومت پر برسر اقتدار ہوئے تھے پہلے ہی سے اس بار امانت کو اپنے نازک کاندھوں سے اتار پھینکنے
کو تیار بیٹھے تھے، انہوں نے فوراً اس روہیل کھنڈ کو جسے داؤد خاں، نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں
نے اپنے خون سے سینچا تھا اور جسے شجاع الدولہ نے اپنی جان دیکر حاصل کیا تھا بلا پس و پیش اور بغیر کسی خفیف
سی مزاحمت کے عطائے تو بلقائے تو کہہ کر اپنے انگریز مہربانوں کو حوالے کر دیا۔

انگریزی حکومت کے دو دور

روہیل کھنڈ میں حکومت انگریزی کے دو دور گزرے ہیں ایک ۱۸۰۱ء سے
۱۸۵۷ء تک جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی صاحب اختیار رہی اور دوسرا وہ جو ایام
جنگ آزادی میں دس ماہ کے لئے روہیلہ حکومت کے دوبارہ قیام و اختتام کے بعد شروع ہوا۔

پہلا دور

انگریزوں نے روہیل کھنڈ پر قبضہ و تصرف حاصل کرتے ہی پوری تندہی کے ساتھ اپنے آپ کو جدید
طرز کے ترقیاتی کاموں میں مصروف کر دیا اور مخلوق کو مغربی تہذیب و ترقی کی راہ پر ڈالنے کی جدوجہد شروع
کر دی۔

قحط

انگریزی حکومت کے دو تین ہی سال کے قلیل عرصہ میں اس سرزمین میں پہلی مرتبہ ایک سخت قحط پڑا جس

سے مخلوق پر بہت تباہی آئی، قحط سے نجات ملی تو ۱۸۰۵ء میں امیر خاں نے حملہ کیا اور وہ پیلی بھیت تک لوٹ مار کرتا ہوا چلا گیا، امیر خاں سے فرصت ہوئی تو تحصیل بیل پور کے زمینداروں نے زبردست ہنگامہ برپا کیا جو بمشکل ایک سال میں فرو ہو سکا، اس ہنگامہ کے بعد ۱۶-۱۸۱۳ء میں نیپالیوں سے ہولناک لڑائیاں ہوتی رہیں جس میں انگریزوں کی پے در پے شکستوں نے پٹھانوں کے دلوں سے ان کا خوف زائل کر دیا اور وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے، صرف کسی بہانہ کی ضرورت تھی سو وہ اس طرح ہاتھ لگا کہ۔

مفتی گردی ۱۸۱۶ء | ۱۸۱۴ء کے ریگولیشن ۱۶ء کی رو سے گورنمنٹ نے ہاؤس ٹیکس کا قاعدہ جاری کیا تھا۔ ۱۸۱۶ء میں اس قاعدہ پر عمل درآمد شروع ہوا تو ایک آگ سی لگ گئی، بریلی میں لوگوں نے اپنا تمام کاروبار بند کر دیا اور گروہ در گروہ احتجاج کرنے کے لئے کچہری میں جمع ہو گئے، مفتی محمد عیوض صاحب[1] نے جو بہت ضعیف العمر مگر انتہائی دلیر اور حد درجہ مقدس شخص تھے، اس گروہ کی رہنمائی اختیار کی، اور مسٹر ڈمبلٹن کلکٹر کے سامنے مخلوق کی شکایات پیش کیں، لیکن مسٹر ڈمبلٹن نے نہ صرف اپنا حکم منسوخ کرنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ ٹیکس کی وصولیابی کا کام ہندو کوتوال شہر کے سپرد کر دیا جو بہت سخت گیر تھا اور ہندو مسلم اہالیان شہر یکساں طور پر اس سے بے انتہا نالاں تھے ۱۶ اپریل ۱۸۱۶ء کو ہندو مسلمانوں کا ایک جم غفیر شہر کی سڑکوں پر جمع تھا کہ کلکٹر ضلع کچھ فوجی سپاہیوں کے ساتھ شہر میں آیا، لوگ اسے دیکھ کر منتشر ہونے لگے، مگر جب اس کا مفتی صاحب کے مکان کے پاس سے گزر ہوا تو اس پر حملہ کیا گیا، کلکٹر کے ساتھیوں نے جواب میں گولی چلائی اور کچھ آدمی مارے گئے، اس دار و گیر میں مفتی صاحب اپنے مکان سے نکل کر حسین باغ چلے گئے، وہاں جا کر انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا علم سبز بلند کیا، آناً فاناً بکثرت ہتھیار بند مسلمان ان کے گرد اکٹھے ہو گئے اور دو روز کے قلیل عرصہ میں پیلی بھیت، رام پور اور شاہجہاں پور سے ہزاروں آدمی ان سے آ کر مل گئے یہاں تک کہ پانچ ہزار مسلح اشخاص کی ایک باقاعدہ فوج تیار ہو گئی، مسٹر ڈمبلٹن مجسٹریٹ ضلع نے بھی گرد و نواح سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک معقول فوج جمع کی، لڑائی سے پہلے مصالحت کی کچھ گفت و شنید ہوئی، اہالیان شہر نے ہاؤس ٹیکس کی منسوخی

---

[1] نواب صدیق حسن خان صاحب قنوجی ثم بھوپالی و لکھنوی مفتی صاحب کے نواسے تھے۔

اور کوتوال کو ان کے حوالے کئے جانے کے مطالبے کئے جو نامنظور کئے گئے، اس پر ۲۱ اپریل ۱۸۱۶ء کو مجاہدین نے مسٹر لیسٹر جج کے لڑکے کو مار ڈالا اور انگریزی فوج پر دھاوا کر کے اسے شکست دی مگر یہ لوگ کپتان کننگھم کی مراد آباد سے آئی ہوئی فوج کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکے، شہر کہنہ میں متصل مزار شاہدانہ ولی بہت بڑی لڑائی ہوئی طرفین کا کافی کشت و خون ہوا اور انجام کار مجاہدین کو شکست ہو گئی۔

مفتی محمد عیوض صاحب اور بعض دوسرے سربرآوردہ لوگ ریاست ٹونک میں چلے گئے اور انگریزوں کا شہر پر از سر نو تسلط ہو گیا۔

اسی ہنگامہ کے بعد کنٹونمنٹ میں ایک قلعہ بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن آگے چل کر یہ قلعہ نہایت چھوٹا ثابت ہوا اور اس سے کبھی کوئی خاص کام نہ لیا جا سکا۔

۱۸۳۷ء کا ہندو مسلم فساد ۱۸۳۷ء میں اس سرزمین کا امن پھر خطرہ میں پڑ گیا لیکن اس مرتبہ جو ہنگامہ ہوا وہ گورنمنٹ کے خلاف نہ تھا بلکہ روہیل کھنڈ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے جدا ہو کر اور اپنی اپنی مذہبی ٹولیاں بنا کر آپس میں دست و گریبان ہو گئے یہ پہلا فرقہ وارانہ فساد تھا جو واقع ہوا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اتفاق سے بریلی میں محرم اور رام نومی کے تیوہار ایک ہی تاریخ میں پڑ گئے تھے، ہندو مسلمانوں کے آپس میں بھڑ جانے کا اس سے بہتر موقع اور کونسا ہو سکتا تھا۔ مسٹر کلارک مجسٹریٹ ضلع تھا، اس کی کوشش سے وقتی طور پر ہنگامہ فرو ہوا لیکن عارضی سکون کے بعد جب ایک مسلمان دری باف نے چودھری بسنت رائے کو جن کے یہاں سے عہد آصف الدولہ میں محرم کے جلوس اور عہد انگلشیہ میں رام نومی کے جلوس نکلا کرتے تھے مار ڈالا تو صورت حال قابو سے باہر ہو گئی اور ہندو مسلمان آپس میں خوب لڑے۔

پھر قحط بدقت فرقہ وارانہ فساد فرو ہوا تو اسی سال پھر قحط پڑا یہ قحط اتنا سخت تھا کہ مخلوق اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے لوٹ مار اور ڈکیتی تک کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ۱۸۳۸ء میں قحط سے نجات ملی اور ۱۸۵۷ء تک کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء روہیلہ حکومت کا دوبارہ عارضی قیام

مشہور ہے کہ ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کو برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجوں نے جب بریلی، مرادآباد، شاہجہاں پور اور بجنور میں بغاوت کی تو اس ہنگامہ سے ایک روز قبل مسٹر الگزینڈر کمشنر نے بریلی میں خان بہادر خاں سے جو خاندان حافظ الملک میں بہت معزز تھے کہا کہ

"امروز و فردا! میں یہاں بلوہ ہونے والا ہے، چونکہ یہ ملک آپ لوگوں کا موروثی ہے آپ اس کا بندوبست کیجئے!" (تاریخ سلیمانی)

خان بہادر خاں نے اس وقت تو انکار کر دیا لیکن جب واقعی بلوہ ہو گیا اور کمشنر نیز دوسرے انگریزی حکام اپنی اپنی جان بچا کر نینی تال چلے گئے تو انہوں نے مدار علی خاں اور بخت خاں[1] وغیرہ کے اصرار سے نیز غالباً اس خیال سے کہ اُن سے تو کمشنر صاحب یہاں کا بندوبست کرنے کے لئے کہہ ہی چکے تھے مسند حکومت روہیل کھنڈ پر متمکن ہونا منظور کر لیا اور حتی الوسع امن و امان قایم رکھنے کی بہت کوشش کی۔ بڑی حد تک کامیابی ہوئی، چنانچہ دور دور سے لوگ بھاگ کر بریلی آتے تھے اور انہیں یہاں پناہ ملتی تھی، خان بہادر خاں کو اس قدر سکون بھی نصیب ہوا کہ وہ دو ایک نئی عمارتیں بنوا سکے، لیکن یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔

۵ مئی ۱۸۵۸ء کو انگریزی فوجوں نے بریلی کا محاصرہ کیا اور ندیا نے نکٹیا پر خان بہادر خاں کی فوج سے دوپہر کامل لڑائی ہوئی، خان بہادر خاں کی طرف سے فیروز شاہ نامی ایک تیموری شہزادے اور اسمٰعیل خاں، ولی داد اور بنڈے میر خاں وغیرہ نے بہت دلیری و جوانمردی دکھائی، لیکن بعد دوپہر انگریزی توپ خانہ کی شدید گولہ باری کی وجہ سے مجاہدوں کو شکست ہو گئی، خان بہادر خاں کو پسپائی اختیار کرنی پڑی اور وہ اپنے چند ہمراہیوں کے

---

[1] جنرل بخت خاں بڑا نامی گرامی جرنیل تھا وہ بریلی بریگیڈ کے ساتھ دہلی گیا، جہاں اس نے عظیم الشان جنگی کارنامے انجام دئے، بخت خاں کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھو ۱۸۵۷ء کے ہیرو از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی (ملنے کا پتہ انیس المعارف الحق منزل عثمانیہ کالونی۔ بی۔ روڈ ناظم آباد۔ کراچی)

ساتھ نیپال کے پہاڑوں پر چلے گئے۔ ۶ مئی ۱۸۵۸ء کو مشرق و مغرب کی جانب سے انگریزی فوجوں نے شہر میں داخل ہو کر قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا اور اہالیان شہر کی وہ مشہور "بھاگڑ" واقع ہوئی جس کی دردانگیز یاد آج تک لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے۔[1]

۱۸۵۹ء میں زیر دامن کوہ نیپال خان بہادر خاں ایک لڑائی میں پشت اسپ سے گر کر گرفتار ہوئے اور لکھنؤ لائے گئے، جس وقت چیف کمشنر کے سامنے پیش ہوئے تو زمین پر بیٹھ گئے اور کہا کہ

"مدتوں کرسی پر بیٹھے اب قیدیوں کی جگہ بیٹھنا چاہئے"

لیکن چیف کمشنر نے نہ مانا اور کہا:۔

"نواب صاحب آپ کرسی پر بیٹھیں"

خان بہادر خاں نے انکار کیا اس پر اس نے ان کی بغلوں میں ہاتھ دلوا کر کرسی پر بٹھایا، وقتِ بازپرس خان بہادر خاں نے تقریر مردانہ و امیرانہ کی خوشامد و لجاجت سے کام نہیں لیا، مثلاً کہا کہ:۔

"میں نے از خود بغاوت پر کمر نہیں باندھی فوج سرکار انگریزی باغی ہو گئی اور جو جس ملک کا دعویدار تھا اس کو رئیس گردانا، چونکہ بریلی، شاہجہاں پور اور پیلی بھیت وغیرہ یعنی روہیل کھنڈ ہمارا ملک موروثی تھا اس وجہ سے بخت خاں اور جملہ رعایا نے مجتمع ہو کر مجھکو مسند نشینِ ریاست کیا میں نے بلوہ کرایا اور نہ کسی انگریز زن و بچہ کو قتل کیا، جس وقت آپ صاحبان نے فوج کے ظلم سے مجبور ہو کر ملک چھوڑ دیا تب میں نے اپنا قبضہ کیا باقی بلوائیوں کی روک تھام اس دم میرے اختیار میں نہ تھی، انہوں نے جو چاہا سو کیا، بعد ازاں لڑائیاں جا بجا سر میدان میری اور آپ کی فوج سے البتہ ہوئیں، ان میں طرفین کا کشت و خون ہوا اس میں میری

---

[1] بریلی و روہیل کھنڈ کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور نواب خان بہادر شہید کے ولولہ انگیز محققانہ حالات میں سید مصطفٰے اعلی بریلوی نے ابھی حال میں ایک کتاب لکھی ہے ملنے کا پتہ "آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس متصل سرسید گرلس کالج ناظم آباد کراچی"

نواب خان بہادر خاں شہید
والی روہیلکھنڈ ۱۸۵۷ء

میری کیا خطا ہے عروس ملک کسے در کنار گیرد تنگ ۔ کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار زند

اب میں آپ کے بس میں ہوں جو چاہئے میری نسبت حکم دیجئے" (تلخیص سلیمانی)

خان بہادر خاں کو لکھنؤ سے بریلی لاکر کوتوالی کے سامنے پھانسی دی گئی، پھانسی دیتے وقت ان سے کہا گیا کہ آپ کو جو بھی کسی کو نصیحت و وصیت کرنی ہو کیجئے جواب دیا کہ مجھکو کسی سے کچھ نہیں کہنا ہے اور چشم پر آب ہو کر یہ شعر زبان پر لائے ؎

بجرم کلمۂ حق می کشند غوغای است ۔ ز مرگ زندگیم می شود تماشائی است

اس روز بریلی میں احتیاطاً تمام انگریزی فوج و توپ خانہ سے شہر کی ناکہ بندی کردی گئی تھی کہ مبادا شورش یا کسی قسم کا فساد برپا ہو جائے، پھانسی کے بعد لاش کو فوج کے مسلمان سپاہیوں نے ڈسٹرکٹ جیل بریلی میں دفن کردیا، خاکسار مولف کے ایک خاندانی بزرگ نے جو دفن کے وقت موجود تھے خان بہادر خاں کی لاش کو قبر میں بغیر کفن رکھتے ہوئے دیکھکر ان کے چہرے پر اپنا رومال ڈال دیا تھا۔

دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا ۔ یکساں نہ کبھی رنگ زمانہ دیکھا + گردش میں تھا جن کے سر پہ چتر زریں ۔ تربت پہ نہ انکی شامیانہ دیکھا

خان بہادر خاں کو اپنے زمانہ حکومت میں شہنشاہ ہند بہادر شاہ ظفر نے خلعت سرفرازی و خطاب "نواب انتظام الدولہ محافظ الملک خان بہادر تنویر جنگ رئیس اعظم روہیل کھنڈ" عطا کیا تھا، انہوں نے اپنی مہر پر "الحکم للّٰہ والملک للّٰہ" کندہ کیا تھا، ایک اور مہر پر یہ سجع کندہ تھا "دستِ کرم خان بہادر بہ ذو الفقار علی"، خان بہادر خاں کی بنائی ہوئی ایک مسجد محلہ بھور بریلی میں مولف کے خاندانی قبرستان سے متصل اچھی حالت میں موجود ہے، خان بہادر خان شاعر بھی تھے اور معروف تخلص تھا، ایک غزل جوان کے حسب حال بھی ہے بطور نمونہ کلام درج ذیل کی جاتی ہے:۔

تا حشر اب خیال نہ میرا کرے گا دل	تو اس کو مل گیا تو وہ کیا کرے گا دل
جان و جگر تو تمام کو باقی نہیں رہے	کیونکر اب اس کی زلف سے سودا کریگا دل
جان و جگر کے واسطے دیکھو گے دوستو	کن کن خرابیوں کو نہ برپا کرے گا دل
لیجائیں گے اڑا کے خریدار مثل بو	جب تک بہ رنگ غنچہ گرہ وا کرے گا دل
شانے کی طرح اور بھی ہوویگا چاک چاک	جیوں جیوں کہ اس کی زلف سنوارا کریگا دل

معروف دیکھ پیری دل نہ کیجیو، میری طرح سے تجھ کو بھی رسوا کرے گا دل[1]

ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے بعد حکومت انگلیشیہ کا دوسرا دور

اواخر ۱۸۵۸ء میں پورے روہیل کھنڈ پر انگریزوں کا تسلط ہوگیا اور اس تسلط کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک۔

۱۸۶۰-۶۱ء، ۱۸۶۹ء، ۱۸۷۷-۷۸ء اور ۱۸۹۶-۹۷ء کی قحط سالیاں اور ۱۸۷۱ء، ۱۸۹۳ء، ۱۹۲۷ء اور بعد ازاں بکثرت ہندو مسلم فسادات پیش آئے جن سے مخلوق کی جان و مال کا کافی نقصان ہوا لیکن آزاد حکومت کے حصول کی کافی [illegible] بھی رہی۔

آج کی حالت | فی زمانہ روہیل کھنڈ کسی علیحدہ ریاست کا نام نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی جداگانہ حیثیت ہے برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ ہندوستان میں جو عظیم الشان سلطنت قائم تھی اس کا ایک صوبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ (یو۔پی۔) اتر پردیش ہے جس کی ایک ڈویژن روہیل کھنڈ ہے؛ بریلی اس ڈویژن کا صدر مقام ہے جہاں کمشنر رہتا ہے، کمشنر کی نگرانی میں بریلی کے علاوہ بدایوں، پیلی بھیت، مراد آباد، شاہجہاں پور اور بجنور پانچ اضلاع اور ہیں اور اس محدود رقبہ پر فی زمانہ روہیل کھنڈ کا اطلاق کیا جاتا ہے اسی خطہ روہیل کھنڈ میں ۱۹۴۷ء تک مسلمانوں کے قدیم خاندان آباد تھے جن کی جاگیریں زمینداریاں ان کے ہاتھ سے نکل گئیں تھی، بھارتی حکومت نے صنعت و حرفت اور ملازمت و تجارت بھی ان کے ہاتھ سے نکال لی جس کے نتیجہ میں ان کی مالی حالت بلکہ ان کی جسمانی حالت بھی وہ باقی نہیں رہی ہے جو آج سے قریب دو سو سال قبل روہیلوں کے زمانۂ عروج اور ان کے کافی عرصہ بعد تک تھی؛ بقول مولانا حالی ؎

گر سلف دیکھیں ہمارے زندہ ہو کر اب یہیں ۔ آئے نسبت اور قرابت سے ہماری ان کو عار

مسلمانوں کی تعلیم و ثقافت بھی ہندی زبان اور ہندو دیو مالا کو رواج عام دیکر ختم کی جارہی ہیں سب پر مستزاد جان و آبرو کا خطرہ ان کے سروں پر ہمہ وقت مسلط رہتا ہے، انہیں حالات سے مجبور ہو کر آبادی کا کافی بڑا حصہ ترک وطن کرکے پاکستان آچکا ہے، ساری جتھہ بندی ختم ہوگئی، انفرادی زندگی تک کے لالے پڑے ہوئے ہیں، روہیل کھنڈ اور پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی یہ دردانگیز و عبرتناک حالتِ غلامی کب تک رہیگی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ع حافظ وظیفۂ تو دعا کردن است و بس! کے سوا کوئی اور چارۂ کار فی الوقت نظر نہیں آرہا ہے۔

---

[1] ڈاکٹر لطیف حسین ادیب نے کتاب کی اس طبع ثانی کے وقت بریلی سے اطلاع دی ہے کہ: خان بہادر خاں معروف کا قلمی دیوان میری نظر میں ہے، نقل حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ دیوان قطعاً محفوظ اور نہایت عمدہ حالت میں ہے۔